

فروری 2018

بہنوں کا اپنا ماہنامہ

# شعاع





- |     |             |     |             |                 |
|-----|-------------|-----|-------------|-----------------|
| 285 | است اصغر    | 271 | رضیہ جیل    | خطاب کے         |
| 280 | خالہ جیلانی | 265 | ادارہ       | مسکراہٹیں       |
| 289 | ادارہ       | 283 | واصفہ بی    | ایٹھ خانے میں   |
|     |             | 268 | شگفتہ جاہ   | بالوں سے خوشنوں |
|     |             | 267 | خالہ جیلانی | کھٹا کسی پہ     |

فروری 2018  
جلد 32  
صفحہ 60

خط و کتابت کا پتہ: ماہنامہ شعاع، 37 - اردو بازار، کراچی۔

رضیہ جیل، لاہور، حسن چٹنگ پل، سید محمد کاشف شاہ کلاں - لاہور

Phone: 32721777, 32726617, 021-32022494 Fax: 0092-21-32766872

Email: shuaa@khawateendigest.com website: www.khawateendigest.com



- 68 عمر وں کے سلسلوں، فوزیہ فرخ  
238 آؤ لالہ اُگا تے ہیں، ایم ایم قاضی



- 231 شہری خواہش، سفید عمیر  
55 گل فروش، قزوین پور کاٹی  
86 فیصلہ، نور الصباح  
140 چچان روٹھ گیا، عطیہ اختر



- 263 احمد فرار  
263 متین یاری  
264 لیاقت علی عام  
264 شانہ بی

ذرا سا لڑائی بکھڑکائی  
پاکستان (سات)۔۔۔۔۔ 700 روپے  
ایشیا، افریقہ، یورپ۔۔۔۔۔ 6000 روپے  
امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا۔۔۔۔۔ 7000 روپے

- 10 رضیہ جیل  
11 ڈاکٹر سید قاسم جلال  
11 محمد عظیم چشتی  
12 ادارہ  
10 پہلی شجاع  
11 محمد  
11 نعت  
12 نئی کی بابتیں



- 22 شگفتہ یاسین  
28 شاہین رفیقہ  
17 آسیہ ملا حسین  
22 بین جن  
28 دستک  
17 جب مجھ سے تانا



- 186 عقدہ کلار  
30 صاحب اکرم  
204 سلوٹھ ایٹ  
94 فرزانہ کھلور  
146 سورۃ الممتحن  
186 خوب شیشے کا  
30 شہزاد



- 204 سلوٹھ ایٹ  
94 فرزانہ کھلور  
146 سورۃ الممتحن  
204 شہری دھوپ  
94 محبت جنوری جیسی  
146 محبت تمہارے نام

اعتماد: ماہنامہ شعاع کو ایڈیٹر کے علاوہ حقوق محفوظ ہیں، بائشری اگر بری اجازت کے بغیر اس رسالے کی کسی بھی کاپی،  
تول، یا اس کے کسی بھی اجازت سے نہ شائع کیا جاسکتا ہے، نہ کسی بھی ویڈیو یا دیگر ذرائع سے، لکھنؤ، لاہور، اسلام آباد، کراچی کے  
خبر پر کسی بھی شکل میں پیش کیا جاسکتا ہے۔ خلاف ورزی کرنے کی صورت میں عدالتی کارروائی میں مل سکتی ہے۔

شبِ غم کا اثر دل سے مٹاتی ہے تری خوشبو  
قسانے صبحِ تازہ کے سناٹی ہے تری خوشبو



کوثر کی ملاوت ہے مری تشنہ لہجی میں  
مصروف ہوں میں مدحِ دہلی عربی میں  
تہنائی میں دم ساز ہے اس مر کا تصور  
کیوں موحِ ضیا ہون مری تیرہ شبی میں  
ہے سخن بھی، اخلاق بھی، رحمت بھی اکرم بھی  
مکی، مدنی، ہاشمی و مطلبی میں  
ہر ذرہ نظر آتا ہے غور شدہ بدایاں  
جلوسے ہیں عجب سے مرے آفاقی گلی میں  
ہر سخن کا محمد ہے وہ اک ذات بقدری  
ہر علم کا جو ہے اک اُمّی عربی میں  
کس آنکھ نے دیکھا ہے کوئی ایک ہمسر  
کس کو ہے کلامِ آپ کی عالی نسی میں  
محمد اعظم جنتی

گھٹاؤں کی زبانی تیرے بیغالات ملتے ہیں  
نسیم صبحِ گاہی لے کے آتی ہے تری خوشبو  
گلاب بے خزاں! تو اگرچہ نظروں سے ہے پوشیدہ  
مگر ہر دم تری صورت دکھاتی ہے تری خوشبو  
بے شک جائے مسافر عجب کوئی تو، خضر راہِ کر  
قریب منزل مقصود لاتی ہے تری خوشبو  
زہے قسمت کہ نزدیک درگاہِ عالی تری ہستی  
مرے ہر سانس کے ہمراہ آتی ہے تری خوشبو  
جلال زار کا جب جس غم سے سانس رک گیا ہے  
اچانک صحنِ دل میں مسکراتی ہے تری خوشبو  
ڈاکٹر سید قاسم جلال

شعاعِ فروری کا شمار ہمارے ہمارے میں۔  
واقعات کی رفتار پر تھوکتی یا لہر لہر کرے گیگ مجوز دینے والے مینار کا کمال ہے کہ لوگ ہمدردت  
جہانی کیفیت کا شکار ہیں۔  
قصور میں ہولے واسطوں کو فرسادوں میں ڈال دینا سنا ہے سب کے دلوں کو ہلا کر رکھ دیا ہے۔ سوئے ہوئے  
میں مری کو چھوڑ دیا ہے۔ ایک ایسا دل ہے جس کا شعور بھی کس کو دل دیوے نہ لگتا ہے۔  
یہ کوئی گف واقعات ہیں ہے۔ ایسا دل ہے جو دارا ہے۔ ایسا دل ہے جس پر ہر لمحہ شعور کی زنجیر کے  
بہم دران کی خاطر اس صدمہ میں اسی غم کے کئی واقعات دفن ہو چکے ہیں۔ کئی عرصہ گلیاں اس ہیمانہ ظلم  
کا نشان بن چکی ہیں۔  
کے لی کے خیال میں لی کے ہاتھ سے ڈالا اذیت ہوا ملک مری قوم کے لیے حادث شرم  
ہے۔ اللہ ہے کہ اس واقعے کے دوران اس صدمہ کو اس کے دل سے مٹا دے اور اس کے دل کے اڑا کر لے۔ اس  
واقعے کے منکرین کو، اس کے اس کے دل کو جو اس کے دل کے خلاف ہے اس کے دل کو اس کے دل کے خلاف ہے۔ یہاں آج بھی اس کے دل کے خلاف ہے۔ یہاں  
اس ملک میں آج بھی اس کے دل کو اس کے دل کے خلاف ہے۔ یہاں آج بھی اس کے دل کے خلاف ہے۔ یہاں آج بھی اس کے دل کے خلاف ہے۔ یہاں  
آج بھی جو کہ اس کے دل کو اس کے دل کے خلاف ہے۔ یہاں آج بھی اس کے دل کے خلاف ہے۔ یہاں آج بھی اس کے دل کے خلاف ہے۔ یہاں  
دین اور معاشرے واقعات میں اس کے دل کو اس کے دل کے خلاف ہے۔ یہاں آج بھی اس کے دل کے خلاف ہے۔ یہاں آج بھی اس کے دل کے خلاف ہے۔ یہاں  
نہاں آج بھی اس کے دل کو اس کے دل کے خلاف ہے۔ یہاں آج بھی اس کے دل کے خلاف ہے۔ یہاں آج بھی اس کے دل کے خلاف ہے۔ یہاں  
مٹنے کو بھی سیاست کی خد کو رہا۔ سیاسی امور کو بھی اس کے دل کو اس کے دل کے خلاف ہے۔ یہاں آج بھی اس کے دل کے خلاف ہے۔ یہاں  
کیوں تو ہر ذرہ نظر آتا ہے غور شدہ بدایاں  
جلوسے ہیں عجب سے مرے آفاقی گلی میں  
ہر سخن کا محمد ہے وہ اک ذات بقدری  
ہر علم کا جو ہے اک اُمّی عربی میں  
کس آنکھ نے دیکھا ہے کوئی ایک ہمسر  
کس کو ہے کلامِ آپ کی عالی نسی میں  
محمد اعظم جنتی



وَر

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ نماز وتر فرض نماز کی طرح لازمی نہیں ہے۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے مقرر فرمایا ہے۔ (یہ سنت ہے۔) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ ”اللہ تعالیٰ وتر (علاقہ) ہے اور وتر کو پسند فرماتا ہے۔ لہذا اے اہل قرآن! تم وتر پڑھا کرو۔“ (اسے ابو داؤد اور ترمذی نے روایت کیا ہے۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں: یہ حدیث حسن ہے۔) نوادہ وسائل :

1- وتر، طاق عدد کو کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ طاق ہے، کا مطلب ہے کہ وہ اپنی ذات و صفات اور افعال میں یکساں ہے، اس کا کوئی جانی نہیں۔ صلاۃ الوتر کبھی اس لیے وتر کہا جاتا ہے کہ وہ ایک، تین، پانچ یا سات وغیرہ طاق عدد میں آدھ کی جاتی ہے۔ اسے دو، چار، پچھ، آٹھ وغیرہ جفت اعداد میں پڑھنا جائز نہیں ہے۔ 2- اس سے معلوم ہوا کہ وتر فرض واجب نہیں ہے سنت مؤکدہ ہے، تاہم اس میں تاہل و تعقل صحیح نہیں کیونکہ سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی ہر مسلمان کا شیوہ ہونا چاہیے۔

3- صحابہ کرام قرآن فرمایا، اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ حدیث کو نہ مانتے تھے بلکہ اہل قرآن کا مطلب شریعت اسلامیہ کے پیروکار ہیں اور شریعت قرآن و حدیث دونوں کے مجوسے کا نام ہے نہ کہ حدیث کے بغیر صرف قرآن کا ”جیسا کہ قرآن کل قرآن کا سامنے کا کھوے دار ایک فرقہ کہتا ہے۔ یہ فرقہ حدیث کا حق ہے، اس لیے حدیث کے مطابق عمل کرنا قرآن کا بھی منکر ہے، کیونکہ حدیث کے بغیر قرآن کو

سمجھا جاسکتا ہے نہ اس پر عمل ہی کیا جاسکتا ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں۔ ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رات کے ہر حصے میں نماز وتر پڑھی ہے: رات کی ابتدا میں، اس کے درمیان میں اور اس کے آخر میں۔ اور (آخرو) آپ کی نماز وتر (صبح) تک پہنچتی۔ (بخاری و مسلم) فائدہ : اس میں نماز وتر کے وقت کا بیان ہے کہ اس کا اول وقت عشا کی نماز کے فوراً بعد اور آخری وقت صبح صادق ہے۔ گویا عشا سے لے کر طلوع فجر تک وتر پڑھے جاسکتے ہیں۔

رات کی آخری نماز

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ”تم اپنی رات کی آخری نماز وتر کو پھاؤ۔“ (بخاری و مسلم)

نوادہ وسائل : اس حدیث سے بعض علماء نے استدلال کرتے ہوئے کہا ہے کہ وتر ادا کرنے کے بعد نفل نماز پڑھنی جائز نہیں کیونکہ آپ نے وتر کو سب سے آخری نماز بنانے کا حکم دیا ہے۔ لیکن امام نووی اور دیگر بعض علماء نے اس حکم کو جوہر کے بجائے انتخاب پر محمول کیا ہے کیونکہ خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی وتر کے بعد دو رکعت نفل پڑھ کر پڑھنے کا ثبوت صحیح احادیث میں موجود ہے۔ اس لیے اس حدیث کے مطابق عمل کرنا بہتر ہے لیکن اگر کوئی وتر کے بعد دو نفل پڑھنا چاہے تو جائز ہے۔

جج ابائی رحمۃ اللہ نے ابن خزیمہ کی ایک روایت نقل کی ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب تم میں سے کوئی شخص وتر کے بعد دو رکعت پڑھے تو یہ قیام اللیل کی طرح ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد لکھا ہے کہ میں وتر کے بعد دو رکعت نفل پڑھنے کے بارے میں مدت تک توفیق کا شکار رہا۔ لیکن اس روایت سے مطلع ہونے کے بعد میں نے اس پر عمل شروع کر دیا۔

اس حدیث کا یہ معلوم ہوا کہ رات کی آخری حصے میں پڑھے بہتر ہیں۔ لیکن یہ بھی اس شخص کے لیے ہے جو قیام اللیل (نماز تہجد) کا عادی ہے۔ عام لوگوں کے لیے بہتر یہی ہے کہ وہ عشاء کی نماز کے ساتھ ہی آخریں ادا کر لیں۔

صبح ہونے سے پہلے

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ”صبح کرنے سے پہلے تک وتر پڑھ کر لیا کرو۔“ (مسلم)

فائدہ : اس میں بھی صحیح صادق سے پہلے پہلے وتر ادا کر لینے کا حکم ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی رات کی نماز (تہجد) پڑھتے تھے جب کہ وہ (حضرت عائشہ) آپ کے سامنے لیٹیں ہوئی تھیں۔ جب آپ کے وتر پائی دے جاتے تو آپ انہیں بھی بگاڑ دیتے اور دو رکعت پڑھ لیتیں۔ (مسلم) اور مسلم کی ایک اور روایت میں اس طرح ہے: جب آپ کے وتر پائی دے جاتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے۔ ”عائشہ! اٹھ اور وتر پڑھ لو۔“ نوادہ وسائل :

اس سے ایک بات یہ معلوم ہوا کہ نماز کی آگے قبلہ رخ گویا سوا ہو اور توجہ پڑھی جاسکتی ہے۔ اسی طرح گھر والوں کو رات کی طاق نماز وغیرہ کے لیے

اٹھانا مستحب ہے۔ نیز رات کو آخری حصے میں اللہ کر صرف وتر بھی پڑھے جاسکتے ہیں۔

افضل وقت

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”جس کو یہ اندیشہ ہو کہ وہ رات کے آخری پہر کو نہیں اٹھے گا تو اس کو چاہیے کہ وہ رات کے اول حصے میں وتر پڑھے۔ اور جس کو رات کے آخر میں اٹھنے کی امید ہو وہ رات کے آخر میں وتر پڑھے۔ اس لیے کہ رات کے آخری پہر کی نماز میں فرشتے حاضر ہوتے ہیں۔ اور یہ افضل بات ہے۔“ (مسلم) فائدہ : جس کو امید ہو، کے متنی بھی کہ اپنی عادت یا کسی جگانے والے شخص یا آلے (الادم وغیرہ) کی وجہ سے قوی امید، یعنی یقین ہو کہ وہ رات

کے آخری پہر میں اٹھ جائے گا، اس کے لیے وتر رات کے آخر میں ادا کر لینا بہتر ہیں، بصورت دیگر اول وقت میں۔

نماز جاہلیت کی فضیلت

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ۔

”مجھے میرے ظہن صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر مینے تین دن کے روزے رکھے، جاہلیت کی دور کشیں اور سونے سے پہلے وتر ادا کرنے کی وصیت فرمائی۔ (بخاری و مسلم)

نوادہ وسائل : 1- سونے سے پہلے وتر کی ادائیگی صرف اس شخص کے لیے مستحب ہے جو رات کے آخری حصے میں اٹھے کے بارے میں اپنے آپ پر اکتفا نہیں کرتا۔ اگر اسے اہم ہو تو پھر رات کا آخری حصہ افضل ہے۔

2- وصیت سے مراد تلقین و تاکید ہے کیونکہ فرائض کے ساتھ نوافل کا اہتمام عند اللہ قرب خصوصی کا باعث ہے۔ تین دن سے مراد کوئی نہ مکی

تین دن ہو سکتے ہیں لیکن ایام بیض (یعنی قری مبینہ کی 13، 14 اور 15 تاریخ) مراد لی جانے تو زیادہ بہتر ہے، کیونکہ ان ایام میں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی روزے رکھتے تھے۔

3- اس سے چاشت کی نماز اور ترکِ اجبت، نیز نیکی کے کاموں کی تلقین و ترغیب کی فضیلت بھی ثابت ہوئی ہے۔

**صدقہ**  
حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:  
”تم میں سے ہر آدمی اس حال میں صبح کرنا ہے کہ اس کے ذمے اس کے ہر جوڑ پر صدقہ ہوتا ہے۔ پس ہر ایک با زبان اللہ کہنا صدقہ ہے، ہر بار اللہ کا کہنا صدقہ ہے۔ ہر مرتبہ لا الہ الا اللہ کہنا صدقہ ہے۔ ہر مرتبہ اللہ اکبر کہنا صدقہ ہے۔ نیکی کا حکم دینا صدقہ ہے اور برائی سے روکنا صدقہ ہے۔ اور ان کے مقابلے میں چاشت کی وہ دو رکعتیں بھی کفایت کر جاتی ہیں جنہیں کوئی آدمی ادا کرتا ہے۔“ (مسلم)

**فوائد و مسائل:**  
1- ہر جوڑ پر صدقہ ہے، کا مطلب ہے انسان جب صبح اٹھتا ہے تو ہر جوڑ کی سلامتی پر اللہ کا شکر ادا کرتا اس پر واجب ہوتا ہے، اس لیے انسان کو چاہیے کہ اللہ کی تسبیح و تحمید اور بحیر و دلیل کا اہتمام کرے، کیونکہ مذکورہ کلمات تسبیح و تحمید کی ایک ایک مرتبہ ادا کرنا ایک ایک صدقہ ہے۔

2- ہر انسان کے جسم میں 360 جوڑ ہوتے ہیں، اتنی تعداد میں ہر انسان کو ضرور تسبیح و تحمید کا اہتمام کرنا چاہیے، علاوہ ان کی کوئی بھی کی ترغیب دینا اور برائی سے روکنا بھی صدقہ ہے اور انسان اگر چاشت کی دو رکعتیں ادا کر لے تو تمام جوڑوں کی طرف سے صدقہ ہو جاتا ہے۔ اس سے بھی چاشت کی نماز کی اہمیت و فضیلت واضح ہے۔

3- نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ صدقہ صرف مال خرچ

ا دل وقت پر بھی گناہ کو اشراف اور آخری وقت میں پر بھی گناہ کی چاشت کی نماز کہا جاتا ہے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ ایک نیزے کے برابر سورج جلد ہونے پر دو رکعت نماز، اشراف کی نماز ہے اور جب سورج نکل جائے اور آسمان کے چروٹائی سے نکل ہو جائے تو اس وقت چار رکعت چاشت کی نماز ہے۔

**تحسینہ المسجد**  
حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:  
”جب تم میں سے کوئی شخص مسجد میں آئے تو دو رکعت چار رکعت پڑھے۔“ (بخاری و مسلم)  
”مگر چار رکعتیں اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف فرما تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:  
”دو رکعتیں پڑھو۔“ (بخاری و مسلم)

**فوائد و مسائل:**  
1- دونوں حدیثوں میں دو رکعت پڑھنے کی تاکید ہے (یہ کم از کم تعداد ہے ورنہ دو دو کر کے جتنے نوافل انسان پڑھنا چاہے، پڑھ سکا ہے، علاوہ ان میں امام نووی رحمۃ اللہ علیہ کی توجہ کی دوسے آئے والا رکعت (نوافل شہدہ) فرض نماز یا نوافل رات پڑھے گا، جب بھی وہ رکعت کے حکم سے بچ جائے گا۔

2- بعض علماء کے نزدیک مذکورہ احادیث میں امر و وجوب کے لیے ہے، اس لیے ان کے نزدیک تحسینہ المسجد واجب ہے، جب کہ دوسرے علماء نے اس امر کو احتیاج کے لیے قرار دیا ہے، لہذا ان کے نزدیک یہ مستحب ہے۔

3- رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اہتمام سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو ترک نہیں کرنا چاہیے لیکن انہیں کوئی جان اور دولتوں کو کوئی اہمیت نہیں دی جاتی جو سراسر غفلت اور سست نبوی کو درخور اعتناء سمجھنے کے مترادف ہے۔

## وضو کے بعد دو رکعت

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا:  
”اے بلال! اچھے تم اپنا وہ عمل بلا دو جو تم نے اسلام میں سے سب سے زیادہ امید والا کیا ہے۔ اس لیے کہ میں نے جنت میں اپنے آگے تمہارے جتوں کی آواز سنی ہے۔“

انہوں نے جواب دیا: ”میں نے کوئی عمل ایسے نزدیک اس سے زیادہ امید والا نہیں کیا کہ میں نے اس یاد ان کی جس کھڑکی میں بھی وضو (پیش) کیا تو رات کے ساتھ، جس نماز میں بے مقدار میں، میں نے ضرور پڑھی۔“ (بخاری و مسلم) یہ الفاظ بخاری کی ہیں۔

**فوائد و مسائل:**  
1- جہو رکعت وضو، غسل اور تحیم تینوں کے لیے استعمال ہوتا ہے کیونکہ تینوں طریقوں سے شری طہارت حاصل ہو جاتی ہے جس کے بعد نماز پڑھی جاسکتی ہے۔ اس لیے طلب ہے ہوگا کہ دن رات کی جس کھڑکی میں بھی حضرت بلال وضو یا غسل کرتے تو کچھ نماز ضرور پڑھتے۔ اور بعض دوسری روایات میں صراحت ہے کہ دو رکعت پڑھنے اللہ تعالیٰ کو ان کا یہ عمل بہت پسند آیا اور ان کو یہ فضیلت حاصل ہوئی جس کا شاہد ابھی خود نبی جلیل اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

2- جنت کا یہ مشاہدہ آپ کو صراج کے منبع پر حاصل ہوا، یا خواب میں کشف کے طور پر آپ کو کراہیا گیا، بہر حال اس سے تحسینہ الوضو کی فضیلت واضح ہے۔

3- بعض علماء کے نزدیک اوقات مکروہہ میں بھی تحسینہ الوضو درستیہ المسجد کے نفل پڑھنے جائز ہیں، کیونکہ آپ کا حکم عام ہے جب کہ دوسرے علماء اس عموم میں ان احادیث سے تخصیص کے قائل ہیں جن میں نماز فجر اور نماز عصر کے بعد نفل نماز پڑھنے



سے منع کیا گیا ہے۔ اس لیے اگر کوئی شخص مکروہ اوقات میں مسجد میں آ کر تحفۃ السجہ کے دو نفل پڑھتا ہے تو دوسرے فریق کو اس میں تعدد نہیں کرنا چاہیے۔

### جمعہ کے دن کی فضیلت

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”محبّر جمعہ (یعنی کسی نماز پوری ہو جائے تو زمین میں پھیل جائے اور اللہ کا فضل خاص کر ادھر ٹھہرتا ہے)“ (المجموعہ: 10) فائدہ آیت: ”آیت میں نماز جمعہ سے فراغت کے بعد اپنی حاجات کے لیے اور تجارت و کاروبار کے ذریعے سے اللہ کا فضل تلاش کرنے کے لیے زمین میں پھیل جانے کا حکم دیا گیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام میں یہ حکم نہیں ہے کہ بیٹے کے دن کم اپنا کاروبار یکسر بند کر دے بلکہ نماز جمعہ سے قبل اور اس کے بعد دینی معاملات اور کاروبار میں حصہ لینے کی اجازت و صراحت فرما کر ادراج کر دے کہ صرف نماز اور خطبے کے وقت کاروبار بند رکھو، سارا دن چمکی کرنا ضروری نہیں ہے۔“

### سب سے بہتر دن

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”سب سے بہتر دن جس پر سورج طلوع ہوتا ہے، بیٹے کا دن ہے۔ اسی میں حضرت آدم کو پیدا کیا گیا، اسی میں وہ دنیا میں داخل کیے گئے اور اسی میں ان کو اس (جنت) سے نکالا گیا۔“ (مسلم)

فائدہ: اس میں بیٹے کے دن کی فضیلت کا بیان ہے، علاوہ ان دنوں میں بڑے بڑے امور سر انجام پاتے ہیں۔ اسی کی فضیلت کا پہلو نمایاں ہوتا ہے۔

### گناہوں کی معافی

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت

ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”جس نے وضو کیا اور اچھے طریقے سے وضو کیا، پھر جمعہ پڑھنے کے لیے آیا اور کان کو گھر (خلیہ) بنا اور خاصوش رہا، تو اس کے اس بیٹے سے دوسرے بیٹے تک کی درمیانی مدت اور مزید تین دن کے گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں۔ اور جس نے ٹھکڑیوں کو فائدہ و مسکن:

1- دیکھ کر طریقے سے وضو کرنے کا مطلب، سنت کے مطابق وضو کرنا ہے، یعنی اس میں اسراف اور حد سے تجاوز نہ ہو۔ ہر وضو کو زیادہ سے زیادہ تین مرتبہ دھوئے، پانی ضرورت سے زیادہ استعمال نہ کرے اور کوئی خشک جگہ نہ رہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ گھر سے وضو کر کے مسجد میں آنا زیادہ فضیلت کا ہے۔

2- دن میں گناہ معاف ہو جاتے ہیں کیونکہ ایک ٹھکی کا اجر کم از کم دس گنا ہے۔ گناہ سے صغیرہ گناہ مراد ہیں، دور نہ کبیرہ گناہ خاص تو یہ کہ بغیر اور حقوق العباد سے متعلق گناہ ان کی طاعتی اور ازالے کے بغیر معاف نہیں ہوں گے۔

3- خطبہ کا دعوتی اور توجہ سے سنتا چاہیے۔ نکلوں اور سرگرمیوں کے ساتھ کھیل کر میں معرفت ہوا جائے، یہ ایک لغو اور بے فائدہ کام ہے بلکہ آداب خطبہ کے مطابق ہونے کا باعث سراسر گناہ ہے۔



## جب تجھے نکالنا چاہتے ہیں

آسیہ ام حبیبہ

”سب سے پہلے انھوں، کرڈوں بار اس بارکت ذات کا شکر واجب الارادہ ہے، جس نے انسان کا شرف اخلاقیات کے دور سے برقرار کیا ہے۔ اسے شہور و کامیابی، اچھے برے کی تیز بین فراق کرنا سکھایا ہے۔ جس نے قرآن پاک میں تعلیم فتح ہائے زندگی عطا کیا ہے۔“ اب آتے ہیں سوالات کی جانب، جو جناب پہلا سوال۔

ج: ”ہماری شادی 20 نومبر 2011ء کو پتھر دوٹی انجام پائی۔ موسم بہت اچھا تھا اور اتر بار دن تھا، بلکہ میں کزن کی شادی، کنبے ایک دن ہوئی اور ماشاء اللہ سے سارا خاندان موجود تھا۔ اس لیے بہت مزا آیا اور سب نے خوب انجوائے کیا۔

ک: ”شادی سے پہلے مشاغل اور چھپاواں؟“ ج: ”شادی سے پہلے تو بہت ہی گھنچا ہوا اور مشاغل تھے۔ جیسے کہ باندی سے صوم وصول تو اپنی درسی کتابیں، چونکہ میں بی۔ ایڈ ریگولر کر رہی تھی، میرے پریکٹیکل جب ہوئے ان دنوں میں میرے دن رات کے تھے۔ جو اینٹ ایک سسٹم تھا جس میں اور ہے بھی، تو سب کے ساتھ کب شہ، کسی پر تنقید تو کسی کی تفریق، بکن، مخالف تفریق، اس طرح کے مشاغل، سب سے اہم کام ڈائری لکھنا اور پھر اپنی شاعری لکھنا، بلکہ سب سے زیادہ وقت اپنی خود ساختہ کہانیاں لکھنا اور انہیں پڑھ کر پھر جلا کر کہیں اور کے ساتھ تنگ جائیں۔ کیوں کہ میں بلوچ نسلی سے تھیں، مگر میں ہوں اور وہ اپنے اصول و ضوابط میں بہت سخت ہوئی ہے، لیکن اب مجھے پلک آنکھی ہے، اس لیے تو مایہ دلت حکم لکھ لکھ رہی ہیں۔ زندگی پہلے بھی بہت پیاری اور حسین تھی اور اب بھی ویسی ہے۔ (الحمد للہ)

”سب سے پہلے انھوں، کرڈوں بار اس بارکت ذات کا شکر واجب الارادہ ہے، جس نے انسان کا شرف اخلاقیات کے دور سے برقرار کیا ہے۔ اسے شہور و کامیابی، اچھے برے کی تیز بین فراق کرنا سکھایا ہے۔ جس نے قرآن پاک میں تعلیم فتح ہائے زندگی عطا کیا ہے۔“ اب آتے ہیں سوالات کی جانب، جو جناب پہلا سوال۔

ج: ”آپ کس چوون سماج کی بات کر رہی ہیں۔“ ”ہم بچپن میں ایک ساتھ کھیلے ہیں، بلکہ آج میں میں لڑتے ہوئے سارا بچپن گزارا ہے، بلا جواز لڑائیاں جہاں ہوں، وہاں کون خالص جذبات نظر نہیں آتے۔ اس لیے ایک دوسرے کے بارے میں جاننے کا کوئی خاص شوق نہیں تھا، مجھے نہیں تھا، اور ان کا بتائیں۔



منہی میں چلا ہیں کروہ ہم سے ہی مخاطب تھے۔)  
انہیں ساتھ کر کے چھٹی سے ڈر لی ہوں، وہ ایک حد  
تک چھٹی ساتھ لیے پھرے اور مجھے ڈرانے کی  
کوشش کی، تو میں نے جلدی سے اوپر چھٹوں میں  
پھینک دی۔ آخر شادی کے بعد بندے میں کچھ  
تبدیلی آ تو جانی ہے نا، جیسے کہ میرا خود خان بن گئی  
اور اپنی طرف دیکھ کر اٹھنے والا کھانے دارا بنی تھا تو اس  
بلکہ نئی دہلی نے زور سے دور پھینکا۔ (لے لے لے)

س: ”کچھ دلیاں؟“

ج: ”جی ہاں، جب انسان کا نام بدل  
جائے، کام، گھر، دین، کن تو پھر تبدیلیاں تو لازمی جز  
ہیں نا۔ فرشتہ ٹھوڑی ہوں، ہر غلام سے ٹھیک کاہ  
نگالا ہے۔ وہ کیا کہتے ہیں کہ دقت ہے سے بلا ستاد  
ہے۔ میں پہلے اپنی سوشل نہیں تھی، اب ہوئی جاری  
ہوں، اب زندگی میں فضا کی آمیزش بھی ہوئی ہے،  
محبتوں کے پھول تو پھر ٹھوڑی کھلتے ہیں۔ آخر موسم  
بدلتا رہتا ہے۔ حالات و واقعات انسانی زندگی پر بڑا

اثر دیتے ہیں۔“

س: ”شادی کے کتنے عرصے بعد کام  
سنیلا؟“

ج: ”لو، پھر اس سوال کو، تو جناب جی ہم  
ایک کمرے سے اٹھ کر دوسرے کمرے میں تشریف  
لے گئے، لیکن ہمارا ایک ہی بڑا کمرہ ہے، جس میں  
سب ان سٹکوں سے بھرے ہیں اور میری شادی میں  
میرے تاجا زادے سے ہوئی ہے۔ اس لیے بے تکلفات و  
آداب غوطہ خاطر رکھے گئے، میری شادی کے تین دن  
بعد تمام رسم سے فارغ ہو کر ہم نے کام سنبھالنا  
شروع کر دیا تو ان کا سون میں سب سے کام بہت چارہ  
لانا تک شامل ہیں۔ ائمہ مدین میں خود پڑی کبھی اور  
باشو بھی، کام کرنے سے انسان صحت مند اور چٹا و  
چمک رہتا ہے۔ دیکھیں مجھے ابھی نہیں لگتا کہ انسان  
اندھ سے کچھ ہو اور باہر سے کچھ ہو، اس لیے پوری

ایمان داری سے اپنی بساط کے مطابق گھر کا کام بھی  
کرتی ہوں اور باہر کا بھی۔ بانی اللہ تعالیٰ بہت اور  
صحت عطا کرے۔ (آمین)

س: ”کیا سیکے اور سرال کے کھانے پکانے  
میں انداز اور ذائقے مختلف محسوس ہوتے؟“

ج: ”جی ہاں، بالکل، فرق تو پھر ہوتا ہی ہے، مادی  
کے گھر جو مرضی بناؤ، بلا ٹھیک ہر کام ہوتا تھا، لیکن  
اپنے گھر کچر سب کی مرضی کو شامل کرنا پڑتا ہے۔  
میرے والدین اور ہم سب، بہن، بھائی خاصے خوش  
خوراک دلایع ہوتے ہیں اور دیکھیں مجھے کئی ڈسٹر  
ٹرائی کرنے کا شوق ہوتا تھا تو سب کچھ اپنی مرضی سے  
چٹا تھا۔ یہاں بھی سب ٹھیک ہے۔ بھی مرچ مار اور  
ٹھیک تیز ہو رہی جاتا ہے۔“

س: ”سرال والوں نے آپ کا وہ مقام دیا  
جو آپ کا حق تھا؟“

ج: ”بالکل گم لے امور میں چرچا طے سے حصہ  
ڈالنا پڑتا ہے، بلکہ رائے ضرور دینی جاتی ہے۔ خاندانی  
محاملات تو پھر گھر کے سربراہ مرد حضرات ہی  
سنہالتے ہیں۔ مرد اور عورت میں بہت فرق ہے۔“

اللہ تعالیٰ نے مرکوڈ پر بنایا ہے تو عورت کو اس کا شبیر  
مقرر کیا ہے۔“

س: ”سرا لیلوں سے وابستہ تو قہات؟“

ج: ”اب ہر وقت والدین ٹھوڑی ساتھ  
ہوتے ہیں، جب لڑکی شادی ہو جاتی ہے تو یوں  
جھینس وہ پورے وقت سے دوسروں کی ہو جاتی  
ہے۔ ایسے میں ہر چارچا، برا فطرت بھی سرا لیلوں کے سر  
آتا ہے۔ میری بھی تو قہات تھیں جو کہ کچھ پوری  
ہوئیں اور کچھ ابھی باقی ہیں، وقت کا یہ بھی دیکھنا  
ہی اس طرح انسانی ضروریات بھی بدلتی رہتی ہیں  
اور یہ سب ضرورتیں تو پھر اپنے گھر والے ہی پوری  
کرتے ہیں۔ سچی کسی سے اپنی وابستگی نہیں رہی کہ  
اس کے سہارے پے جیسے کا بھی سوچ لیں۔ جیسے ”جتنا  
گڑا، اتنا خطا۔“

سوال: ”بچوں کی پیدائش؟“

ج: ”واہ بھان اللہ انکلیش کی مفت اللہ کی  
ذات کی ہے، لیکن اس نے عورت کو بھی اس صنعت  
میں شامل کر کے اس کے بیروں کے بیچے بنت دکھ  
دی۔ (ماشاء اللہ) بھان اللہ اس غنا آسان کام  
نہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ نے اس مہدے پر فائز کر دیا ہے  
تو بہت دجرات بھی وہی ذات عطا کرنے والی ہے۔  
اسی طرح ہر ماں کی طرح میری حالت بھی بہت ٹھیک  
ہوتی تھی، شکر ہے کہ میرے شوہر نے میرا خیال رکھا،  
والی، چمک اپ، خوراک وغیرہ ہر طرح سے میری  
مان، دیکھیں بھی میرا خیال رہی میں، اصرار کی  
گھر تو پھر موہیں ہی موہیں ہوئی ہیں۔ میری ڈیوڑھی  
بہت مشکل اور پیچیدہ ہوئی ہے، شکر ہے کہ میرے  
سرال والے اور میرے شوہر بڑے ہی سپتال لے  
گئے اور نینے کی حالت میں ناول ڈیوڑھی کروائی،  
جو کہ بہت ٹھیک ہوئی ہے۔ (ماشاء اللہ) اللہ نے مجھے  
بنا عطا کیا، میرے سرال والے، بیکے، سب بہت  
خوش تھے اور ابھی تک ہیں۔ اب ماشاء اللہ میرے دو  
بچے ہو گئے ہیں۔ اللہ انہیں تندرستی، صحت اور کار کما بانی  
عطا کرے اور انہیں کمال فرماں بردار بنائے۔ میں تو

ہر نماز میں صرف ایک ہی دعا کرتی ہوں کہ اللہ  
سائیں ہم ہمیں، بڑی کو اپنی اولاد کی قرآن و سنت  
کے مطابق تربیت کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔  
(آمین یا اے)

س: ”جوانت فاسلمی علیہ السلام پر ہوتا؟“

ج: ”ہم نے آکھ دی جوانت فاسلمی میں کھولی  
ہے، تو اب عادت ہو گئی ہے سب کے ساتھ اکٹھے  
رہنے کی۔ جوانت فاسلمی کی بہت سی خوبیاں ہیں اور  
اس کے ساتھ ساتھ خامیاں بھی ہیں۔ جیسے عزت نفس  
اور فکری احساس آہستہ آہستہ دوسروں کو فکری بیروں کی  
اجارہ داری سے مر جاتا ہے اور فکری دنیا میں سدد

ہو جاتی ہیں۔ وقت اور حالات کے ساتھ سب تبدیل  
ہوتا رہتا ہے۔ اب ہم اکٹھے ہیں، تو آگے جائیں کیا  
حالات ہوتے ہیں۔ اس لیے ”تیل دیکھو، تیل کی  
دعا دیکھو۔“

س: ”سرا ل کے ماحول کو تبدیل کرنے کی  
کوششیں؟“

ج: ”چونکہ ہم رہتے باہر نہیں کرتے، بلکہ  
انہوں کو اپنی اولین ترجیح دیتے ہیں تو اس لیے ہمارے  
خاندان کی عورتیں آگے میں گزرتی ہیں اور اس طرح  
ایک دوسرے کی دیکھا دیکھی، بہت کچھ سکھتی ہیں اور  
اوپر سے ماشاء اللہ سب کے سب بہت اچھا عمل و دین پر  
فائز ہیں، تو دوسری کبھی اولاد کی ان پڑھ مائیں بہت  
باشوور، انگلیش کے حرف اور اب تو اور دینی روایتی سے  
بول لیتی ہیں۔ اس طرح میں بھی اسی خاندان کا فرد  
ہوئی ہوں تو جب میری شادی ہوئی تو ہمارے گھر  
میری دو چھوٹی ندیں اور چھوٹے دیوڑھے، لیکن میں  
تو ان کے درمیان دوستوں کی طرح رہی۔ ہر اچھی،  
برای بات اس سے شکر کی اور انہوں نے بھی بڑی  
بہنوں اور دوستوں والا حساب رکھا۔ میری کئی ندیں  
ابھی چھوٹی تھیں تو انہیں ہی ہر اچھے، بے کام کو نہایت  
سمجھائی، خود بھی سمجھتی تھیں۔ بہت اچھی میں وہ اب  
تو بڑی ہو گئی ہیں اور میرے دیوڑھے ماشاء اللہ سے یونی  
ورسٹیوں میں ہوتے ہیں۔ بہت قدر دان ہیں وہ  
سب۔ میرے چھوٹے دیوڑھی شادی کی، ان کی  
وانت بھی بہت کو آ پر بنا اور اچھی ہے۔ اللہ سے دعا  
کے کہ وہ اسی طرح ہمارے گھر شاد آ یاد رہے۔  
(آمین)

آخر میں لڑکیوں سے استدعا ہے زندگی اسی  
کا نام ہے۔ اگر فرض زیادہ چٹا اور چھٹلا ہوگا تو  
پھلن ضرور ہوگی، ٹھوڑا سا گھر دراپن ضرور ہونا  
چاہیے، تاکہ بے آسائی کر جا سکے۔





بھی رہے ہیں، ایک ساتھ آ جائیگی رہے ہیں تو بہتر ہے کہ اس رشتے کو مضبوط کر لیں اور نکاح کر لیں تاکہ میں فیئیشن فری ہو جاؤں۔ آپا کی بات سب کو پسند آئی اور ایک ماہ کے اندر اندر ہمارا نکاح ہو گیا یعنی 9 ستمبر 2011 کو میہ کے ذریعہ۔

”شادی کر کے شہر بدر ہوئیں؟ شادی دھوم دھام سے ہوئی؟“

”نہیں۔ شہر بدر نہیں ہوئی۔ میرے میاں صاحب کراچی میں ہی رہتے ہیں تو کہیں جانا نہیں پڑا۔ اور شادی بہت دھوم دھام سے ہوئی۔ مطلب ہم نے اسے طور پر بہت ہلکا کیا۔ میرے کزن بہت خوش تھے، اور ان کی بیٹی بھی بہت خوش تھی، تو ”باجوں“ کی رسم بھی ہوئی۔ ہندی نہیں کی..... بایوں میں ”رت جگا“ تھا۔ دوسرے دن نکاح ہوا رات کو استقبال تھا۔ نکاح کے ایک سال کے بعد رخصتی ہوئی اور رخصتی ہے کل ایک میوزیکل ٹائٹ بھی اور دوسرے دن رخصتی ہوئی۔“

”جوائنٹ فمیلی سسٹم میں آئیں.....؟ سسرال کا باجول کیا تھا؟“

”جوائنٹ فمیلی میں رہنے کا اتفاق نہیں ہوا کیونکہ میاں صاحب نے شادی سے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ مجھ کو وہاں سے۔ میری سبکی کو خواہش نہیں تھی۔ باجول مجھے بہت اچھا لگا۔ خاص طور پر ساس کے حوالے سے بات ضرور کہوں گی کہ میں انہیں ”نان“ بھی ہوں کیونکہ بہت پیار کرتی ہیں اور مجھ پر بہت مہربان ہیں۔

میرے بیٹھنے اور میری زندگی میں بہت اچھی ہیں اور اللہ کا شکر ہے کہ ہمارا آج تک کی بات پر جھگڑائیں ہوں۔ ہم سب ایک دوسرے سے بہت پیار محبت کے ساتھ ملتے ہیں اور اللہ کا شکر ہے کہ مجھے روانی قسم کا سسرال مل چکا ہے۔ اور میرے سسرال زیادہ تر باہر ہیں۔ میرے سسرال ساس اور بھائی ساس ہیں۔

دو بیٹھ ملک سے باہر ہیں۔ میری ایک ہندو سسرال ساس ہیں۔ یہاں پاکستان میں ہم ہیں اور میری ایک



پسند ہیں

رشتہ گھنٹہ پکا سیمین جہان ڈاکٹر شاہد

شاہین رشید

ریٹیشن تھکا کر لی تھی پارٹنر سے۔

”کوئی رشتے دار کی نہیں تھی۔ ہمارے ایک مشترکہ دوست تھے ان کے ذریعے سے ملاقات ہوئی۔ ”شاہد“ فلیش ٹریز“ ہیں تو اس سلسلے میں ان سے ملاقات ہوئی۔ پھر میں ان کی اسٹوڈنٹ بنی ہم دونوں کام کر رہے تھے اور کام کے دوران ہی انڈر اسٹینڈنگ ہوئی اور پھر بات شادی پہنچ گئی۔“

”مجھے کتنا عرصہ رہا؟ اور کتنی کے بعد ملاقات میں کوئی پابندی لگی؟“

”مجھے ایک ماہ رہی اور 29 جولائی 2011 کو اور کتنی کے بعد میل ملاپ پہ کوئی پابندی تو نہیں تھی مگر پھر بھی میرے والد صاحب نے کہا کہ کتنی تو ہو گئی ہے اور آپ دونوں ایک دوسرے سے مل

خوب صورت آواز خوب صورت لب و لہجہ اور خوب صورت خدو خال یہ ذکر ہے شگفتہ ناہن کا جو ایف ایم 101 کی آ رہے ہیں اور اس بار ہمارے ”بندھن“ کی سہماں ہیں۔

”کیا حال ہے آپ کا؟“

”اللہ کا شکر ہے۔“

”کتنے سال ہو گئے شادی کو اور ماشاء اللہ سے کہتے ہیں۔ میاں صاحب کیا کرتے ہیں؟“

”میری شادی 15 اکتوبر 2012 کو ہوئی۔“

فی الحال بچے نہیں ہیں اور میاں صاحب ڈاکٹر ہیں اور ان کا نام ”شاہد“ ہے۔ اور جناب ہماری لائبریرین

”میں“

”میاں صاحب سے شادی سے پہلے کیا

نند اور ایک جھٹھ ہیں۔ شادی کے بعد سب کے ساتھ میں نے ٹھوڑا وقت گزارا اور بہت اچھا وقت گزارا۔“

”شادی کے بعد ریڈیو کی وی جوائن کیا کیا پہلے تم ایک کرتی تھیں؟“

”جس پیری شادی ہوئی اس وقت میں ٹین دی۔ کام کرتی تھی اور سب کو پتا تھا کہ میں ہوسٹنگ بھی کرتی ہوں اور ڈراموں میں بھی کام کرتی ہوں اور ریڈیو میں نے شادی کے ایک مہینے کے بعد جوائن

کیا۔ کیونکہ میرے میاں کی سپورٹ میرے ساتھ تھی اور میرے سسرال والے بھی بہت خوش ہوتے ہیں۔

مجھے ریڈیو کی وی پتہ کام کرتے ہوئے دیکھ کر اور مجھے یاد ہے کہ جب میں ریڈیو پر اینٹرو دینے لگی تھی تو

اپنے میاں صاحب کے ساتھ ہی تھی۔

ہم باہمی رضامندی سے کام کرتے ہیں۔ اور کوئی زبردستی والی بات نہیں ہوئی اور چنگیز میں شروع سے یہی شادی سے پہلے ہی کام کر رہی تھی تو

”کی کوئی اعتراض بھی نہیں تھا۔“

ماہنامہ شعلہ فروری



کسی بات پہ طعنہ دینا شروع کر دیتا ہے۔ اس سے دل ٹوٹنے میں اور دل میں میل آتا ہے اور دریاں بڑھنے لگیں ہیں۔ اگر چھوٹی چھوٹی بات پہ بیک تار کے لڑکایاں کیے جاتا چاہیں تو اسے دریاں بڑھتی ہیں۔ آج کل کی لڑکایاں آٹھ سینٹ زنت ہوئیں اور آٹھ سینٹ کا غلط مطلب لیا جاتا ہے کہ جی ہم کمالی ہیں اس لیے ہم خود بخود ہمارے اصل تربیت سے کڑی ہوتی ہے جس کو لے کر لڑکی سرال جاتی ہے۔ اس لڑکی کو کچھ مسئلہ ہے تو اسے شربت پلا کر تاک اس کا کھمبہ کی شیت پر لٹکے اگر سرال میں خاص طور پر اس کے جملوں کو لکھ لیں گی تو پھر اس کو قتل کر دیں گے۔

”اور آخر میں شاہد صاحب کے بارے میں کچھ کہنا چاہی ہیں۔ یا شادی کے حوالے سے کچھ کہنا چاہی ہیں؟“

”شادی کے حوالے سے میں یہ کہوں گی کہ اللہ کا شر ہے کہ میں بہت کی مدنی کیونکہ میاں صاحب خوش مزاج ہیں مگر اور خوش اخلاق بھی ہیں۔ کھوٹے پھرنے کے بھی شوقین ہیں کھانے پینے کے بھی شوقین ہیں وہ ایک ایسے انسان ہیں کہ جن کے ساتھ آپ زندگی کو گزار سکتے ہیں۔ اور میں تو زندگی



خوشی کے لیے کسی بڑے ایونٹ کا انتظار نہیں کرتے بلکہ ایک دوسرے کو فون دے کر ہی خوش ہو جاتے ہیں۔ سبھی ان کے لیے ہاڈی ایسرے اور پرنیوم لے آتی ہوں اور میرے لیے بھی جیولری لے آتے ہیں سبھی کچھ۔ مجھے بھی سبھی چیزوں کی خواہش نہیں رہی ہم ایک دوسرے کی خوشخبریوں کا خیال رکھتے ہیں اور ہماری سوچ بھی ایک دوسرے سے بہت جڑی ہوئی ہے۔ اللہ کا شکر ہے کہ اس معاملے میں میں بہت کی ہوں۔“

اور اس کے ساتھ ہی ہم نے شفیقتہ یاسمین سے اجازت چالی۔

”اسلام میں چار شادیوں کی اجازت ہے۔“

”اول تو ایسی نویت آئے گی نہیں اور اگر خدا نخواستہ ایسا ہوا تو پھر جی کی تب سوچیں گے۔ ابھی سے کیوں برا سوچیں۔“

خود اچھے اچھے کھانے پکا کر کھلائی ہیں یا وہ فرمائش کرتے ہیں۔“

”گھٹن! آپ کتنا گھر میں ہوتی ہوں۔ تو اتوار کے دن میں گھر میں ہوتی ہوں۔ تو اتوار کے دن میں اچھا سا کھانا پکائی ہوں اور پھر ہم دونوں مل کر کھاتے ہیں۔ لیکن اگر کہیں کوئی چیز پسند ہوتی ہے تو یہ نہیں کہتے کہ بنا کے دو۔ بلکہ کہتے ہیں کہ کب بناؤ گی۔ تو پھر میں بنا دیتی ہوں جو دشمن ان کو پسند ہوتی ہے۔“

”گزرے زمانے میں گھوٹھت کار دار تھا۔ تو سوال تو پرسنل ہے کہ میاں صاحب نے کمرے میں آ کر پہلا جملہ کیا بولا تھا۔“

”پہلے تو فون میں فوٹو بھی نہیں ہوا کرتا تھا۔ تب یہ تھا کہ جب میاں صاحب کمرے میں آئیں گے تب ہی فون کو دیکھیں گے اور کچھ نہ کچھ کہیں گے۔ اور اب۔ اب آج یہ بعد میں آتے ہیں پہلے ہی کمرے میں دونوں کا فوٹو شٹ ہو چکا ہوتا ہے۔ تو فوٹو شٹ کے وقت میاں صاحب نے جو کہنا ہوتا ہے کہہ دیتے ہیں۔ اور میرے شوہر کو ایک گانا بہت پسند ہے۔ چور چور میں کا جادو ہوا آفتاب ہو تو وہ انہوں نے گنگنامی گیت تھا اور کٹریل پستھر۔ وہ یہ گانا بھی دیتے ہیں۔ تو میں ان کو کہتی ہوں کہ فینک پوسٹ بہت شکر یہ آپ کا۔“

”جن لڑکیوں کی شادی نہیں ہوئی ان کے لیے کچھ کہنا چاہیں گی؟“

”جن لڑکیوں کی شادی نہیں ہوئی ان کے لیے تو میں یہ کہنا چاہوں گی کہ شادی ایک کنٹسٹ ہے۔ اور آپ کو کنٹسٹ کرنا ہوتا ہے اور صرف اوپر اوپر سے نہیں بلکہ دل سے کرنا ہوتا ہے اور پھر اسے بھانا بھی ہوتا ہے۔ میں یہ نہیں کہتی کہ سامنے والا تو آپ کو علم دسم کیے چاہا ہے اور آپ کہیں کر میں تو بھانپے جاتی ہوں، دیکھیں جب شادی ہوتی ہے تو ایک نیا گھر ہوتا ہے، نیا ماحول ہوتا ہے اور اس گھر میں رہنے والوں کا نیا ٹیک مزاج ہوتا ہے، تو اس وقت لڑکی کو تو خورائید جست کرنا پڑتا ہے لوگوں کے ساتھ اور نئے ماحول کے ساتھ کیونکہ نیا ماحول لڑکی کو مٹا ہے لڑکے کو نہیں۔“

ایسا نہیں ہے کہ آپ اپنی شخصیت کو مار دیں، بلکہ اپنی شخصیت کو رکھتے ہوئے اس نئے ماحول میں اپنے آپ کو ایڈجسٹ کریں۔ شروع کے دو مہینے میں سب کے لیے مشکل ہوتے ہیں کیونکہ وہ پڑا انداز اسٹینڈنگ نے اور دوسروں کو سمجھنے کا ہوتا ہے۔ اس لیے جلدی میں کوئی فیصلہ نہ کریں۔ جلدی میں کوئی رائے قائم نہ کریں اور کھوڑا سا وقت دیں، گھر والوں کو بھی اسے آپ کو بھی تاکہ آپ دونوں ایک دوسرے کو سمجھ سکیں۔ سب شروع کے چند ماہ مشکل ہوتی ہے پھر سب ٹھیک ہو جاتا ہے۔“

”شادی وہ خاندانوں اور لڑکی لڑکے کی باہمی رضامندی سے ہوتی ہے۔ پھر طلاق کا اوسط بڑھتا کیوں جا رہا ہے؟“

”طلاق کا لفظ اس لیے بڑھتا جا رہا ہے کہ اب نزل کی میں برداشت رکھنے سے اور نہ ہی لڑکی میں، ایک چھوٹی سی بات ہوتی ہے لڑکی اپنے کیے فون کر دیتی ہے اور اپنے ابا کو ساری بات بتا دیتی ہے۔ ماں باپ کو وہ چھوٹی سی بات بھی بہت بڑی لگتی ہے، اور جب وہ یہ کہتے ہیں کہ ”اچھا یہ کر دیا ایسا کیا انہوں نے“ تو وہاں سے پھر معاملہ بڑھ جاتا ہے۔“

ہر کسی کو فوری طور پر رزلٹ چاہیے لڑکا اپنی بات پہ بغیر ہٹا ہے اور لڑکی اپنی بات پہ۔ اگر دونوں میں خد پہ آ جائیں گے تو فیصلہ کیسے ہوگا؟

لڑکا بھی زرا سی بات پر سیکے جانے کا کہہ دیتا ہے یا

”جن لڑکیوں کی شادی نہیں ہوئی ان کے لیے کچھ کہنا چاہیں گی؟“

”جن لڑکیوں کی شادی نہیں ہوئی ان کے لیے تو میں یہ کہنا چاہوں گی کہ شادی ایک کنٹسٹ ہے۔ اور آپ کو کنٹسٹ کرنا ہوتا ہے اور صرف اوپر اوپر سے نہیں بلکہ دل سے کرنا ہوتا ہے اور پھر اسے بھانا بھی ہوتا ہے۔ میں یہ نہیں کہتی کہ سامنے والا تو آپ کو علم دسم کیے چاہا ہے اور آپ کہیں کر میں تو بھانپے جاتی ہوں، دیکھیں جب شادی ہوتی ہے تو ایک نیا گھر ہوتا ہے، نیا ماحول ہوتا ہے اور اس گھر میں رہنے والوں کا نیا ٹیک مزاج ہوتا ہے، تو اس وقت لڑکی کو تو خورائید جست کرنا پڑتا ہے لوگوں کے ساتھ اور نئے ماحول کے ساتھ کیونکہ نیا ماحول لڑکی کو مٹا ہے لڑکے کو نہیں۔“

ایسا نہیں ہے کہ آپ اپنی شخصیت کو مار دیں، بلکہ اپنی شخصیت کو رکھتے ہوئے اس نئے ماحول میں اپنے آپ کو ایڈجسٹ کریں۔ شروع کے دو مہینے میں سب کے لیے مشکل ہوتے ہیں کیونکہ وہ پڑا انداز اسٹینڈنگ نے اور دوسروں کو سمجھنے کا ہوتا ہے۔ اس لیے جلدی میں کوئی فیصلہ نہ کریں۔ جلدی میں کوئی رائے قائم نہ کریں اور کھوڑا سا وقت دیں، گھر والوں کو بھی اسے آپ کو بھی تاکہ آپ دونوں ایک دوسرے کو سمجھ سکیں۔ سب شروع کے چند ماہ مشکل ہوتی ہے پھر سب ٹھیک ہو جاتا ہے۔“

”شادی وہ خاندانوں اور لڑکی لڑکے کی باہمی رضامندی سے ہوتی ہے۔ پھر طلاق کا اوسط بڑھتا کیوں جا رہا ہے؟“

”طلاق کا لفظ اس لیے بڑھتا جا رہا ہے کہ اب نزل کی میں برداشت رکھنے سے اور نہ ہی لڑکی میں، ایک چھوٹی سی بات ہوتی ہے لڑکی اپنے کیے فون کر دیتی ہے اور اپنے ابا کو ساری بات بتا دیتی ہے۔ ماں باپ کو وہ چھوٹی سی بات بھی بہت بڑی لگتی ہے، اور جب وہ یہ کہتے ہیں کہ ”اچھا یہ کر دیا ایسا کیا انہوں نے“ تو وہاں سے پھر معاملہ بڑھ جاتا ہے۔“

ہر کسی کو فوری طور پر رزلٹ چاہیے لڑکا اپنی بات پہ بغیر ہٹا ہے اور لڑکی اپنی بات پہ۔ اگر دونوں میں خد پہ آ جائیں گے تو فیصلہ کیسے ہوگا؟

لڑکا بھی زرا سی بات پر سیکے جانے کا کہہ دیتا ہے یا





حافظ علی کل، یمن، خودیہ اور ان کے شوہر کا فضائی حادثے میں چل بسے تو قرآن کے دو سو سو بیچے منیہ اور اس کی بہن پر شہرت، تنہم نے کی ہے۔ منیہ کو کوئی بھائی کی حالت ہے۔

ہم نے گھر کے سامنے جنگل سے جہاز پہلے اور در شہر اور استقامت میں کامیابی کے لیے ہر گز کے درخت پر دھاوا کا رہنے

رات کو کوئی بیس اور شاہدہ فریسس پر کھڑا ہے۔ شاہدہ ہر گز والوں کے سامنے ان کا کاغذ پھینچ دیتا ہے جس کی بنا پر ان کو گرفتار

والوں سے بہت ترسناک ہے۔

انہوں نے کہا کہ یہاں سے دوکانے پر لے گئے یہاں کا سودہ رو سے افرہ کرتا ہے۔  
 یسٹا نیلم فٹن انڈسٹری کی ایک معروف شخصیت تھیں۔ دو شایاں کا نام ہو چکی تھیں۔ آج کل دو تیسرے شوہر سے جان بچرانے کے بغیر نہیں۔ معروف سودہ رو کت سیف الرحمن کے ساتھ ان کا نام لایا جاتا تھا۔  
 پھر کے لئے اس کی دو بیٹیاں تھیں، بڑی شہزادہ علیہ علیہ کے لیے اسوں نے ہار بھجوا دیا تھا۔ دو سو روپے چھوٹی تھی اور اس کی کیا بیانی ہے اس کی بھی۔ ان کے آئینہ کا کینٹین اس لیے ہر مسئلہ بنے تھا۔  
 اس نے خود کی ایک تصویر کشید اور کستان آنے پر بھجور کر دیا، شہزادی کا ہاتھ نکال کر سودہ رو کو گرامر کی شہزادہ کستان کی ایک بیوی کی طرف سے دل لیا۔ ٹوٹی اور سودہ رو شہزادہ علیہ علیہ کے برابر آئے گھر میں داخل ہو گئیں تو باہر چلا کر جو گھر پہنچے ایک ایسے سے ملایا دیا تھا۔ راج بھرائی کی بجائے۔ بھرائی فارست آتے تھے۔ نکلی ایک امیر اور اعلیٰ تھیں۔  
 پھر اپنے ہاؤس سے دو سو روپے سودہ کو بھیجی اس لیے ملے آئے تھے۔  
 چھوٹی بیٹی کا یہ شایاں جان شادی ہو گئی۔ لیکن گھارے میں صنعت پر بھی نظر نہیں پڑتا۔ روپیہ دے گھر میں شہزادہ تو بھجور کر اور شادی کے بعد شہزادہ کا اہلکار۔ شہزادہ سے باہر نفیسات کو دھانے کا مشورہ دے دے۔

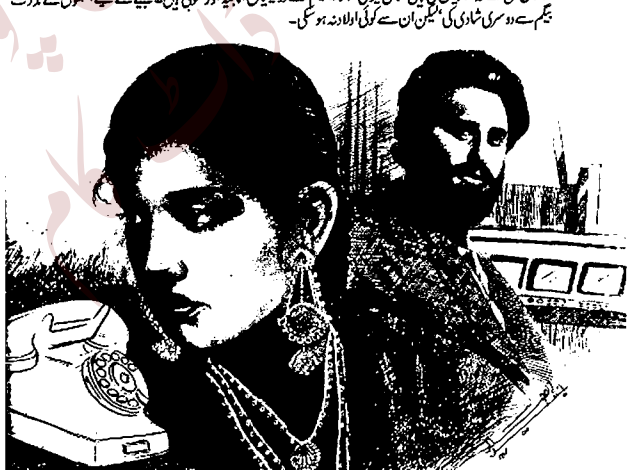
در شہوار اور طوطی محمد ہادی کے بچکے میں جاتی ہیں اور درخت پر چڑھ کر خوبائیاں توڑتی ہیں۔ محمد ہادی بخشتی سے پیش آتا ہے اور شہوار اسے دھمکائی دیتی ہے۔ ان دونوں کے درمیان ٹھن جاتی ہے۔

یہ جان کر کہ منٹالی بھاری کی بسن ہے۔ در شہوار کا رویہ اس سے بدل جاتا ہے۔ منٹالی اور برہان کی بے تکلفی سے اسے

شہزاد غیر معمول حسن کی بالک نہیں تھی لیکن حالات کی تغیروں نے اس کی شخصیت کو مضبوط بنا دیا تھا۔ اس کے اعتماد نے اس کی شخصیت کو کئی نئی عطا کی تھی۔

نہیں کہ ایک صورت اور دوسرے گروہ تھے۔ ان کے ساتھ ایک بچہ بھی تھا۔ عورت اور مرد کو اس شخص کا کہنا تھا کہ عورت ان کے عقاب میں ہے ان کے تمام گروہ والوں کو مار دیا گیا تھا۔ گاڑی کا اسٹیشن پر مکی کو اس نے یہاں تک کہ بچہ کو کسی جگہ سے چھوڑ دے تاکہ اس کی جان بچ سکے۔ اس نے بچہ کو ایک بیچ کے بچہ رکھ دیا اور خود اس کی پی پی مار کر تے ہوئے عازت کا رخ کر دیا۔

میرا دسویں منقطع علی اور خاتون علی کا خاندان آباد ہے۔  
منقطع علی خان ایران سے ہیں ان کے تین بیٹے ہیں بھان اور شامیر ہیں۔ بیٹی ایک سی ہے جس کا نام سدر شہوار ہے۔  
خاتون علی نے دو شہزادیاں جن کی پہلی شادی علی سے ہوئی تھی اور دو بیٹیاں انامیہ اور طرباں ہیں۔ بیٹے کے لیے انھوں نے نذر ت  
دیگر سے دوسری شادی کی لیکن ان سے کوئی اولاد نہ ہو سکی۔



ایمانیہ کے مستحق کا اعزاز ہوا جاتا ہے۔ وہ کارروائی شہزاد کے پاس سمجھوتے کے لیے آتے ہیں۔ ہارون رضاؒ سنی کے فوج سے مشغول ہو کر خلیفہ کو طلاق دے رہے ہیں۔ شجاعؒ بھی کس دہائیوں کے لیے ہے اس بات پر ہارون شہزاد بہت چراغ پا ہوئے ہیں مگر کچھ کر سکیں نہ۔ دومیدھ اور وہ ایک گھر میں جا کر بیٹھے ہیں جہاں دومیدھ اسے اپنے حالات و واقعات سے آگاہ ہے۔ دونوں کو باریشہ قریب لے آئے۔ یہاں کہہ کر شہزاد کو سنبھل کر آئے مآجدار کیم کا غصہ گھر میں سب پر اترا ہے۔ مندل کی بہن سندس کو طوطی کی برائی کہاؤں سے اپنی بہن کا آخری خط دکھاتا ہے اور وہ حقیقت جان لیتی ہے۔

مزید کا احوال کچھ نہیں کیا تو اسے آگاہ کرتے ہیں۔ وہ اسے لاہور آنے کا مشورہ دیتا ہے۔ مندل کے گھر والے اس کی موت کی وجہ چاہن کر اوقاف رات کو چلی چھوڑ دیتے ہیں۔ دومیدھ کو اور اس بھگتات اس کے گھر پہنچاتا ہے۔ شجاعؒ بھی میرا حکم کی دیکھیں کی وجہ سے کسی دہائی کے لیے ہے۔ شہزاد کو یہ جان کر حصد ہو جاتا ہے۔ ہارون کو بھی غصہ آتا ہے اور اسے اپنے سے دور سموار حیدر پور بھیجتے ہیں۔

ایمانیہ کو سموار اور مندل کی یہ تلفظ گفتگوں کر کے صدمہ کا شکار ہو جاتی ہے اور درسموار اور بہان کے ساتھ یہ رتی سے چٹن کی ہے جسے دونوں بہت محسوس کرتے ہیں۔

سمجھ کے برابر میں کہتے ہیں کہ شہزاد کے لیے کاغذ لکھ کر دے گا۔ شہزاد کو اور ارقشی کا ساتھ بہت برا لگتا ہے۔ مندل کے گھر والے شہزاد کے چکریدار کے رشتے دار ہیں اور اسی حوالے سے وہ شہزاد کے گھر ملازمت کے لیے پہنچ جاتے ہیں۔

### باجیں قنطرب

خیرا بیگم کے کمرے کی کڑی کی توڑ کر انہیں باہر لگائے اور شفاء انٹرنیشنل ہسپتال کی ایمرجنسی میں لانے میں انہیں تقریباً پانچ گھنٹہ لگا، اور اس عرصے میں اپنی ماں کے چہرے پر پھیلی زردی، دونوں بہنوں کو خاصی تشویش میں مبتلا کر رہی تھی۔

خیرا بیگم نے ہسپتال کا نئے والی تیز دور چھری سے اپنے ہاتھ کی کٹائی کو کاٹنے کی کوشش کی تھی اور اس کے نتیجے میں ان کا کالی خون بہہ رہا اور یہی وجہ تھی کہ جب وہ ہسپتال پہنچیں تو نیم بے ہوشی کی کیفیت میں تھیں۔۔۔ شہزاد نے ایمرجنسی میں پہنچنے سے پہلے ہی اپنے کاٹھنک استعمال کر کے خیرا بیگم کو ضروری کارروائی کے بعد اپنی پیشانی پر پانچواں ہاتھ، جہاں ان کی ہونٹ لگ کر ڈوڑھنے چند گھنٹوں میں ہی جوڑا ہوا تھا اور اب وہ خطرے سے باہر تھیں۔

اس تمام عرصے میں شہزاد کا اپنے حواس پر پورا کنٹرول تھا اور وہ ہر جگہ بڑے پراعتماد انداز میں ساری چیزوں کو ہینڈل کر رہی تھی، جبکہ اس کے ہر کسی دوسرے کے چہرے پر ہوں یا ان کو ڈری میں اور وہ خوف زدہ انداز سے ایک کوئی نہ میں دیوار سے ٹک لگے کھڑی تھی۔

”شیر کی امام ٹھیک ہو جائیں گی ناں۔“ وہ جیسے ہی اس کے پاس پہنچی، دومیدھ نے بے تابی سے پوچھا۔

”ڈونٹ دری، میری بات ہوئی ہے ڈاکٹر سے، وہ اب اسٹریس میں ہیں، ایسے انہیں نیند کا انکیشن دے دیا گیا ہے۔۔۔“ شہزاد اپنی بہن کا بازو پکڑ کر اسے ڈیننگ ایریا کی طرف لے آئی۔

”یہ پکڑ کر تو کھینک رہے ہیں تو کیا ناں۔“ دومیدھ کی آنکھوں میں ہوا پارہی تھی۔

”ہاں ہاں، معمولی سا آپریشن تھا، وہ اب بالکل ٹھیک ہیں۔۔۔“

ان دونوں کو ڈیننگ ایریا میں بیٹھے ہوئے بمشکل آدھا گھنٹہ ہوا تھا جب ارقشی حیدر کو عالیہ قریبی کے ذریعے اس واسطے کہ طوطی اور وہ ہارون کی وہاں پہنچا تھا، اس کے بعد شہزاد جلدری سے کھڑی ہوئی۔۔۔

”کیسی طبیعت اب آئی کی۔۔۔؟“ ارقشی نے قمر انداز میں اس سے پوچھا۔۔۔

”کشی از فانی تاؤ۔۔۔“

”دیش مکھ، لیکن یہ سب کیوں کیا انہوں نے۔۔۔؟“ اس نے قمر انداز میں وہ پر جیسے کی کوشش کی۔

”کوئی ڈونٹ نو، یہ تو اپنی بات تھی ہیں۔۔۔“ شہزاد نے سر اسرا لے لیا۔

”کوئی اسٹریس چل رہا تھا ان دنوں۔“ یا کوئی بھڑکا ہوا تھا ان کا کسی سے۔۔۔؟“ ارقشی حیدر کی تشویش نظر کی تھی، جو شاید اس کے پردوشن کا بھی تھا۔

اور اس لیے وہ جاچے ہوئے کسی خود کو سوا کرنے سے روک نہیں پا رہا تھا۔

”کوئی ڈونٹ ٹھیک سو، ماہ بہت مضبوط اعصاب کی حامل تھیں ہیں، اور مجھے واقعی مطمئن نہیں، انہوں نے ایسا کیوں کیا۔۔۔؟“

”آپ کو کلمہ سے کئی وی پر بھی پھر چل رہا ہے کہ مشہور معروف ڈریس ڈیزائنر ٹیٹا سینگ نے خود کئی کوشش کی ہے۔۔۔“ ارقشی کی بات پر شہزاد کا منہ جھک کر کے اڑا اور دومیدھ نے بھی سر اٹھا کر ان کی طرف پڑھائی سے دیکھا۔

”واٹ۔۔۔؟ کس نے پھر آؤٹ کی۔۔۔؟“ وہ دھمکا مچی۔

”میرا خیال ہے گھر کے کسی ملازم کا کارنامہ ہے یہ۔۔۔“ ارقشی نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

”اوہ وہی گاڈ اب ایک نیا کسب کا طوطا ان آجائے گا مشکل میں پاپ۔۔۔“ دومیدھ دل ہی دل میں بدحرا ہوئی۔

”اس آخر کی تھی جو وہی پوری ہو گئی۔۔۔“ شہزاد اچھی خاصی کوفت کا شکار ہوئی۔

”ڈونٹ دری۔۔۔ میں کبھی سے بات کر کے یہ نیوز کو انے کی کوشش کرتا ہوں۔۔۔“ ارقشی نے اپنا تیل فون نکال کر کوئی برس ڈال کر شروع کیا۔

”رہنے دیں، جتنا تم لوگ اس متحدہ کورس میں لگے، اتنا ہی سید یا زیادہ اکیلو ہو جائے گا۔۔۔“ شہزاد کو کوسنبال رہی تھی۔

”وہ میرے لیے بہت حیران کن ہے یہ۔۔۔“ وہ ہلکا سا جھجک کر گویا تو شہزاد نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

”آپ کا مطلب میں سمجھتی نہیں۔۔۔“

”میں حیران ہوں کہ سب کچھ ایسا بھی کر سکتی ہیں۔۔۔“ اس نے اس باقعدہ سے مکمل کر اظہار کیا۔

”جو چیز انسان کی گمان کی آخری سرحد پر پہنچ رہا ہے، وہی انسان کو سب سے زیادہ حیران کرتی ہے۔“ وہ جلدی کے گویا ہوئی۔

”تائیم، ہسپتال والوں نے ٹک تو نہیں کیا، آئی میں پولیس میں رپورٹ دینے اور رج کرنے کے لیے۔۔۔“

”ناٹ اینٹ آل، میرے ایک کلائٹ کے فارورڈ ہیں یہاں ایئر مشنرین میں، اس لیے معاملہ فی الحال تو ٹھیک ہو گیا ہے۔۔۔“

”میرے لائ کوئی خدمت تو ضرور دیتا ہے گا۔۔۔“ شہزاد کو گہری نظروں سے دیکھتے ہوئے اس نے



بے تکلفی سے کہا۔

”فی الحال تو رہی کو کھر ڈراپ کر دیں، میں اسے اکیلے بھجوانا نہیں چاہتی ہوں۔“ شہزاد اپنی بہن کے معاملے میں خاص متناظر تھا۔

”ڈنٹ ہو، میرا ذرا پیور چھوڑ آئے گا نہیں۔۔۔“

”بہتر ہوگا کہ ارتضیٰ! آپ خود چھوڑ آئیں، آئی ایم سوری، آپ کو بار بارنگ کر رہی ہوں۔۔۔“

”خیر شہزاد! آپ اپنی قابل گفتگو بات کیا کر رہے ہیں۔۔۔“

”اچھی، یہی ہے معاملے میں، میں آپ کے علاوہ کسی پر بھی اعتبار نہیں کر سکتی۔۔۔“ شہزاد کی بات پر ارتضیٰ کے دل کی کلی کل رہی۔

”اور میرے لیے اس سے بڑھ کر اعزاز کی کوئی بات ہو نہیں سکتی۔“ ارتضیٰ نے گہری نظروں سے اپنے سامنے کھڑی لڑکی کو دیکھا، جس کے دل میں مضبوطی سے اپنے قدم جما چکی تھی۔

”رہی وہ تم گھبراؤ، میں نام کے پاس رہوں گی۔۔۔“

”لیکن مجھے کسی ان کے پاس رہنا ہے۔۔۔“ رومیہ نے ضدی انداز میں کہا۔

”تمہارا اس طرح پلنگ نہیں پر رہنا بہتر نہیں ہے، روئی بات کو سمجھنے کی کوشش کر دیجیز۔“ شہزاد نے اسے دیکھتے ہیے الفاظ میں بھانے کی کوشش کی۔

”کچھ نہیں ہوتا، وہ معاملہ ٹھنڈا ہو چکا ہے اب۔۔۔“ رومیہ کچھ ہلکی سی کردہ اسے جسنی محمود کے بیٹے کے سر ڈریس کے حوالے سے کہہ رہی ہے، جو ابھی تک کورٹ میں جمل رہا تھا۔

”ابھی کچھ فیضان ایشیا ہوا، تم غلط فہمی اپنے دل سے نکال دو، یہی دقت کچھ بھی ہو سکتا ہے۔۔۔“ اس کے لہجے میں ہزاروں اندھے پنہاں تھے۔

”کیا مطلب؟ میں تمہارا۔۔۔؟“ رومی نے تیز باری سے پرچھا۔

”ذہنی کا خاصوئی عمو! کسی طوفان کا پیش خیرہ ہوں، یہ اور میں تمہیں انجانے میں اس کی طوفان کی زد میں آئے نہیں دوں گی۔ تم مجھ رہی ہو، ان سیر کی بات۔۔۔؟“ شہزاد نے اس کا ہاتھ چاکر کر زنی سے قہار کر اسے سمجھانے کی کوشش کی اور رومیہ نے افسردہ سے سر جھکا لیا۔

”شہزاد تمہیک کہہ رہی ہیں اور ریکسٹ دیک اس کیس کی پیشی بھی ہے کورٹ میں۔۔۔“ ارتضیٰ نے بھی اس گفتگو کے درمیان میں حقارت سے۔

”جب تک اس کیس کا کوئی فیصلہ سامنے نہیں آتا، تا بہتر کو تم ہا پر نقل و حرکت تک بند کر دو۔۔۔“

شہزاد کی اس بات سے رومی کو پریشان کیا کیونکہ وہ ارسل کے ساتھ کل ہو تیردنی میں ملنے کا وعدہ کر چکی تھی۔

”جلو شاپ، ابھی جاؤ گھر، ام جیسے ہی ریکسٹ ہوں گی، میں تمہاری این سے بات کروا دوں گی“

شہزاد ان دونوں کے ساتھ چلتے ہوئے پارکنگ میں آگئی تھی، اس نے خود ارتضیٰ کی جیب کا دروازہ کھول کر اسے فرنٹ سیٹ پر بٹھایا۔

”میں رومیہ کو ڈراپ کر کے واپس آتا ہوں۔۔۔“ ارتضیٰ نے ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھنے ہوئے اسے تسلی دینے کے انداز میں کہا تو وہ زبردستی مسکرائی۔

ارتضیٰ تیز خاموشی سے گاڑی ڈرائیو کرنا ہوا کیس میں دے پر لے آیا تھا، رومیہ اس کے ساتھ بیٹھی ہوئی اپنی سی سیٹ میں گئی تھی، فیضان سہگل کی اس حرکت نے اسے اندر تک ہلادیا تھا، وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ اس جگہ تک جا سکی ہیں۔

ان کی گاڑی ٹریفک سگنل پر جس کا گاڑی کے مبین برابر میں رکی، اس میں اس وقت ارسل موجود تھا، وہ اس وقت مری سے ٹوڑگل جا رہا تھا، ارسل کو رومیہ کے ساتھ کی اور مری کو چیک کرنا شک پہنچا۔

اسی وقت رومیہ کو اپنے چہرے پر کسی کی نظروں کی پیش محسوس ہوئی تو اس نے لاشعوری طور پر دائیں میں مڑ کر دیکھا۔ اپنی بائیں سائیڈ پر موجود گاڑی میں ڈرائیونگ سیٹ پر اس کو دیکھ کر وہ مضطرب ہوئی۔

ارسل کے چہرے پر ناگوار کی کا تاثر نمایاں تھا، جیسے رومیہ اس کے کھنکھارے کا قائلے پر ہونے کے باوجود بھی محسوس کر سکتی تھی۔ اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ اسے ساتھ پولیس یو فٹ نام میں موجود ارتضیٰ حیدر کی موجودگی اسے کچھ پینڈ ہوئی تھی، کیونکہ کچھ بھی تھا، وہ اب اس کی منگو کھی۔

”آپ ٹھیک ہیں ناں۔۔۔؟“ ارتضیٰ اس کی بے چینی بھابھ کر بولا۔

”جی۔۔۔۔“ رومیہ نے بڑی سرعت سے خود کو ٹھنڈا، اتنا تو وہ بھی جان چکی تھی کہ اس کے ساتھ موجود شخص کوئی عام انسان نہیں تھا، اس کی آنکھوں میں ابھی خاصی تیز آنکسے سے نشین فٹ میں اور اسے ہم از کم ارسل کی طرف سے منگو کیے کا تاثر بھی جا رہی تھی۔

”وہ وقت ٹریفک سگنل چل گیا اور ارسل کی گاڑی کسی کمان سے لٹکے ہوئے تیر کی طرح تیزی سے نکلی اور رومیہ کا دل بے شمار اندیشوں کی آگاہ کیا گیا۔

☆☆☆☆

میں فیضان سہگل اعصاب کو سکون بخشنے والی ادویات کے زیر اثر گہری نیند میں تھیں۔

”نام کی اس حرکت نے سخت خوف زدہ کر دیا ہے مجھے۔۔۔“ شہزاد ان کے درم میں رکھے صوفے پر اکیلے بیٹھی ہوئی بہت آہستہ کے ساتھ فون پر بات کر رہی تھی اور دوسری طرف ہم زاد تھا جو دلی کے ڈر میس اس بات سے ناخبر ہو چکا تھا۔

”اگر میں یہیں جیسی قانون کی حرکت کر سکتی ہیں تو خرم خود چودہ کو ان کی ایک بات ہو سکتی ہے جس نے انہیں اس حد تک ہاپس کر دیا کہ ان کے پاس اس کے علاوہ کوئی راستہ نہیں بچا۔۔۔“ ہم زاد کی بات میں دم تھا

”جی تو وہ کچھ لے بول نہیں پائی۔

”اگر بات تو وہ لپٹی ہوئی نہیں ہو سکتی وہ۔۔۔“ اس نے فوراً تائید کی لیکن ہم زاد کے اگلے جملے نے اس کا دماغ تھک کر کے اڑا دیا۔

”نہیں سیف الرحمن کے گھڑا ساری گھساکے ساتھ اسکیپڈل نے تو انہیں ڈسٹرب نہیں کیا۔۔۔؟“

وہ کیا سا تھک کر بولا تو شہزاد غصہ سے بڑھ کر اسے بول ہی نہیں پائی۔

فیضان سہگل کی ذاتی زندگی اتنی زیادہ اوپن ہے اسے اس بات کا اندازہ تو تھا کہ نہیں ہم زاد اور شخص تھا جس کے سامنے وہ ان چیزوں کو دیکھ کر ناخوش جا سکتی تھی لیکن فقہ پر بار بار اسے اسی پوائنٹ پر لکھ کر کر رہی تھی۔

”میرا سیر خیال کے کام اس بات پر اتنا جا ماندا رمل دیں گی۔“ شہزاد نے بادل خواست انداز میں اس بات پر تبصرہ کیا۔

”وہ جس پوزیشن پر سائیڈ کر رہی ہیں، انہیں کرنا بھی نہیں چاہیے۔۔۔“ ہم زاد نے بھی بے تکلفی سے کہا۔

اس سے پہلے کہ شہزاد اس بات پر کوئی اور تبصرہ کر لے، کہ کر کے دروازہ پر پہنچی اس کی شہزاد نے چمک کر دروازے کی طرف دیکھا اور اپنے سیف الرحمن کو اس کے اعصاب کا کاغذ کار ہوئے۔

لائٹ کرے نو چیں سوٹ میں ان کی پرستائی خاصی بڑھ کر دکھ رہی تھی۔ وہ بھی شہزاد کو سامنے دیکھ کر ہلکے سے مشعل کو دکھار ہوئے۔



بار ملا لیکن ہر دفعہ فون آف کی سیپ اس کے اشتعال میں اضافہ کرنے کا موجب بنتی۔

فادر بھابھی ایک چھوٹی تر سے منے بلیک کافی کے دو کپ رکے اندر داخل ہوئیں اور چمچی ہوئی ٹکائوں سے ارسل کا تیز اور چہرہ دکھانے دو اب سوئے پر بیٹھ چکا تھا لیکن اس کا ہاتھ ٹکائوں سے بڑھا۔  
"ارسل! کوئی مسئلہ ہے تمہارے ساتھ۔۔۔؟" فادر بھابھی نے کافی کا کپ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے ایک پوچھا وہ گڑبڑا سا کیا۔

"نہیں! میں تو آپ سے کس نے کہا۔۔۔؟" اس نے تیزی سے خود کو سنبھالا۔

"جب سے تم یہاں آئے ہو خاصے ٹیکس دکھائی دے رہے ہو، میرا ہاؤس میں تو سب ٹھیک ہے ناں۔؟" فادر نے ہلکا سا جھجک کر اس سے پوچھا وہ عماد دوسروں کے معاملات میں دخل اندازی ڈرامہ بنی کرتی تھیں۔

"ارے نہیں بھابھی! ایسا کچھ نہیں ہے، آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔۔۔" وہ زبردستی مسکرایا۔

"تم کہتے ہو تو مانگتی ہوں، ورنہ میری گنجشکی جس تو کوئی اور ہی اشارہ دے رہی ہے۔" فادر بھابھی کی اس بات پر اس نے گھبرا کر بات بنائی۔

"آپ کی چھٹی حس غلط کر رہی ہے، انکچھ نکل میں اپنے فاضل و ایوارڈ کی وجہ سے تمہوڑا اب سیٹ ہوں، تیار کی نہیں ہے اور ایک نرینڈر سے اس اسٹیشن پر بھی کر دی ہیں میری۔۔۔" اس نے فادر بھابھی کو مطمئن کرنے کی پوری کوشش کی اور اس میں کامیاب بھی ہو گیا۔  
"بھیکس گاڈا میں تو ذرا سی کی گی۔۔۔" وہ مسکرائیں اور ارسل نے بڑی ذہانت کے ساتھ موضوع گفتگو تبدیل کیا۔

"آپ سنا نہیں۔۔۔" وہ اب بھائی کو دہرائی نظر نہیں آ رہے یہاں۔

"نظر بھی کیسے؟ میں سے وہ ملتان گئے ہوئے ہیں پھیلے آوار سے۔"

"خیریت۔۔۔؟" وہ ہلکا سا چوڑا۔

"چاہتو ہے انکچھ قریب ہوں تو ان کا زیادہ وقت دیں کر رہا ہے۔" انہوں نے جیسکے سے انداز میں مسکرا کر جواب دیا، وہ بھی کسی وہاج کے یہاں نہ ہوئے سے وہ زیادہ پر سکون رہتی تھیں کیونکہ جوش و شام کوئی ذہنی آزار نہ دینے والا نہیں ہوتا تھا۔

"تو آپ میرا ہاؤس میں آ جا تھیں، یہاں انکچھ کیسے ہو رہی ہیں۔" ارسل کا سارا دھیان روپیہ کی طرف تھا اور وہ دانستہ خود کو دوسری طرف لگانے کی کوشش کر رہا تھا اور اس میں اسے مسلسل ناکامی کا سامنا ہوا تھا۔

"ایکلی کہاں ہوں، وہاں کی تو تمہوڑا اب بھی تو جوش و شام میں ہیں۔۔۔"

انہوں نے سائینڈ بیز پر ہر کھائی کی کیفیت کے ساتھ وہاں راجا مان تھا، اس نے ہونجی ماٹے دیکھ

وہ جو کافی گانگ پڑا سے مسلسل بچتی کی کیفیت کے ساتھ وہاں راجا مان تھا، اس نے ہونجی ماٹے دیکھ کسی تیز زنجیر پر ملنے والی پٹی پر اسے ہلکا سا جھٹکا۔ اس نے وہی بڑے چل رہا تھا، مشہور مدد فیشن ڈیزائنر اور فیشن ڈیزائنر کی خود کی کے معاملے پر نمائندگی ذرا متعجب سے افسوس کرنے سے معذرت کر لی اور ان کا پیشیاں اس مسئلہ پر کوئی بھی بیان دینے پر راضی نہیں۔ ارسل نے ہاتھ میں چڑا کر انکی گانگ پر پیشانی سے سائینڈ بیز پر رکھ دیا۔

"فینس سہلی کی خود کی کا کیا اقتضا ہے بھابھی۔۔۔؟" اس نے دانستہ لاپرواہی سے پوچھا کیونکہ ان تو وہ گھر جانتا تھا کہ فادر بھابھی کا زیادہ تاثر نام کی دیکھ کر ان کے سامنے ہی کر رہا تھا اور ارسل کو اس تجربے سے ٹھیک شاکر

پریشان کیا تھا۔

"زیادہ ذہیل تو نہیں ہے چل سکی، لیکن میڈیا کے لوگوں کا کہنا ہے کہ بیورو کریم سیف الزمن کی بے وفائی کی وجہ سے انہوں نے ایسا کیا ہے، لیکن تم کہتے جانتے ہو انہیں۔۔۔؟" فادر بھابھی نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

"وہی چیلر ناں جو ٹیڈر کے نام سے بیوٹی سیلون کی ایک جہیں چلا رہی ہیں، ان کو کون نہیں جانتا۔۔۔؟" وہ جھجک کے گویا وہ اس نے اپنے پیروں سے کے تاثرات کو سختی اور مکان نادر رکھنے کی کوشش کی تھی اور اس میں کامیاب بھی رہا تھا۔

"ہاں۔۔۔ میڈیا میں خاصی اہم رہتی ہیں، پھیلے دونوں ان کی بیٹی کے افواہ کا بھی خاصا اینٹور ہے۔" فادر بھابھی کی بات پر ارسل نے بے چینی سے ہلکا ہوا۔

"کیا کہتے ہیں لوگ۔۔۔؟ کس نے لڑ بیک کیا ہوگا۔۔۔؟"

"جینس ٹھوڈی سیلی کا تھم ہی بتا رہے ہیں، بابائی اللہ جانتا ہے۔" فادر بھابھی نے اپنی بات مکمل کی تھی کہ ان کے سسل فون پر کوئی کال آنے لگی اور دونوں اٹھا کر اپنے روم کی طرف بڑھ گئیں۔

ارسل نے ریوٹ سکولر سے ٹی وی کی آواز بند کی، گنجا سہلی کی خود کی کی خبر نے اس کا سارا سکون غارت کر دیا تھا اور اسے پہلی دفعہ احساس ہوا کہ وہ روپیہ کے ساتھ غٹے میں کچھ غلط کر چکا ہے۔

☆☆☆☆

عماد باؤی آج کا دنوں بعد تھرٹی وولاس میں داخل ہوا تو شام کے سامنے ذہیل بیکے تھے۔۔۔

اس کی گاڑی سرنگی مار ڈال لی تھی، ہونجی سرک پر بڑے ہموار انداز سے چلتی ہوئی چمچی میں آن کر کڑی ہو گئی، وہ جیسے ہی گاڑی سے باہر نکلا، اس نے مناجل کو لائن میں انکچھ بیٹھا دیکھا تو وہیں چلا آیا، وہ کی مہری سوچ میں لگا گیا۔

"گھبراہٹو، بھلے پر بارہ کیوں بچے ہوئے ہیں۔۔۔؟" اس نے سامنے آ کر اپنا ہاتھ لہرایا تو وہ گویا کسی گھبراہٹ سے بڑبڑا کر جا گیا۔

"ارے! تم کب آئے؟ چاہی نہیں چلا۔۔۔"

"خیر ہے ناں، خود انکی کوئی مہری سوچ میں تم تھیں جو میری گاڑی کے پارن کی آواز بھی سنائی نہیں دی۔"

وہ پریشان ہوا۔

"جی جیس جمع کروانے کی آخری تاریخ آ رہی ہے اور کام کافی بڑا ہوا ہے۔" اس نے جلدی سے بات بنائی، تھکاوہ پر ان کی وجہ سے خاصی تیش میں تھی جو پھیلے تھیں دن سے نہ تو پوچھو نہ آ رہے تھے اور وہی اس کی کوئی کال اینڈ کر رہے تھے۔

"کوئی محبت و حبت کا روگ تو نہیں پال بات ہے۔۔۔" ادی نے اسے چھیڑا۔

"جھپٹیں پتا ہے یہ میرے کس کا روگ نہیں۔ کس تاؤ تمہارا انکچھ کیا نکال پہنچا۔۔۔؟"

"وہ عشق جو ہم سے دھڑک گیا اب اس کا حال غامض کیا۔"

وہ شرارت سے سٹھلنے لگا، مناجل کا اعانہ وہ گویا تھا کہ وہ جھٹل اسے خرکانے کے لیے ایسا کر رہا ہے اس لیے اس نے کسی فوراً ایک تبدیلی کیا۔

"کتنے دن کے لیے آئے ہو مگر۔۔۔؟"

”کل شام کو چلا جاؤں گا، یہ بتا دو ریڈیو جلیٹ کہاں ہیں، نظر نہیں آرہے۔۔۔ اس نے مسکراتے ہوئے اپنے والدین کے بارے میں پوچھا۔  
 ”ماموں کا آج کوئی ایجنٹ ڈنر تھا اور عالیہ سمانی باہل میں ہیں شہزادی کی ممی کی عیادت کرنے۔۔۔ منہل کی بات پر وہ چونکا۔

”کرا ہوا انہیں۔۔۔؟“ مسر خیریت تو ہے ناں۔۔۔؟“  
 ”گلتا ہے تم نے آج صبح کی خبر دیکھ لی تھی، اور تاج کا ٹھکانا ایٹھوا ہوا ہے یہ پک۔۔۔“  
 ”چھاپا چلو پھر اندر جا کر دیکھتے ہیں اور تہہ دار ہاتھ کے گلس کے ساتھ جاتے پتے ہیں۔۔۔“ ہادی نے بے تکلفی سے اسے بازو سے پکڑ کر اٹھایا، وہ جست انداز میں پیشی ہوئی منی بادل خوش آمدی، اور اسی وقت اس کے سٹوڈنٹ کی گھنٹی بجی اور برہان کا نام دہرایا کہ اس کا دل بے اختیار دھڑکا۔  
 ”کہاں ہیں آپ۔۔۔؟“ صبح سے منی کا کڑا کڑی جچی ہوں میں، کم از کم بندہ کسی ٹیکسٹ کا جواب ہی دے دینا ہے۔“ منال کچھ لمحوں کے لیے تو ہادی کی موجودگی کو بھی فراموش کر گئی۔

”آئی ایم سوری منال! مگر میں تھوڑا سیریس ایٹھوا چل رہا تھا، اس لیے فون اٹینڈ نہیں کر پایا۔۔۔“ دوسری طرف سے برہان کی گھنٹی بجی اور منال کی سامتوں سے گھرائی اور دوڑتے پتلے رنگ کی۔  
 ہادی نے بار بار اس کا کچھ بہت فور سے دیکھا اس کے پیشی اور بے قراری بہت ہی ان کی داستانیں سن رہی تھی۔ اس نے ہاتھ کی انگلی سے ہادی کو اندر جا کر کاٹھارہ اور خود ان میں ہی کھڑی ہوئی۔  
 ”کون سا سیریس ایٹھوا سب ٹھیک تو ہے ناں۔۔۔؟“ منال کا دل جیسی ہی لے میں دھڑکا۔  
 ”تمہارے مطلب کی بات نہیں ہے وہ، بچپن کی علاقے کی سیاست کا معاملہ ہے، لیکن قریب ہے ناں اس لیے سب کی دوڑیں لگی ہوئی ہیں۔“ برہان نے اسے ٹھلا دیا، ویسے بھی اپنی شادی کی بات وہ اسے فون پر کیے بنا سکتے تھے۔

”آپ کا سیاست سے کیا لینا دینا، بس چھوڑیں ان سارے معاملات کو اور کل یونیورسٹی آئیں۔ مجھے ضروری بات کرنی ہے آپ سے۔۔۔“ منال نے دھڑکنے والے انداز میں حکم صادر کیا تو وہ ایک کپڑے کی سرد آہ بھر کر رو گئے۔ وہ جانتے ہوئے بھی اسے ایک لفظ نہیں کہہ سکتا کہ وہ جانتے تھے کہ منال قریب ہی اپنی بات بات آسانی سے سمجھیں گے کیونکہ وہ اس بار انہیں اب بے سوچنا تھا کہ وہ اس سارے معاملے سے کس طرح نہیں۔ جو ان کے اور منال کے بیچ دو بار چین کی مانند خال ہو گیا تھا۔

☆☆☆

میراؤس میں ناہیا بد اور برہان کی رخصتی کی تیاریاں شروع ہو چکی تھیں۔  
 شارق بیگم صبح سے اسٹور میں رکھے ہوئے بڑے بڑے لوہے کے باکس سے سامان باہر نکلا کر انہیں دھوپ لگوا رہی تھیں، وہ ویلیٹ کے خلاف گرم ہنس، چادر اور پٹا پٹا سے مٹکوائے گئے دو بچوں کے تھان اور اللہ جانے کیا کچھ میٹروں سے نکل رہا تھا۔  
 ”اوہو ہائی گاڈ مائی، یہ اتنی خوبصورت ایئر سائڈی ہے۔۔۔“ نیرہ نے ایک شاہرے سے بناری سائڈی نکالی۔  
 ”تمہارے خاقتان ماموں ایڈیلا سے لائے تھے میرے لیے، لیکن میں نے انہیں کے لیے رکھ دی۔۔۔“ آج تو شارق بیگم کا موڈ بھی خاصا خوشگوار تھا۔

”بڑی اہی بری کی شاپنگ کے لیے کراچی جا نہیں گی، آپ بھی پلیز پر وگرام بنالیں ناں۔۔۔“ کرسی پر بیٹھی طوطی نے بھی منال سے فرمائش کی۔  
 ”پیلے ڈسٹی جیرو ٹھیک کر لو نا پھر کراچی بھی چلی جانا۔۔۔“ شارق بیگم نے اپنی بیٹی کو ہماز اتواس کا منہ منایا۔

”نیرہ! جا کر انہیں پکڑا کر لاؤ، اللہ جانے اس لڑکی کی نیند کیوں پوری نہیں ہوتی۔۔۔“ شارق بیگم نے نیرہ کو اس کے کمرے کی طرف بڑھایا۔  
 ”ہاں آج کل ساس ہوش نہیں۔ پوری کرنے کا مقابلہ چل رہا ہے۔۔۔“ ندرت انی نے تاجدار بیگم پر حکم لگا کر طوطی کو دھکیل دیا، وہ پچھلے کچھ دنوں سے اپنے کمرے تک ہی محدود ہیں، اور سب جانتے تھے کہ انہوں نے شاہرے والی بات کو دل سے نکال لیا ہے۔  
 ”اور یہ رہو ابھی گلتا ہے اپنے کمرے میں بیٹھ کر کوئی چٹا کٹ رہی ہے، ذرا جو احساس ہوس لڑکی کو کہ بھائی کی شادی کی ڈیٹ کس ہوگی ہے، ویسے تو تیسرے محلے میں بھی بچھ جانے والی ہے، بندہ کوئی تہہ۔ گڈ کرتا ہے، لیکن یہاں تو کسی کو گوارہ خوشی کا احساس ہی نہیں۔۔۔“ ندرت انی کو بھی آج ضرورت سے زیادہ ہی اناہیہ پر لا ڈا رہا تھا۔  
 ”اے بیٹو، بدنت! ابھی بدنت دن چڑھے ہیں اس لیے کھلے کے لیے۔“

شارق بیگم نے اپنی سون کو کھلی دی تو طوطی نے انتہائی حیرانی سے ان دونوں کو دیکھا جو آج بہت عرصے کے بعد ایک ہی رنگ میں رنگی نظر رہی تھیں۔ ورنہ دونوں سونوں میں اینٹ کتے کا پیر تھا اور یہ بات پورا خاندان جانتا تھا۔

اسی وقت نیرہ کے ساتھ اناہیہ بنائیں لیتے ہوئے اپنے کمرے سے نکلی اور جیسے ہی سیر میاں اتر کر ہال کے کمرے میں پہنچی تو شارق بیگم کے ساتھ بے خوف اور موڈ میں بیٹھی ہوئی ندرت انی کو دیکھ کر اسے جھکا کلاس نے ایک دفعہ دروازے آگھوں کو کھل کر دیکھا۔  
 ”نظر کا دھوکا نہیں، حقیقت ہے بیٹا کی بہن، اور مجھے لگتا ہے قیامت کی نشانیوں میں سے ایک بڑی نشانی ہے۔۔۔“ طوطی نے شادی کی لہجے میں اپنی بہن کو کھل دینے کے انداز میں کہا، وہ کھنٹی کی کڑے بھی شارق بیگم اور ندرت انی کا ایک ساتھ بیٹھنا نہیں سمجھتا۔  
 ”ارے بے، بہت اچھے موقع پر آئی ہو، یہ دیکھو اپنی شادی کا انویٹیشن کاڈ۔۔۔“ نیرہ جو ندرت انی کے ساتھ چیک کر بیٹھ گئی، ایک دم بولی۔  
 ”شادی کا کاڈ۔۔۔؟“ ”ایسا کاڈ ہے پتھر انداز میں دھڑکا۔

”ابائی نے تو ایسے راتوں رات کاڈ پھیلش کر دیا ہے جیسے گھر میں ہی چھاپا خانہ کھول رکھا ہو۔۔۔“ ندرت انی قہقہہ لگ کر کہیں۔  
 ”تمہارا اور ہائی سیکر کا دم تو گھونٹنا خوبصورت لگ رہا ہے۔۔۔“ نیرہ نے سلور گرے کٹر کا ایک نفیس سا کاڈ اناہیہ کی طرف بڑھایا۔  
 ندرت انی اور شارق بیگم کی موجودگی میں اس نے ہلکا سا جھک کر کاڈ پکڑا اور نہ جاتے ہوئے بھی ایک ہلکی سی گھبراہٹ اس کے چہرے پر درآئی، اس نے بیٹھنے سے اپنا اور برہان کا کام ایک ساتھ دیکھا، دل میں بہت عرصے بعد ایک بچی خوشی کا احساس پیدا ہوا لیکن اس کی عمر بھی مختصر تھی۔

برہان نجات بھرے انداز میں اپنا لیپ ٹاپ والا بیگ اٹھائے اپنے کمرے سے نکلے اور اپنی دونوں چاچوں کو ایک ساتھ دیکھ کر وہ ہلکا سا چمکے اور پھر سر جھٹک کر دروازے کی طرف بڑھ گئے۔  
 ”ہانی! بیسی ویٹسین ذرا۔۔۔!!“ تیرہ کیرک ان کے سامنے جا کھڑی ہوئی اور شرارت سے کارڈ ان کی آنکھوں کے سامنے لہرایا۔

”کیا ہے۔۔۔؟“ ان کے چہرے پر ہلکی سی ناگواری آئی۔۔۔  
 ”نہرت اکی! دلیے میاں پوچھ رہے ہیں، کس کی شادی کا کارڈ ہے یہ، کوئی تھلاؤ کہ ہم جھانکیں انہیں۔۔۔؟“ تیرہ کی خوشی پر ان کو ذہن کی سیلن وہ نہرت اکی کے سامنے اسے ڈانٹنے کا رنگ نہیں لے سکتے تھے کیونکہ وہ تیرہ کے معاملے میں خاموشی جذباتی ہو جاتی تھیں۔  
 ”تیرہ پیچھے ہٹو، مجھے تو نیورٹی سے درہم پوری ہے۔۔۔“ ناگواری ان کے لیے سے چھلکی۔  
 ”ارے بیٹا، ابی شادی کا کارڈ تو دیکھو، اتنی محبت سے میں تم کو دکھا رہی ہوں۔۔۔“ نہرت اکی کی بات پر انہیں پانچ سو داٹ کا بھوکا۔

”کس کی شادی کا کارڈ ہے۔۔۔؟“  
 انہوں نے پوچھا، تیرہ کے ہاتھ سے انویسیٹس کارڈ پڑا اور خوفزدہ نظروں سے سامنے لکھی تحریر کو پڑھا اور ان کا بار بار جھٹک کر کے اڑ گیا۔  
 میرحاکم علی ان کے سارے پرکاشت چکے تھے اور انہیں اس ساری زندگی ان کے عطا کردہ خیر سے میں سر راتے ہوئے گزارا کرتی تھی کیونکہ اس کے علاوہ ان کے پاس دوسرا کوئی راستہ نہیں تھا۔  
 ☆ ☆ ☆

”مجھے یہ گھر خریدنا ہی نہیں چاہیے تھا۔۔۔“  
 جارج نے اپنی بیوی راقھا کے سامنے یہ جملہ کوئی تیرہ کی دفعہ دہرایا تو وہ ہلکا سا چمکے۔۔۔ ”ایک ہی بات بار بار کیوں کر رہے ہیں آپ۔۔۔؟“  
 ”تم نہیں جانتی ہو اس گھر کی وجہ سے اس علاقے کے کرپٹ کوئلے نے کتنا زچ کر رکھا ہے۔۔۔“  
 ”کوئلے نہیں بلکہ ڈسکاؤں دھارا۔۔۔“ راقھا نے اپنے شوہر کو کھلی دینے کی کام کو کوشش کی۔  
 ”خام خیالی ہے یہ تمہاری، اس شخص کی شہرت بہت زیادہ خراب ہے اور لیڈر یا اعلیٰ حکام کے ساتھ تعلقات ہونے کی وجہ سے کوئی بھی اس پر ہاتھ نہیں ڈال سکا۔ اسی کی وجہ سے براہ نام ملک مکان انچی جان چمڑا کر گیا ہے یہاں سے۔۔۔“ جارج نے اپنی بیوی کو ڈھکے پیچھے الفاظ میں چھانے کی کوشش کی۔  
 ”اور جاتے جاتے نہیں پھینسا گیا، اسے اصل بات بتانی چاہیے گی۔۔۔؟“ راقھا کو بھی ایک دم غصہ آ گیا۔

”اس سچے سے کوئی تم سے بھر بھی اس کرشل جگہ کی اچھی خاصی قیمت ادا کر دی ہے، یہ کارڈ کے پلاٹ پر بنا ہوا گھر ہے اور وہ کوئلے کو ڈیوٹی کے بجائے اس سے خریدنا چاہتا تھا۔“ جارج نے اہیں کھل کر اس کی معاملہ بتایا۔

”تو وہ اب ہم سے کیا چاہتا ہے۔۔۔؟“  
 ”کہیں کہ ہم بھی اسے اپنے پوتے واسوں اسے سچ کر یہ گھر خالی کر دیں۔۔۔“  
 ”جب ہم اسے نسل کرنا ہی نہیں چاہتے تو کیا وہ بددلتی ہم سے خریدے گا۔۔۔“ راقھا نے بیزارگی سے کہا۔

”ہاں اس کے ارادے تو مجھے کچھ ایسے ہی لگ رہے ہیں، جیسی اس کے بندے ہر جگہ دھکانے کے لیے آجاتے ہیں تھے۔۔۔“  
 ”آپ پولیس اسٹیشن جا کر ان کے خلاف رپورٹ درج کرادیں۔۔۔“ راقھا کے مشورے پر ایک استہزائیہ سکرابٹ جارج کے چہرے پر آئی۔

”حقانے بھی کیا تھا میں اور جا کر پتا چلا کہ وہ اس شہر کے ایم این اے کا خاص بندہ ہے۔۔۔“  
 ”تو ہم کیا کر رہے ہیں۔۔۔؟“ مونیکا نے راسخاندہ پر کھینچ کر کہا۔  
 ”ایسا ایچ اوصاحب نے کہا کہ سگنوں سے جا کر اسے گھر بیٹھ جائیں اور کوئلے صاحب کی بات مان لیں کیونکہ اس حقانے میں میر صاحب کے کسی بندے کے خلاف کوئی رپورٹ نہیں کالی جاسکتی۔۔۔“ جارج کی بات پر راقھا کے چہرے پر ہلکی دھتکڑی لپٹ کے سامنے نمودار ہوئے۔  
 ”چھوڑو تم اس بات کو مونیکا کہاں ہے، اس کا لاہور کا کٹ آیا ہوں میں۔۔۔“  
 ”نا ٹیکل کب آ رہا ہے پاکستان۔۔۔؟“

”اچھے آؤ اور کو۔۔۔“ جارج کی بات سن کر مونیکا کا اپنے جیک کی زپ بند کرنا ہوا تھوڑا دکا۔ وہ ٹھیک ٹھاک پر بیٹان ہوئی۔

”بس اس کے آتے ہی ہم مونیکا کا فرض ادا کر دیتے ہیں، کچھ تو ہمارا ہر چہ ہلکا ہو۔۔۔“  
 ”ہاں اس کے باپ سے بات ہو چکی ہے تیرہ کی۔۔۔ وہ راقھی ہے۔۔۔“  
 ”خداوند، خیر خبر تیرے یہ تو خوشی کا موقع ملانے۔۔۔ ریزنڈل تو بہت زیادہ ڈرا ہوا ہے۔۔۔“ راقھا کی آواز میں ڈھیر دل دہم پوشیدہ تھے۔

”بھیکیں ہوتا تم کسل رکھو، خداوند ہمارے ساتھ بھی نہیں کرے گا۔۔۔“ جارج نے اپنی بیوی کو تسلی دینے کی کوشش کی، لیکن کمرے میں موجود مونیکا کا سارا سکون اور اطمینان برباد ہو گیا۔  
 اسی وقت پڑوسی میں واقع مسجد سے عصر کی اذان کی آواز کو بھینے لگی، جسے سننے ہی مونیکا کے چہرے کے تاثرات میں ایک بغیر رونما ہوا۔

اس کے سکون اور سرشاری کی لہریں لٹکیں اور پورے وجود پہ چھا گئیں اسے یقین ہو گیا کہ کرب کا نجات اس کے ساتھ گھمڑا نہیں کرے گا۔  
 کئی گھنٹوں کی مسافت کے بعد وہ ملتان سے لاہور پہنچی تو وہ بالکل اسے لینے کے لیے ریلوے اسٹیشن پر موجود تھا۔ اسے اسے سامنے دیکھ کر مونیکا کی ساری کھن چند سیکنڈوں میں زور ہوئی۔۔۔  
 ”اے بھیکے، بھیکے پر اچھی بھی قائم ہوں۔۔۔“ اس کی گاڑی میں بیٹھے ہی مونیکا نے ہلکا سا جھجک کر پوچھا۔  
 ”ہم بات کیوں پوچھ رہی ہوں۔۔۔“ وہ زور برب سکرایا۔

”جائیں کیوں، مجھے خدا کا رب ہے جیسے خدا کو اسٹو کچھ غلط ہو جائے۔۔۔“  
 ”اللہ کہتا ہے کہ جیسا گمان رکھو۔۔۔“ وہ اپنی اذان کا۔۔۔“ ڈو! بالکل نے محبت مجھے اندازے سے اس کی طرف دیکھا تو وہ سکرادی۔ اس کا بیڑا ایمان کی روشنی سے بھرا ہوا تھا اور یہ کیسے ممکن تھا کہ اس کا رب اسے اکیلا چھوڑ دیتا۔

اگلی شام کو بادشاہی کھد میں ان دونوں کا نکاح چند دستوں کی موجودگی میں بہت خاموشی سے پڑھا دیا گیا اور ڈو! بالکل مونیکا کا ہوش سے سامان اٹھا کر اپنے لٹیت میں لے آیا، جہاں دونوں اپنے اپنے خاندانوں کو

بتائے بغیر اپنی زندگی کی شروعات کر چکے تھے۔

☆☆☆

”مجھے ایسا کیوں لگ رہا ہے جیسے برہان بھائی اس رخصتی سے خوش نہیں ہیں۔“

اپنی واڈ روپ سیٹ کر لی ہوئی انابیہ کے ہاتھ اس کی ہاتھ پر کے اور اس نے مڑ کر استہوار یہ نظروں سے سامنے بھی ہوئی اپنی ماں بھائی کی طرف دیکھا۔ وہ میر پر بیٹھ کر کیے اپنے پیڑ سے ٹیک لگائے بڑے افسردہ انداز سے ہم دراز تھی۔

”مجھیں اب محسوس ہوا ہے اور میں کسی سالوں سے جانتی ہوں۔۔۔“ اس کے ایک ایک لفظ میں چھپا کرب طوطی نے دل کو تڑپا گیا۔ اس نے بہت گور سے اپنی بہن کا بچھا ہوا چہرہ دیکھا، جس کے ہنسنے میں قسمت نے ساری احموری خوشیاں لکھ دی تھیں۔

”اگر اس فیصلے میں ان کی خوشی شامل نہیں تھی تو انہیں نکاح کے وقت ہی ہاں نہیں بھرنی چاہیے تھی۔۔۔“ طوطی باز ماضی سے گویا ہوئی۔

”اس وقت ان کے لیے مجھ سے زیادہ اہم ان کی اپنی انج ڈی تھی۔“ انابیہ نے واڈ روپ کا پٹ بند کر کے طہرہ لے لیتے میں کہا۔

”لیکن یہاں تو لگتا ہے پورا خاندان ہی اس فیصلے پر خوش نہیں، جس کو کبھی اس کے چہرے پر بارہ بجے ہوئے ہیں جیسے خود اس سے سب کو اجازت سولی پر لٹا دیا جا رہا ہو۔“ طوطی نے اس بار داخل کرتے ہوئے کہا۔

”کیوں، کیا ہوا۔۔۔؟“ انابیہ کا دل بے ڈھنگی سے صراخ سے بھرا۔ ”کیا تانی اکی نے مجھ کہا ہے۔۔۔“

”وہ تو بت لیں گی، جب اپنے تجربے سے باہر قدم نہ بڑھائیں گی۔“ طوطی نے بیزارگی سے سر جھٹکا۔

”شاہد میرا دل بات پر ان کی ناراضی محسوس کر رہی ہے، وہ اپنی اور تانیہ کا ہے۔۔۔“ انابیہ نے غیر دانستہ طور پر ان کی طرف دراز کر لی۔

”چھوڑ دیا، مجھے تو لگتا ہے کہ وہ کبھی اپنے بیٹے کے ساتھ کی جانے والی زبردستی پر خوش نہیں ہیں، اسی لیے تو خود کو اپنے کمرے تک محدود کر لیا ہے، ورنہ تانیہ بھی بڑی بات نہیں، جتنی وہ بات کرنے کی کوشش کر رہی ہیں۔“

”مجھیں درجہ دار نے مجھ کہا ہے کیا۔۔۔؟“ انابیہ نے ہلکا سا ہنچ کر پوچھا۔

”ان محترمہ کو بھی لگتا ہے کہ اس اعلان کے بعد سائب سبک ہو جائے، یہاں ہے کہ ایک لفظ بھی مبارکباد کا اس کے منہ سے نکلا، ورنہ تم تو جانتی ہو وہ تو سات گھر چھوڑ کر کسی کسی کی شادی ہو تو وہاں جانے کو مجھے لگتی ہے۔“

طوطی کے سبھی کے بے زار اور دل کی ہوشی کہ اس نے ان سب کے ردوین کا بہت بار ایک بچی کے ساتھ مشاہدہ کیا ہے اور اس کی وجہ سے وہ ناخوش ہو گئی۔

”میں کیا کہہ سکتی ہوں، جب میری قسمت میں ہی ایسا لکھا ہے۔۔۔“ انابیہ سارے کام چھوڑ کر اس کے پاس آئی۔

”تم کل رات بات کیوں نہیں کرتی ہو، اپنی بیوی سے۔۔۔“

”میرے جسم کی کاغذیاد ہی تو ہے۔۔۔“

”مطلب۔۔۔؟؟؟؟“ طوطی نے اچھڑک کر کیا افسردہ چہرہ دیکھا۔

”دانی سے ہم دونوں کی باتیں سن لی تھیں، انہیں کسی پتا چلی گیا کہ برہان کا انٹرنسٹ کسی اور میں ہے۔“

انابیہ نے ہلکا سا ہنچ کر بتایا۔

”اور اس کا کل انہوں نے یہ نکالا کہ تمہیں زبردستی برہان تانی کو ہونے سے باز رکھا جائے، ہے ناں۔“ طوطی جی بھر کر بد مزاج ہوئی۔

”وہ ہر چیز کا کل زور زبردستی میں ہی دھونڈتے ہیں، یہ مزاج ہے ان کا۔۔۔“ ایک سحر مسکراہٹ نے اس کے چہرے کا ماحول کیا۔

”اب کیا زبردستی کسی کے دل میں بھی گھسا نہیں دے وہ۔۔۔“ طوطی نے نر اسامہ بتایا۔

”دل میں تو بس مسائل خربک کا ڈیرا ہے اور اس کی موجودگی میں وہاں کوں داخل ہو سکتا ہے۔۔۔“ انابیہ نے اپنی انگلیوں کو پچھتا کر شروع کر دیا۔ ”جواس کے اندر وہ لی اضطراب کی عکاسی کر رہا تھا۔“

”کیا بہت خوبصورت سے سنا لیں تھیں۔؟“

”محبت کی عام سے چہرے کو بھی خوبصورت بنا دیتی ہے، ورنہ تانی کی بات نہیں ہے اس میں۔۔۔“ انابیہ زبردستی مسکرائی۔

”تمہارے ہی ذہن پرست میں ہوتی ہے ناں وہ۔۔۔“ طوطی نے تنبیہ کی ہے پوچھا تو انابیہ نے انہیات میں سر ہلا دیا۔

”لیکن تم کیوں تو چھری ہو۔۔۔؟“ انابیہ نے اچھڑک کر طوطی کا چہرہ دیکھا، جس پر کسی فیصلہ کن سوچ کا عکس تھا، اور لبوں پر ایک نامسراہٹ نے ڈیرا بٹھا دیا تھا، ان کو اس نے ہر اکوڈ تسم سے ہلکا سا خوف محسوس ہوا لیکن وہ مٹھنا خاموش رہی۔

☆☆☆

”مام، کچن کا سوپ بنواؤں آپ کے لیے۔۔۔؟“

شہزاد نے مختصر تنبیہ کا تاثر ترین پورس پڑھتے ہوئے گرے کر منہ لہجے میں پوچھا اور دوسری طرف حسب توقع جواب بھی سن لی آیا۔

”خیر کچن کو پائل سے گھر شفٹ کر دیا گیا تھا لیکن ان کے ہونٹوں پر خاموشی کا جوہر شہت ہو چکی تھی وہ گھر آنے کے بعد بھی کوئی نہ کا نام نہیں لے رہی تھی اور میرے دو مسل لڑیکوں کو لڑکا استعمال کر رہی تھیں اور چوٹیں

میں سے اٹھا رہے تھے غصہ کی آواز میں زبردستی سے بات شہزاد اور دوسری وجہ دونوں کو گھر مرنے کے لیے لگائی تھی۔“

”ڈاکٹر زانی زیادہ میڈیٹین کیوں دے رہے ہیں انہیں۔۔۔؟“ دوسریہ نے پریشانی سے سائینڈ میز کی طرف دیکھا، جواس وقت رنگ برنگی ادویات سے مبرا ہوا تھا۔

”مام کے اعصاب کو پسوں کر رکھنے کے لیے۔۔۔“ شہزاد نے ہاتھ میں بکڑی فائل احتیاط سے ایک طرف رکھی۔

”نہان دن سے یہ مسل سوری ہیں اور یہ مسلے کا حل تو نہیں۔۔۔“ دوسریہ بے زاری سے گویا ہوئی۔

”ڈاکٹر زانیہ بہتر طریقے سے جانتے ہیں کہ ان کا فریڈنٹ کیسے کرنا ہے۔۔۔“ شہزاد نے مختل انداز سے جواب دیا۔

”تم نے فکس دیکھی ہے ان کی، ایسا لگتا ہے جیسے برسوں کی بیاہر ہوں۔۔۔“ وہ فکر مند لہجے میں بولی۔

”ڈاکٹر ڈیک روٹی بات تم مام کے سامنے مت کہہ دینا، وہ ایک نئے ڈپریشن میں مبتلا جا سکتی ہیں۔“

شہزاد نے ہلکا سا ہنچ کر کہا کیونکہ۔۔۔ وہ جانتی تھی کہ بیٹا بیٹا سے معاملے میں کس حد تک حساس ہیں۔

”میں تو جانتی ہوں کہ وہ ان فضول کم کے ڈپریشن سے نکل کر اپنے اوپر دھیان دیں۔۔۔“



رومیہ کے اطرحہ انداز پر شہزادے نے چونکہ کراس کی طرف دیکھا جو ہاتھ میں چکر سے تلخون کی اسکرین کو فوسے دیکھ رہی تھی، فلن کی آواز پڑ گئی، ایسے اسکرین پر ایک مہر بنلک کر ہاتھا جو صرف رومیہ جانتی تھی کہ اس کا دل کا ہے جس سے وہ سخت غافل تھی۔

”کال انڈیکس کیوں نہیں کر رہی ہو تم۔۔۔؟“ شہزادے نے اپنے لہجے کو سرسری بنا کر کہا۔

”میرا مڈ نہیں ہے۔۔۔“

”کون ہے۔۔۔؟“

”ایک فرینڈ ہے یونیورسٹی کی۔۔۔“ رومیہ نے جھوٹ بولتے ہوئے کال ایک دفعہ پھر کاٹ دی۔ اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ اس کی نام کی یاد کا کالم ہو چکا ہے اور وہ اس نام پر کوئی بات نہیں کرنا چاہتی تھی۔ اسی وقت ٹیٹا نیگم نے آکٹیس کھولیں، ردوں، پنچیں بے اختیار ان کی طرف متوجہ ہوئیں، ان کی آنکھوں کے پونے مسلسل سونے کی وجہ سے سوچنے کیلئے تھے اور چہرے کی جلد سے بھی ساری تر تازگی ختم ہو چکی تھی۔ ان کے سارے وجود پر شرم کی جانے والی محضن کا مہیر اٹھا۔

”مام! کیسا محسوس کر رہی ہیں آپ۔۔۔؟“ شہزادہ ایک کران کے پاس پہنچی، اور انہوں نے ہلکا سا سر اثبات میں ہلا کر ٹھیک ہونے کا اشارہ کیا، وہ اسی وقت لاہر دروازہ کا کھٹکنا کے اندر داخل ہوئی۔

”کیا بات ہے رشیدہ۔۔۔؟“ رومیہ نے سر اٹھا کر ملازمہ کی طرف دیکھا۔

”بی بی جی، کوئی سیف الرضن صاحب آئے ہیں نیگم صاحبہ سے ملنے کے لیے۔۔۔“ ملازمہ کی بات پر ناگواری کی ایک ہر رومیہ کے چہرے پر دوڑی اور شہزادے نے پریشانی سے اپنی اس کا چہرہ دیکھا جو بالکل ساٹ تھا۔

”مجھے کسی سے نہیں ملنا۔۔۔“ ٹیٹا نیگم کے منہ سے نکلنے والے اس بے ساختہ جملے پر ردوں نے تعجب مہر سے انداز سے ان کی طرف دیکھا، جادرن کے بعد انہوں نے بے مکمل پانچ لفظی جملہ بولا تھا۔

”مام! آپ کوئی لینا چاہیے ان سے وہ آپ کے لیے بہت زیادہ ناپ سیت ہیں۔۔۔“ شہزادے نے دے دے انداز میں کہا اور رومیہ نے۔۔۔ خارجی سے پھر پر ایک نظر شہزادے پر ڈالی، جیسے اس کی بے وقوفی پر یقین آ گیا ہو۔

”جب وہ ملنا نہیں چاہتیں، تو تم کیوں بروہی کر رہی ہو۔۔۔“ رومیہ کا ساچر کو گویا ہوئی۔

”میں صرف یہ جانتی ہوں کہ مام ہارن لائف کی طرف واپس آ جائیں، اس طرح کتنے دن لوگوں سے کٹ کر رہا جا سکتا ہے۔“ شہزادے نے اپنی بہن کو سمجھانے کی کوشش کی جو بے سوری۔

”ہارن لائف گزارنے کے لیے سیف الرضن سے ملنا کی ضرورت نہیں۔۔۔“ رومیہ کے لہجے میں کوفت کا مہر پور غرض شامل تھا۔

”بی بی جی، کیا کہوں ان سے۔۔۔؟“ ملازمہ ردوں کی بحث سے پریشان ہو چکی تھی۔

”ان سے کہہ دو کہ نیگم صاحبہ سوری ہیں اور انہوں نے دگانے سے منع کیا ہے۔۔۔“ شہزادے نے رشیدہ کی مشکل آسان کی۔ وہ جلدی سے واپس مڑتی اور اس نے اپنی ماں کا چہرہ گور سے دیکھا، ان کی پائوں پر اٹکا ہوا ایک آنسو شہزادہ کا سون کر رہا کہ چٹا تھا۔ اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ مام نے محض رومیہ کی وجہ سے ان سے ملنے سے انکار کیا ہے۔

☆☆☆

ارسل لاہریری سے باہر نکلا تو دوپہر کے دو بج رہے تھے، اس نے کوئی دو گھنٹے وہاں بیٹھ کر رومیہ کا انتظار کیا تھا۔

”نیکس! اس نے بھی شاید نہ آنے کی قسم کھائی تھی۔۔۔“

ارسل نے رات جاد پانچ بیٹیز سوری کے کر کے اسے بوٹیوڈی آئے کو کہا تھا، لیکن رومیہ نے ایک بھی نیگس بیچ کا جواب دینا گوارہ نہیں کیا، جس بات کی عکاسی کر رہا تھا کہ وہ اس سے اب بھی خفا ہے اور اس کی نفی ارسل کو یہ یقین کر رہی تھی۔

اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ اس دن وہ ارتضیٰ حیدر کے ساتھ اسپتال سے نکل آ رہی ہوگی اور وہ اب اپنی جذباتیت پر خاصا شہید تھا اور اس سے مل کر اپنے دہونے کی سعادت نہ کرنا چاہتا تھا لیکن وہ اس کی کال انڈیکس کرنا تو ڈوری بات اس کے کسی بیچ کا جواب دینا بھی پسند نہیں کر رہی تھی۔

ارسل جو جملہ دنوں کے ساتھ بارنگ کی طرف چلا آیا، جہاں اس کی گاڑی کھڑی تھی۔ اس نے ذرا نیگم سیٹ پر بیٹھنے پر کچھ سوچ کر آخری بار رومیہ کا نمبر ڈائل کیا اور اس کا بلاغ توقع کا ل انڈیکس کی گئی۔

ارسل کے ملنے سے ایک پر سکون سانس خارج ہوئی۔

”نیکس! کالامیری جان، ہم نے کال تو انڈیکس کی۔۔۔“ ارسل کے بلکے چمکنے انداز پر دوسری طرف رومیہ کچھ کچھ کی کر اس کا سارا قصہ ختم ہو چکا ہے لیکن رومیہ سے اس کی آسانی کے ساتھ بیٹھنے کے سوا میں نہیں تھی۔

”کیوں کال کی ہے مجھے۔۔۔؟“ وہ راسی سے گویا ہوئی۔

”سوری کرنے کے لیے۔۔۔“ وہ اس کے بارش لہجے پر ہلکا سا مسکرایا۔

”ہاں! جتا چل گیا تھا کہ۔۔۔ اس دن میں ارتضیٰ حیدر کے ساتھ تھی، مون مٹا کر نہیں اپنی پیار ماں کی عیادت کر کے آ رہی تھی۔“

”دیکھو رومیہ غلط بات مت کرو۔۔۔“ وہ اس کے لفظی حوالن پر برائمان کر بولا۔

”میں خود بھی سر اٹھا غلط ہوں اور میری باتیں بھی غلط ہیں اس لیے بہتر ہوگا کہ آپ اپنے لیے کوئی درست انتخاب کر لیں۔۔۔“ اس کے لہجے میں طنز کی آمیزش شامل تھی اور ارسل کا اندازہ ہو گیا تھا کہ دوسری طرف حالات خالص خراب ہیں۔۔۔

”لیکن میرا تو ایک ٹھیک ملازمہ ہی ہے۔ کیا کروں۔۔۔؟“ اس نے شرارتی انداز سے کہا۔

”غلطیوں کی کٹ چکی جا ہے اس سے پہلے کہ وقت ہاتھوں سے نکل جائے۔۔۔“ رومیہ نے کھلے دل سے اسے مشورہ دیا جو اسے بالکل پسند نہیں آیا۔

”تم ذکر ایسے ہی جلتے گئے انداز میں گفتگو کر دو تمیں تمہارے گھر آ کر اٹھا کر لے جاؤں گا تمہیں۔۔۔“ ارسل نے اسے رانے کی کوشش کی۔

”اگلی صبح سے تو آ جاؤ۔۔۔“ وہ استہزائیہ انداز سے گویا ہوئی۔

رشیدہ کے دوسری طرف ارسل کی جانب بالکل خاموشی چھائی اور چار پانچ سیکنڈ کے وقفے کے بعد کال کٹ گئی۔ رومیہ نے بھی بے زاری سے چمک کر کہنا ٹیل فون بل پر پیچیدہ دیا، چاہیں کیوں، ارسل کے ان ذہر آؤد جھلن کا اثر ڈال ہونے کا نام ہی نہیں لے رہا تھا۔ وہ ہاتھوں میں برش کر کے سٹیک روم کے نافذ پچا کر گریٹ گئی۔

رومیہ کو اپنے بیڈ روم سے نکل کر سٹیک روم میں آئے بمشکل میں صحت ہی ہوئے تھے جب انٹرکام سے



برہاؤں پر عجیب کی غوسٹ کا سایہ چھایا ہوا تھا۔  
برہان اس دن کھر لوٹے تو دہائی اور جسمانی طور پر سخت تھکے ہوئے تھے۔ انہوں نے درشہوار کو بلوا کر  
افو نیش کا کارڈ اس کے سامنے رکھا تو درشہوار کے چہرے پر پھیلنے والی فطری خوشی کا عکس اتنا نمایاں تھا کہ وہ بھی  
چمکے گئے۔

”تم اتنا خوش کیوں ہو رہی ہو؟ میرا جانے کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔“ برہان کی بات پر درشہوار کا دل دھلی  
کر رہا گیا۔  
”بھائی! اس بات غمیر۔۔۔“ وہ ہلکا سا جھنجھلا کر مزید گویا ہوئی۔ ”مناہل بہت زیادہ ہرٹ ہوئی۔۔۔“  
”اچھا ہے اسے ابھی سے اس چیز کی عادت ڈال گئی چاہیے۔“ انہوں نے بے زاری سے اپنے سوزے  
اتار کر پاؤں بیٹھ کر رکھے۔

”آپ نے اپنی شادی کا تایا نہیں؟“ اس نے ہلکا سا جھجک کر پوچھا۔  
”نہیں۔۔۔“ انہوں نے بے اختیار نظریں چرا کر کہا۔  
”ابھی بتانے کی ضرورت بھی نہیں۔۔۔“ درشہوار کی بات پر وہ چونکے اور تعجب انگیز اعجاز سے اس کی  
طرف دیکھا۔

”میرا یہ مطلب تھا کہ اتنے دن پہلے بتا کر انہیں شیش کرنے کا کیا فائدہ اور کیا پتا، اللہ کوئی بہتر راستہ نکال  
دے۔“ درشہوار نے بھائی کی دل جوئی کے لیے کوئی کہاں نہ تو وہ بھی جانتی کہ میراؤں میں کیے جانے والے  
فیصلے کی تبدیلی نہیں کیے جاتے۔

”جہاں راستہ نکلے گا نکلے گا۔“ اس کا جہر آلود تہمت نے ان کے لبوں پر اچھلائی۔  
”جیسا خاقان چٹا وودو بولیاں رکھ سکتے ہیں تو آپ کیوں نہیں۔۔۔“ درشہوار نے اپنے بھائی کو ناپستی  
پڑھایا، کچھ لمحوں کے لیے تو برہان بھی بول نہیں پائے لیکن درشہوار کی بات میں کچھ نہ کچھ تو دم تھا، ان کے سنے  
ہوئے اعصاب کچھ پرسکون ہوئے۔

”نہیں فیصلہ ہو گیا، ہر لوگ کل ضرور جائیں گے اس فنکشن میں۔۔۔“ درشہوار نے لاڈ بھرے انداز سے  
برہان کے گلے میں ہاتھ باندھا۔ یہ اس کا اپنے بھائیوں سے بات منوانے کا ایک خاص انداز تھا۔ جس کے آگے  
بھئی بے بسی ہو جاتے۔

برہان نے بھی زبردستی مسکرا کر اشیات میں سر ملا دیا۔ درشہوار کے دل کی کھلی کھلی آغوش، وہ ابھی سے سوچ  
سوچ کر خوش ہو رہی تھی کہ یاد کی اسے اچانک سامنے دیکھ کر کیسا ہی ایک کرے گا اور وہ اس فنکشن میں بہت  
دل سے تیار ہو کر جانا چاہتی تھی۔

پہاؤں پر اترتی شام میں آج اور اسی کارنگ نمایاں تھا۔  
بہت دنوں بعد طوفانی اور تیز ہواؤں کا آج سامنے دلان میں ڈیرا ڈال کر بیٹھی ہوئی تھیں طوفانی کا پاؤں  
ابھی کچھ نہیں ہوا تھا اس لیے اسے چلتے پھرتے میں کئی دشواری کا سامنا تھا، اس لیے وہ جس جگہ بیٹھ جاتی تو  
گھنٹوں بیٹھی ہی رہتی۔۔۔

ایسی وقت انہی ان دونوں کی جانے کی ٹرے لیے باہر نکلے تو غمیرہ کو ایک دم یاد آیا۔ ”آپ نہیں جائیں گے  
آج فنکشن میں۔۔۔؟“

”کون اس فنکشن۔۔۔؟“ انہی نے حیران ہوئی۔  
”لو جانے نہ جانے گلی کی منہ جانے، بارغ تو سارا جانتے ہے۔۔۔“ غمیرہ نے اپنی پلیٹ میں ایک ساتھ  
تین کباب ڈالنے ہوئے طنز کیا۔  
”کیا مطلب۔۔۔؟“

”ڈاڈا درشہوار صاحبہ کے کمرے میں بھاگ کر دیکھیں، رات سے فیشل بکلیئرنگ، مٹنی کیور، پیڑی کی کیور اور  
اب سولر سٹیکر کے تھرمز برہان بھائی کے ساتھ ڈیپارٹمنٹ کے کسی فنکشن میں جا رہی ہیں، انہیں تو بھی بتایا گیا  
ہے۔۔۔“  
”ڈیپارٹمنٹ کا فنکشن؟“ لیکن آج کل تو سب اسٹوڈنٹس کو فری کر دیا گیا ہے اور ایسا کوئی فنکشن ہوتا تو  
مجھے ضرور علم ہوتا۔۔۔“ انہی نے حیران ہوئی۔

”تو پھر کہاں جا رہے ہیں دونوں بہن بھائی! اتنا جگ جگ کر درشہوار سے تو اپنی خوشی سنہیلی ہی نہیں جا  
رہی۔۔۔“ غمیرہ کے کان کھڑے ہوئے۔  
”بھول گئی تھی کئی کئی فنکشن ہوئے ہیں اسٹوڈنٹس انوائٹمنٹز ہوئے۔“ انہی کے انداز میں سادگی تھی۔  
”تو پھر درشہوار کے جانے کی کیا تکلفی ہے بھلا۔۔۔؟ اور بے مردگی کی انتہا وں گھو، اس خود غرض برائی نے  
ایک دفعہ بھی ہم میں سے کسی کو مجھے نہ بھی ساتھ چلنے کو نہیں کہا۔۔۔“ غمیرہ کے کہنے سے خود مسرخت اٹھ گئے۔

”خود غرض لوگ ہم اپنی ذات کے غمیرے میں ہی رہتے ہیں، دوسروں کے اوپر کیا کر سکتی ہے، ان کا اس  
سے کوئی لیڈا چٹا نہیں ہوتا۔“ طوفانی نے بلند آواز میں غمیرہ کو بھی آج کل درشہوار پر چڑی ہوئی تھی۔  
ایک وقت کھرا کاندرونی دروازہ دکھلا اور تینوں کے گلے سے کھٹکے لگے۔

درشہوار کی چمک کھڑکی اسٹائش کی بیکسی میں اپنے سارے ہتھیاروں سے لیس نظر لگ جانے کی حد تک  
خوبصورت لگ رہی تھی اس کے ساتھ ہر اوٹن کھڑے کوئی خوش سوت میں برہان کی تیار ہی تھی کہ کسی نے نہیں کی۔  
انہی نے نظر اٹھا کر ان دونوں بہن بھائیوں کی خصوصی تیاری کی طرف دیکھا اور اپنی جانے میں چینی ڈاتا  
بھول گئی۔

”ہائے۔۔۔“ ہینسل نیل کے ساتھ بڑی نزاکت کے ساتھ چلتی ہوئی درشہوار نے ان تینوں کو دیکھ کر  
زبردستی ہاتھ ملایا اور چم کی کھڑکی پران کی گاڑی کی طرف بڑھ گئی۔۔۔  
”یو تو آگے رہا ہے جیسے کسی شین میں حصہ لینے جا رہی ہو۔۔۔“ طوفانی نے تیز ادبی سے جواب دیا۔  
”اور مجھے تو لگ رہا ہے جیسے دونوں بہن بھائی کی خامی جگہ گھر والو اپنے ہوں، دور درشہوار کہاں ڈھنگ  
سے ہاتھ نہ دھو گئی ہے لیکن رات تو اس کا نہیں نہیں چل رہا تھا کہ کسی بیوی کیلون میں جھگڑا لے لپٹی۔۔۔“ غمیرہ  
کی بات پر انہی کے دماغ میں خطرے کا الارم بجایا۔

”جینا چھو تو کرو اور آؤ، خیر دیکھتی ہیں ایسا کون سا فنکشن ہے۔۔۔؟“ طوفانی کا بھی ہاتھ اٹھا دکھا۔  
”کرن سے کہتی ہوں، اس کی ایک کرن ہمارے حق ڈیپارٹمنٹ میں ڈیپارٹمنٹ پر فیس ہے۔“ انہی نے  
اٹھنا نکل تو اٹھایا۔ یہی وقت میراؤں کا دروازہ دکھلا اور شاہ میر کی خانی جب اندر داخل ہوئی، ان تینوں کو ایک  
مہم چکا سا لگا۔ طوفانی نے کھڑا ہو کر پوچھ کی طرف دیکھا، وہاں، تاپا ہلا اور بابا کی گزیاں غائب تھیں۔

اس کا مطلب تھا کہ وہ بھی اپنی پوری زندگی کے ہی آیا تھا۔

”ہائے لہو زہر، کیا آج سے پہلے اتنا ہی کم اور ڈھنگ بندہ نہیں دیکھا؟“ اس کی شوخی عروج پر تھی۔

”ہم نے تو بہت دیکھے ہیں، بس دعا کرو کہ راجا کو اتنا آیا یا نہ دیکھیں۔“ جواب حسب توقع طوطی کی

طرف سے ہی نکلا۔

”بندے کی شکل اگر پیاری ہو تو رسب بات بھی پیاری ہی کرنی چاہیے، کیوں بھاجو۔؟“ اس نے اتنا یہ کہ

بھاجو کہ کھرچھڑا تو وہ ایک دوسرے ہو گئی۔

”آف یلا یاں برہاں بھالی دیکھیں تو قسم سے پاگل ہو جائیں۔“ اس نے مزید مسکد لگایا۔

”راہی کو تپے کہ تم اس وقت ہمیں پاؤں میں موجود ہو۔“ نیرہ نے اسے کچھ بھی نظروں سے گھورا۔

”نہیں بہت خون کر کے پتاؤ داس کے بعدوا کی پیٹاوری چٹل سے بچنے کے لیے دوکل چلی جانا۔“

”تالی ائی نے بلوایا ہے نہیں۔؟“

”خاہر ہے اس مکر میں دوی لوگوں کے کہنے پر میں اڑتا ہوا آسکا ہوں، ایک تو میری پیاری ماں ہے اور

باقی دوسرے کو جاننے کے لیے تم تینوں پر چاں ڈال دو۔ جس کا نام لکھ گا وہی ہوگی۔“ اس نے طوطی کی پیٹ

سے دوکس ایک ساتھ اٹھا کر شرارت سے منہ میں ڈالے۔

”تاہم اگر دوا اس سے بچتی مرضی۔“ نیرہ نے اس کی بات کو چنگلیوں میں اڑایا۔

”جائے بناؤں تہا رے لیے۔“ اس نے مسکرا کر پوچھا۔

”نہیں، چائے تو میں اماں کی گود میں سر رکھ کر پین گا ویسے کہاں وہ اس وقت۔۔؟“ شاہ میر کا موڈ

خاصا خوش گوار تھا۔

”دو جس دن سے تم گھنے ہو اپنے کرے سے ہی نہیں نکلیں۔“ نیرہ کی اطلاع پر وہ غیر جمیدگی سے طوطی

کی طرف دیکھ کر شرارت سے بولا۔

”مجھ کو گھیری محبت میں کمرے سے ہی نہیں نکلے اور کچھ تو قریبی زین پر کھنسنے سے انکار کر یا،

یا اندھا دیکھیں یا کرکھیں میں مری نہ جاؤں۔“

”اللہ نہ کرے۔“ طوطی کے منہ سے یہ ساختہ نکلا اور شاہ میر اس کی بے ساختگی پر قہقہہ لگا کر ہنسا تو وہ نیرہ

اور اتنا یہ کہ موجودگی میں ایک دم خفت کا شکار ہوئی جبکہ نیرہ جراتی سے ان دونوں کی شیطانی دیکھ رہی تھی کیونکہ

اسے اندازہ نہیں تھا کہ ان دونوں کے درمیان کیا چل رہا ہے۔

☆ ☆ ☆

میرہ سے کہ اس ہال میں رنگ دیوار اور شیشوں کا ایک سلاطین سا آیا ہوا تھا۔

سمر عالیہ قریبی اور عبداللہ صاحب درپٹھن پر کھڑے مسکراتے ہوئے اپنے مہمانوں کا استقبال کر رہے

تھے۔ چچہ ہادی بلیک ڈزسوٹ میں مہمان کے ساتھ وہیں موجود تھا، آج پچ مہمان کی بھی تیاری دیدنی تھی۔ سیاہ

رنگ کے سوٹ میں بیٹے کے ساتھ میک اپ کیے ہوئے غامدی کیوٹ لگ رہی تھی۔

”تمہارا بے انتہائی گیسٹ نہیں پہنچے اب تک۔۔۔؟“ ہادی نے دست دایق پر غم دیکھتے ہوئے اسے پھینڑا۔

”ہاں ہو گئی ہے میری ماں بھی، مہمان میں منت نہ پہنچے تھے۔“ یہ مہمان نے مسکرا کر جواب دیا۔

وہ آج برہان کا اپنی سہیلی کے ساتھ خصوصی تعارف کرانا چاہتی تھی اور ہادی کو کچھ کم اس بات کا اندازہ ہو

گیا تھا کہ یہ خاص مہمان، مہمان کے لیے ذاتی خاص تھے کیونکہ وہ بار بار بے چینی سے دیکھنے کی طرف دیکھ رہی

تھی۔۔۔

”اگرے شہزادہ تم۔۔۔؟؟“ سمر عالیہ قریبی کے لیے شہزاد کی آمد بالکل غیر متوقع تھی کیونکہ انہیں امید

نہیں تھی کہ شیشا بیگم کی خراب طبیعت کی وجہ سے شہزاد اس فنکشن کو انیٹ کر پائے گی۔

”بہت بہت مبارک ہو سمر قریبی۔۔۔“ شہزاد نے سب کے ان کے طرف بولتے ہوئے غلوں میں سے کہا۔

”دیکھیں دیکھ کر بہت خوشی ہو رہی ہے مجھے۔۔۔“ انہوں نے دلہانہ انداز سے شہزاد کو اپنے گلے لگایا، یہ

لڑکی انہیں پہلے دن سے اپنے دل کے بہت قریب محسوس ہوتی تھی۔ اس نے بڑی جلدی محنت سے ان کے چیمبر

میں اپنا ایک مہمان مقام ہالیا تھا۔۔۔

”بہت پیاری لگ رہی ہو تم۔“ سمر قریبی نے پیار بھری نظروں سے شہزاد کی طرف دیکھا تو وہ ہلکا سا

مسکرای۔

آف وائنٹ نیٹ کے سوٹ کے ساتھ اس کے گلے ہال ایک فرنیچر کی شکل کی صورت میں بندھے ہوئے

تھے۔ بیکے سے میک اپ اور نیٹس ڈائننگ چیمبر میں وہ عام دونوں سے ہٹ کر بہت منفرد لگ رہی تھی، اس کی

شخصیت میں ایک محسوس کیے جانے والا فرق تھا۔۔۔

اس فنکشن میں شہزادی پوری کریم جمی کی قریبی صاحب اور ان کی سمر کا حلقہ احباب خاصا وسیع تھا۔ اس کا

اندازہ شہزاد کو ہال میں پہنچتے ہی ہو گیا تھا۔ وہ ایک سائیز پر سب مہمانوں سے الگ تھلک رہے مگر کچھ بھی

جب اس کے سہیلوں کی شرمگاہ تھی۔ یہ شہزاد کا نام دیکھ کر اس کے لبوں پر بے ساختگی مسکراہٹ دوڑی۔

”فارغا ڈسک! اب یہت کہنا کہ تم کسی لیدرنگ میں موجود ہو۔“ شہزاد کی بات پر وہ ہلکا سا ہنسا۔ اس

کے سہیلوں کے بیک کر اوڑھن میں چلا ہوا دھیرا دھیرا سیاہیڈک اسے اس بات کا یقین دلا گیا تھا کہ وہ کبھی نہیں

آس پاس میں موجود ہے۔

”نیرہ! غیر متحرک نہ رہاں پہنڈو کی دوہاں آنے سے مجھے کوئی نہیں روک سکے گا۔۔۔“ وہ قہقہہ لگا کر ہنسا اور شہزاد

بالا اور دھڑک کر دیکھیں یا میں دیکھنے کی ہال کا بیڑا تھا اور اس وقت سب ہی مہمان سوٹ ڈریس وغیرہ پہنے

میں مشغول تھے۔

”کہاں ہو تم۔۔۔؟“ شہزاد کو اسے سارے لوگوں کے جھرمٹے میں اسے تلاش کرنے میں دقت ہوئی۔

”تمہارا سہیل میں۔۔۔“ وہ شرارت سے ایک بار پھر ہنسا۔

”اگلی بات خیر۔۔۔!!!!“ وہ ہلکا سا ہنسمٹائی۔

”اس فنکشن میں جو سب سے پیڑم سرد ہو گا مجھ کو لینا، وہ میں ہوں۔۔۔“ اس نے ایک بار پھر شوخی سے

کہا۔

”تو پھر مجھے اس پیڑم سرد کی تلاش آج کر ہی لینی چاہیے۔۔۔“ شہزاد فیصلہ کن انداز میں ابھی، اس کی

تلاش کا چہرہ پورے ہال میں دوڑنے لگیں۔

”موسوے پر رکھا ہوا کچھ بھی اٹھاؤ، کیوں میری خاطر اپنا نقصان کرواؤ گی۔۔۔“

وہ سہیلوں پر ہنر کر چکا تھا۔ شہزاد کے دل کی دھڑکنیں سے ربط ہوئیں، وہ جان چکی تھی کہ وہ اس کے بالکل

آس پاس سے ورنہ موسوے پر رکھا اس کا کچھ دھماکا ہے اسے یہ نظر آتا۔ اس نے کھوتی نگاہوں سے اپنے اور گرد

کھڑے گرد و پیش کی شکل میں موجود لوگوں کو گھورے۔ پچاسٹھ سٹروں کی سب ہی انجان چہرے تھے۔ وہ کبھی کا پائیسی

”دیکھ لیکن اہترے ابا کو رعبہ سے بہت پیار میں تیریزوئی چلائی گئی سے کہا۔  
 ہے ”دو تیری چھو کو کبھی من نہیں کریں گے۔“  
 لال نے آکا کو دھتے ہوئے پاس ہی بیٹھی، باڈی بھانجے سے پیار سے تو کرتے رہیں مگر دوسروں کی

ذوق لعین خرم

گل خوش



دوسری طرف منائل سیل فون کان سے لگائے ہادی کا ہاتھ پکڑے اسے دیکھنے کی طرف لے جا رہی تھی، اس کے چہرے پر موجود بے تابی نے آج ہادی کے سامنے سے بہت سے پردے ہٹا دیے تھے۔  
 ”اب ایسے کون سے نواب صاحب ہیں، جن کو ریپو کرکے کے لیے پارکنگ میں جانا ضروری ہے؟“  
 ہادی کو منائل کی بے چینی اب بیزاری میں جکڑ کر رہی تھی، وہ بادل غواستہ انداز میں اس کے ساتھ چل رہا تھا۔

”حکومت اور اپنے چہرے کے زواہے درست کرو، سمجھے۔۔۔“ منائل نے اس کے ساتھ چلتے ہوئے اس کی بڑی طرح سے ڈانٹا۔  
 ”نہ، ہم ریپشن پر بھی تو ان کو دیکھ سکتے تھے۔۔۔“ اس نے بڑی سی شکل بنائی۔  
 ”دو قدم چل کر لوگے تو کیا نا میں لوٹ جائیں گی تہہ باری، میری خاطر اتنا بھی نہیں کر سکتے۔۔۔“ وہ چلتے چلتے ناراضی سے کہی۔  
 ”اچھا بابا! چلو، اگر تم جتنی ہوتو ان کے استقبال کے لیے سائڈ سے کوئی گلا بھی اٹھا لیتا ہوں۔۔۔“ ہادی نے

اس کی خاطر اپنا موڈ سیٹ کیا۔  
 ”تم اپنے پھول، گلے اپنے سرسرا، والوں کے لیے منھال کر رکھو، بس ان کو پورے فکشن میں ایڈیشن برڈ کو دل دینا ہے۔ میرے بار بار اصرار کرنے پر آنے کے لیے راضی ہوئے ہیں وہ۔۔۔“ منائل پارکنگ کی طرف بڑھتے ہوئے اسے ساتھ ساتھ ہدایت دے رہی تھی۔  
 ”ایسے بھی کون سے نواب آف کالا باغ ہیں وہ۔۔۔“ ہادی نے شرارتی نظروں سے منائل کا سرخ چہرہ دیکھا۔

”بس تم نواب ہی سمجھ لو انہیں۔۔۔“  
 ”تمہارے دل کی سز میں کے۔۔۔؟“ ہادی نے شوش لے کر پوچھا۔  
 ”ہاں۔۔۔“ منائل کے جواب نے اسے ہکا بکا کر دیا۔  
 ”اب چلنا، کیلنگ بعد میں کر لینا ڈرامے باز۔۔۔“ منائل نے اس کا بازو پکڑ کر گھسیٹا۔ وہ دو فون پیسے ہی ہوئی کی مین ریپشن پر پہنچے گلاس ڈور کھلا اور برہان کے ساتھ دھڑک دھڑک بڑے پر اعتماد انداز سے اندر قدم رکھا۔  
 ”لو آگے برہان۔۔۔!!!“ منائل کے دلہانہ پُر جوش انداز پر ہادی نے سراٹھا کر تبس بھرے انداز سے سامنے دیکھا۔

اپنے سامنے میر برہان اور در شہوار کو دیکھ کر اسے ایک دم شاک لگا اور اس کے قدم سست پڑ گئے۔ وہ صدمے بھرے انداز میں در شہوار کی طرف دیکھنے لگا جس کی آنکھوں میں محبت اور چاہت کا ایک جہان آباد تھا۔  
 ہادی کو بار بار کبھی دوبارہ زندہ ہوتا تو تب بھی اس بات پر یقین نہ کرتا کہ منائل جس شخص کی اتنی بے چینی اور بے تابی سے منتظر کی وہ میر ہاؤس کا کوئی فرد ہو سکتا ہے، لیکن حقیقت اس کے سامنے کھڑی اس کا چہرہ اچھا رہی تھی۔

☆☆

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

زندگی کیوں خراب کرتا جا رہے ہیں؟  
مکمل سے ہاتھ روک کر کہا۔

اماں نے ایک نظر باٹری میں گتے مسالے پر ڈالی اور پاس پڑے پانی کے برتن میں سے چند چمچینے مسالے میں ڈالے تو شہنشاہی آواز کے ساتھ خود آواز اٹھائی۔ مکمل منہ پر ہاتھ رکھ کر کھانے لگی۔

”کیا ہے اماں! جب سب کچھ خود کرتا ہوتا ہے تو مجھے کیوں آواز دیتی ہیں؟“

مکمل کو بہانہ چاہیے تھا، اس لیے فوراً وہاں سے اٹھ کر باہر چلنے والے آواز میں تیری پھپھو

”نہیں مکمل! تیرا آواز آج کل میں تیری پھپھو سے رشتے کی بات کرنے والا ہے اور تو ہے کہ۔۔۔!“

اماں، باپ کے کمرے کے لاڈ بھانجی کے دروازے پر آئی۔ ماما کو تیری پھپھو بہت اچھے مزاج کی عورت ہے مگر جج تو یہ کہ اپنی اولاد میں بھی ہوتے زیادہ دیر

نہیں ان کے لاڈ خُڑے بھی نہیں اٹھاتے جاتے۔ اور تو تو بہنوں کے جاتے کی، اس لیے کام نہ لے اب، نہیں تو سب نہیں گمے کے کھانوں میں کچھ کھاکر نہیں بیٹھتا ہے۔“

”مجھی پھپھو کہیں گی، مجھی لوگ کہیں گے! اماں میری زندگی کیا ان باتوں کے گرد ہی گھومتی رہے گی؟“

مجھے نہیں کہیں شادی وادی! اندکی رعبہ سے اور نہ کسی شہنشاہ سے اسے اچھے پس پڑتا ہے۔ جھیر مارا۔! وہ

پیسے کی دہی میں لڑکائی آتی ہیں تا! کتابیں ہاتھ میں پکڑے، بھرتی سے ”کاش“ کی سطر حیاں پڑھتی اور

ارتی ہوتی، نئے اور اچھے کپڑے پہنتی ہوئے، خوبصورت بال ہوا میں لہراتے ہوئے، کھٹکھٹائی

ہوتی، ہر گز سے آواز۔۔۔ اماں مجھے کیوں ایسی زندگی چاہتی ہے۔ اماں! کیا اس کی زندگی لمبا بہت مشکل ہے؟“

ہاتھی میں کٹی تیزی ڈالتے ہوئے اماں نے گردن موڑ کر کچن میں رہی چار پائی پریشی مکمل کو دیکھا

تھا دونوں ٹانگوں کو جملاتے، وہ چہرہ دونوں اچھیلیں

میں کھائے، اسے تصور میں کھوئی، وہ بہت معصوم لگ رہی تھی۔ اس لیے اماں کا دل چاہا کہ ان کے پاس کوئی

جادو کی چمچری ہوتی تو وہ اس کی ہر خواہش چمچیتے ہی پوری کرتیں مگر وہ سر جھپک کر اصرار سے رد جانے والے

کاموں کی طرف متوجہ ہوئیں۔ ”تجھے میں اسی لیے لگتی ہوتی ہوں۔ کتنی بار منع کیا ہے کہ زبردستی کمرہ ڈرا سے مجھے مت جایا کر!

خیرت کی چیز دیکھ کر کچھ کچھ تیرا دماغ خراب ہوتا ہے۔ زندگی آسان تو کسی کی بھی نہیں ہوتی۔“

اماں نے بیٹھ کر طرح اسے بھایا تو وہ سیدھی ہوتے ہوئے گہری سانس لے کر ہوئی۔

”مگر اماں! ہماری زندگی تو کچھ زیادہ ہی مشکل ہے! آج کل مشکل کمرے سے چھوٹے چھوٹے خراب،

اس چھوٹے اور کچھ کے کچن میں مٹی میں کس کمرہ کو مٹھتے ہیں۔ کتنا شوق تھا مجھے پڑنے کا مگر آٹھویں سے آٹھے

پڑھ ہی نہیں سکے۔“ مکمل کے چہرے پر گہری اداسی رقم تھی۔ اماں

کے دل کو کچھ وہ اس سے پہلے کہ اماں کچھ کہیں، لکڑی کا دروازہ، زبرد دار آواز کے ساتھ کھلا۔ اماں

اور کھلنے کے بعد دروازے کی طرف دیکھا۔ اماں تجھے ہوتے قدموں سے سائیکل اندر کر رہا تھا۔ اماں

نے سائیکل دیوار کے ساتھ کھڑی کی اور کچن میں بیٹھ مکمل کو دیکھ کر بے اختیار مسکرایا۔

”میرے بھولوں میں سے سب سے پیارا اور خوبصورت بھول سے میری بیٹی!“

ابانے پاس آ کر اس کے سر پر ہمت سے ہاتھ پھیرا اور دوسرے ہاتھ میں پکڑا شاہرہ اس کی طرف

بڑھایا۔ ”کیا لگتا ہے اماں؟“ مکمل ساری اداسی بھول

گرخس سے لٹانے کے اندر جھانکتی تھی۔ ”برائی! سفید برائی کے کچھ کھڑے دیکھ کر مکمل کا

چہرہ خوشی سے مکمل اٹھا۔ ”میری بیٹی کو بہت پسند ہے! آج کل آرام سے

چہرہ رکھا اور سن!“ اماں نے پاس آئی اماں کی طرف دیکھا۔

”ابھی اماں کو بالکل مت دینا، اس کے لیے زیادہ دیکھا چاہئیں۔“

اماں نے فرات سے کہا تو مکمل کھٹکھٹا کر ہنس پڑی جبکہ اماں حیرت سے دونوں باپ بیٹی کو دیکھ رہی تھیں۔

”کوہیلا میں نے کسے فرماؤں گی کہ کسی چیز کی۔“ اماں نے منہ بنا کر کہا اور بڑبڑاتے ہوئے

روٹی بنانے چلی گئیں۔ کل پڑ پڑ پڑتی، اماں کے پاس بیٹھی سارے دن کی روداد سن رہی تھی۔ کھانا پڑا اماں

سکراتی نظروں سے اپنی بھیل کو پچھلے ہوئے دیکھنے لگا۔

”اچھا! بس کرا! آجے! اماں کو سکون سے روٹی تو کھانے دے!“ اماں نے روٹی کی چٹخیر نکڑی کی نیز

پرکھی اور اسان لینے چلی گئیں۔ مکمل جلدی سے اٹھ کر پانی کا چمک اور گلاس

لے آئی۔ بیٹوں نے سکون سے کھانا کھایا اور اپنے رب کا شکریہ ادا کرتے ہوئے دسترخوان سے اٹھ گئے۔

”کل!“ اماں نے کھانے کا پانی چڑھا دے!“ اماں نے باورچی خانے کے بعد جاتے ضرور دیکھتے تھے۔ جواڑی کا

مکمل ہی بنا کر پیش کرتی تھی۔ جب تک گل جاتے بنا کر لائی،! اور اماں اس کی بحث میں مصروف ہو گئے تھے۔ مکمل کو کچھ کر دونوں چپ ہو گئے۔ مکمل اٹھ گئے

سامنے جانے کا کہ کچھ رکھ کر، برائی کا شاہرہ ہاتھ میں پکڑے واحد سارے دن کی باتیں کر کے ایک

اماں اور اماں نے برائے رسالے میں سے ایک میں آقا تھا۔ مکمل نے برائے رسالے میں سے ایک

کھائی بہت آرام سے پڑھ لیتی تھی۔ یہ رسالے بھی اسے زبردستی دے تھے۔ مکمل نے رضائی کھولی اور

اس میں کھس کر نیم دراز ہو کر کمرے سے برائی کھاتے زسارہ کھولی۔ کہاں بہت طویل بھی پاس کی

نہیں بہت تھی۔! چپ اماں سونے کے لیے کمرے میں آئیں تو

مکمل سوچتی ہی رہا اور پاس ہی رسالہ اور کھانا ہوا تھا۔ ”تج میں چپ ہے!“

اماں نے مسکراتے ہوئے بوسیدہ رسالہ اٹھا کر بہت احتیاط سے طاق پر رکھا تھا۔ وہ ان پڑھ عورت

یہ نہیں کہ اس کی کسی کراں پرانے، بوسیدہ رسالے میں کیا ہے؟ وہ صرف اتنا جانتی تھی کہ ان بوسیدہ اداسی کو

ہاتھ میں لیتے ہی، ان کی گل کے چہرے پر خوشی کے ان گنت رنگ پھیل جاتے تھے۔

☆ ☆ ☆

”میں گیارہ بجے تک رہ کر کچھوں کا! اب تک یہ گھر سے بنا جاتا۔ آج مجھے جلدی جانا ہے۔“ جج ہی راج

گاہک آنا شروع ہو جاتے ہیں۔“ قریبی مارکیٹ میں، دہی بھولوں کی مشہور دکان کے سامنے، اماں

بھولوں کا کھانا لگانا تھا۔ ”روز کے اتنے بھول تک جاتے تھے کہ ان کی دال روٹی عزت کے ساتھ مکمل

رہی تھی! اماں اور اماں نے ساری زندگی خواہشوں کے بجائے، ضرورتوں کو پورا کرنے میں لڑائی لگائی۔ یہ

سبھی دھکی دھکی پڑھا لے کر خوش کرتے تھے مگر انسان پڑھ تو کسی سے بھی لیتا ہے مگر سب سے

نہیں سمجھتا ہے! یہی اس کی گل کے ساتھ تھا۔ وہ صدفی یا پتھر میں تو نہیں مگر کتنی جاتی، سانس لیتی لڑی ضرور

تھی۔ جواڑی آٹھویں میں نو عمری کے سب خواب جانے کا راجہ تھی۔

”مکمل! آج دیکھ کر بنا گیا کہ یہ ہے؟“ گلاب کے بھولوں کے انگ سے بیٹن کے اوروں سے بچے بھولوں

کے! انگ سے! ان کو ملا دیوں، یہ ہے؟ ایک تو پہلی سے اسے کام کرنے والے پڑے ہوئے ہیں۔ اوپر سے

اس لڑکی کی حرکتیں! چھوڑو میں خود کروں گی!“ اماں نے ہنسنے کے سامنے سے دونوں

نوکریاں اٹھائی تھیں۔ ”کیا ہے اماں! ہر بات پر پابندی کیوں لگاتی

☆ ☆ ☆



چیں! ابی میرا دل کرتا ہے کہ دونوں پھولوں کو ملا کر  
 بکھرے بٹاں! بلکہ ڈھیر سارے پھولوں کو ملا دوں۔  
 ایک دوسرے میں اس طرح ملاؤں کہ سب کی سرکاریک  
 یا پھول ہی جا جائیں! ڈھیر سارے دھوکے کا  
 مختلف خوشبوؤں میں بسا ایک پھول  
 اماں آپ کو پتا ہے کہ دنیا میں اتنے ڈھیر سارے  
 مختلف رنگوں کے پھول ہیں اور۔۔۔!!  
 گل نے اپنے دونوں بازو پھیلائے تو بولے گیا۔  
 ”تجھے بھی پتا! اہاں ضرور اس زردین کے گھر  
 چھوٹے سے ڈبے میں دیکھا ہوگا! تیرا وہاں جا بند  
 کرنا ہی پڑے گا۔“  
 اس سے پہلے کہ گل کو جواب دینی، اہلی آواز  
 میں سلام کرتا کہ آگے بڑھا۔ اس پھول نے سٹلے  
 میں منہ کی وقت، دروازے بند کرنے کا دروازہ بہت کم  
 تھا۔ چند لمحوں پر دیکھ کر گل کے منہ کے آواز بہت  
 تیز کی سے بڑے تھے۔ اس کے چہرے کی مسکراہٹ بتا  
 رہی تھی کہ وہ دل کی باتیں سن چکا ہے۔  
 ”آؤ چنا! ابھی مجھے تیار ہو جاتے ہیں! گل  
 چائے کا پانی رکھا۔“  
 اماں کو متوقع راما د کا سوچ کر آؤ بھگت کی پرچی  
 تھی۔ گل پاؤں پھینکتی گونے میں بیٹے چھوٹے سے  
 بار پچی خانے میں چلی گئی۔ راتر اماں کی باتوں کے  
 جواب دیتا تھا مگر بے پناہ تھے۔ گل کہتا تھا۔  
 ”اماں! جانے انہی بادی تو اب کی جانے کے  
 لیے نہیں بیچے گی۔“  
 گل نے بار پچی خانے سے جھانک کر کہا۔  
 اماں کا دل کیا اس پرچی جوتی اٹھا کر اسے مار دیں مگر  
 اپنے چہرے کے تاثرات پر قابو پا جاتے ہوئے آرام  
 سے بولیں۔  
 ”جی! کالافاؤن کے کدے میں بھی رکھا ہوا ہے۔  
 تو خرم تر کر۔ جلدی سے چائے بنا کے سلے۔“  
 اماں نے بار پچی خانے کی طرف منہ کر کے کہا۔  
 ان کی کرسی چھٹی کر کے انھوں نے تھکدو ڈائننگ ٹیک

تھی۔ میں نے کچھ دیر پہلے ہی تو ہنسی کیا ہے۔“ راجہ  
 نے نرمی سے منہ کیا۔  
 ”میں جانا! اس میں کلف والی کتاب ہے! میں  
 نے سوچا اس لڑکی کو کہا تو اس کے سوال پوچھے ہوئے  
 تک تمہاری جانے ہی ختم ہو جاتی! اس لیے خود ہی  
 ذمہ لے کر لی!“  
 اماں نے چلے جانے میں کہا تو راجہ بے  
 ساختہ کھٹکھٹا کر اس پر اڑا۔ گل پڑ کر بولی۔  
 ”اماں میں زردین کے گھر جا رہی ہوں۔ گل  
 کہتے ہوئے اندر کدے کی طرف چادر لٹے چلی گئی۔  
 ”ایک تو اس کی یہ نیکی زردین! اس کی دن اسے  
 بھی پیدا کرنا پڑے گا۔ سب بچیاں وہی پڑ جاتی  
 ہے۔“  
 اماں کا حراج آج کر تھا۔ راجہ نے چائے نعم  
 کی۔ تب تک کچرے بھی بن گئے تھے۔ راجہ نے  
 اجازت لی۔  
 ”راجہ بیٹا! گل کو بھی زردین کے گھر بھجوا دیتا۔  
 اس وقت گل کی میں آوارہ لوگوں کا رخ چاہتا ہے۔  
 اہلی لڑکی کا جانا اچھا نہیں لگتا۔“  
 اماں نے کہا تو گل پکڑ کر بولی۔  
 ”خود خور چلی جاؤ گی! ایک گلی بھڑ کر تو  
 زردین کا گھر ہے۔“  
 ”تو راجہ کے ساتھ نہیں جانا تو اندر جا کر بیٹھ جا۔  
 آج میرا بیٹا ہے تو بہت بات کرنی ہوں۔ بہت سر  
 چڑھ گی ہے تو۔۔۔!“  
 اماں نے پاس پرچی جوتی کی طرف ہاتھ  
 بڑھایا۔ چند لمحہ رکھ کر فوراً گلے دروازے سے باہر  
 نکل گئی۔ اس پر راجہ کے سامنے اماں کی ہوا لی چٹل  
 کھائی رہ گیا، کچھ لگتی۔  
 وہ تیز تیز قدم اٹھاتی چلی رہی تھی، جب پاس  
 آ کر راجہ نے پاس کی کھینچ جانی۔ گل نے رگے  
 میں ہر دھڑکتی نظر سے گھورا۔  
 ”ماں! جان کیوں تک کرتی ہو؟“ راجہ نے  
 پوچھا۔

”میری مرضی! میری اماں ہیں۔ میں جو چاہے  
 کروں!“  
 اہلی نے تک کر جواب دیا۔ راجہ زبردست مسکرایا۔  
 ”میں میرا آؤ چائیں لگتا گیا؟“ راجہ نے  
 ہلکی آواز میں پوچھا۔  
 ”بچیاں لگتا۔ پھر؟“ گل کا اندازہ روکھا تھا۔ وہ  
 زردین کے گھر پہنچ چکے تھے۔  
 ”مگر تجھے تو اچھا لگتا ہے!“ راجہ کی مسکراہٹ پر  
 گل چپ ہو گئی۔ وہ رک گئی اور کمر پر ایک ہاتھ رکھا اور  
 بولی۔  
 ”جہیں کیوں اچھا لگتا ہے؟“ وہ چار حاندہ  
 تیار وہ اس کے ساتھ اسے گھورنے لگی۔  
 ”میری مرضی!“ راجہ نے شرارت سے کہا اور ہنسی  
 بناتا ہوا تیزی سے گل کے گلے گیا۔  
 ”آج تو تجھے گھرے راجہ صاحب! اس کی دن باقی  
 تھا کہ راجہ کیسے! پھر بتاؤں گی!“ گل چچ داب کھائی  
 گلے دروازے سے اندر داخل ہو گئی۔  
 ☆ ☆ ☆  
 ”آپ ہنس رہے ہیں؟“ اماں نے حیرت  
 سے منہ پر ہاتھ رکھ کر لیا دیکھا۔ جن کی آنکھیں  
 مسلسل ہنسنے سے جھجک رہی تھیں۔  
 ”گل کے! اب! ہر بات میں مذاق میں مت اڑا  
 دیا کریں! اہلی لڑکی کو بلا کر! ابھی طرح زائیں اور  
 اس کی عقل ٹھکانے لائیں۔ گل کو گلے گھر جا کر کیا  
 کرے گی؟“  
 اماں جب کو بولیں تو اماں نے ہاتھ اٹھا کر انھیں  
 روک دیا اور گل کو آواز دی۔ ”بی جان! سرے کے چھوٹے  
 سے گھر میں ان کی آواز کو کئی تو گل چھوٹے چھوٹے  
 قدم اٹھاتی کرے سے باہر نکلی۔  
 آج اماں نے اس کی ٹھیک ٹھاکہ کا سہی لگی تھی۔  
 اس لیے اس کا منہ بڑا ہوا اور انھیں میں دہلی میں۔  
 ”ارے میری گل کو کیا ہوا؟ کیا تم زردین  
 چھین؟“ اسے اسے بھول بھول کر اس کی آنکھوں کی کئی  
 پڑاؤں اٹھا۔ اماں نے سر پر ہاتھ مارا۔

”سمجھایا آپ نے اور ابھی آپ کی لاڈلی!“  
اماں بڑبڑاتے ہوئے وہاں سے اٹھ گئیں۔ گل  
لپ کے اردو سے گل کے بیٹھی اور اماں کے کان میں  
کھسکھس کر نہ لگھا۔

”ابھی پوچھتا ہوں تمہاری اماں سے۔۔۔!“ ابا  
نے کہا تو گل نے فحشہ راسر ملا کر کھنکھایا۔  
”کیا پوچھتا ہے؟ پوچھیں! آپ بیٹی کو کوئی  
حسرت نہ ہے؟“ اماں نے بھاپ اڑائی چائے کا  
کپ ابا کو پکڑایا تو وہ کھڑکڑا کر رہ گئے۔

”وہ میں کہہ رہا تھا کہ چائے اتنی دیر سے کیوں  
لائی ہو؟ کوئی کافو ڈھکن سے کرا لیا کرو۔ ہر بس  
وقت میری بیٹکے کیچھے پڑی ہوتی ہو!“  
ابا نے لہجہ کا مربہ بنایا تو اماں کے ساتھ  
ساتھ کھانے بھی ہے ساتھ ہی پڑی۔ اماں دونوں کو ہنستا  
دیکھ کر ابا کے چہرے پر کھنکھاہٹ پھیل گئی۔  
”بس اتنی سی بات کی! بلا وجہ ہی ڈانٹ  
کر میری بیٹی کا دل خراب کیا۔“

ابا نے پیار بھری نگاہوں سے گل کے مسکراتے  
ہوئے چہرے کی طرف دیکھا۔  
”گل کے ابا! مجھے کب اسے کچھ کہنا اچھا لگتا  
ہے مگر۔۔۔“

اماں بات اور دھوری چودھڑ کر دھوکہ سے ملتی تھیں۔  
گل ابا کو زور سے گلے گھر میں دیکھے نئے ڈرائے کی  
تفصیل سناتے تھی۔  
”میں اپنی بیٹی کے لیے بی۔وی ضرور خریدوں  
گا۔“

اس کی ششیاں بھری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے  
ابا نے ہر بار کی طرح خود سے بھدکایا تھا۔  
مگر غربت کی سمیت تلے، خواہشیں نہیں،  
صرف ضرورتیں پر ادا نہ ہوتی ہیں۔

☆ ☆ ☆  
”دیکھ ساجو! کسی بات کی فکر کرنے کی  
ضرورت نہیں ہے! گل کو میں پوچھیں بیٹی باکرے کے  
جاؤں کی بنا کہ وہاں سے پاس وہ پیسہ بیٹھیں ہے مگر

تجھے غلوں اور بھیت میں بھی کی نہیں ملے گی! ابا! نو  
جلدی سے ہاں کر دے!“  
گلٹوم پھونچ رہی تھا اسی کے ڈبے کے ساتھ  
پہنچ گئی تھیں۔ راجہ اور شمسہ بھی ان کے ساتھ تھے۔  
شمسہ تو گل کے پاس کمرے میں چلی گئی تھی۔ ان  
دونوں کی عمروں میں زیادہ فرق نہیں تھا۔ اس لیے  
دو بیٹی بھی بہت بھی لگی۔ جگہ جگہ ان کے آگے پڑ پڑاں  
رہتے تھے خلاف بولی تھی، اب شمسہ کی ذہنی باتیں  
میں گھر اور بی۔وی۔ بیٹی کا دل فغانا کر کے لیے تھیں۔  
وہ چھٹی کے دن بھی پھول فروخت کرتے تھے۔ وہ کام  
پر جانے لگے تو راجہ بھی ان کے ساتھ چلا گیا۔ اماں کے  
جانے کے بعد گل اور شمسہ بھی باہر نکل گئیں۔ گلٹوم  
پھونچنے سے سارا دل ان کی گزرا۔ ان کا رویہ بھی  
کے مطابق تھا۔ گل کی بھتیجی ادا تھا کہ لہانے کیا  
جواب دیا ہے۔ ابا نے اوپر سے کھانے کی غاس  
دایت کی تھی اور جاتے ہوئے اماں کو ساں خرید کر  
دے گئے۔ گلٹوم پھونچنے بہت متحیا کر رہا کہ وہ کھانے تک  
نہیں دیکھیں کی کر ابا بھدہ رہے کہ کھانا کھائے بغیر نہیں  
جائے دیں گے۔ وہ دہرے کھانے پر اماں نے گلٹوم  
پھونچنے کے اعزاز میں مرچی کا ساں پکایا اور ساتھ ہی سوخی  
کا ملوہ دوپٹے کے کھانے پر لبا اور راجہ بھی آگئے۔  
پھونچنے سے گلٹوم بیٹھے دھڑخان پر، بھت اور دونوں  
کی غاسیں کھانا کھایا گیا۔ کھانے کے بعد گل کے بعد  
جائے گا اور گلٹوم پھونچ پھر آنے کے وعدے پر  
بلی نہیں۔ ان کے جانے کے بعد، اماں نے گل کو پاں  
بلا یا گل سمجھتے ہوئے ان کے پاس آکر بیٹھ گئی۔  
”گل بیٹی! تم جانتی ہو کہ تمہاری چھوٹی سوس  
مستعد سے آج کی ہیں۔ میں چاہتا ہوں اپنی بہن کے  
نام اور مہر دے پر تمہاری قسمت کا فیصلہ سنا دتا مگر گل  
تم مجھے بہت عزیز ہو۔ تمہاری اماں اور میں دل و جان  
سے اس رشتے کے لیے راضی ہیں کیونکہ ہم خیر میں  
کے گھر اس سے بہتر کوئی اور رشتہ نہیں آئے گا مگر  
تمہاری مرچی جانے بغیر میں ہاں نہیں کر سکتا۔ تم  
کیا کہتی ہو بیٹی!“

ابا نے امید میرے لیے میں پوچھا تھا جبکہ اماں  
پریشان نظر دے اس کے بچکے ہوئے سر کی طرف  
دیکھ رہی تھیں۔ وہ باپ کی لاڈلی بیٹی تھی۔ اماں کے  
سامنے وہ ہر بار اس رشتے سے متحیا کر رہی تھی۔ اس  
لیے وہ دل ہی دل میں دعا کرتے تھیں کہ گل کو بیٹی  
دو بیٹی نہ کرے۔  
”ابا!“ بھدہ کے بعد گل نے سراٹھا کر باپ  
کے چہرے کی طرف دیکھا۔  
”جن کی آنکھوں میں امید مگر چہرے پر ناامیدی  
کے سائے لہا رہے تھے۔“  
”مجھے آپ کو لوگوں کی محبت پر بھی کوئی شک نہیں  
رہا ہے۔ آپ کا فیصلہ سنا کر انکھوں پر“  
گل نے عداوت مند سی کہتا ہوا نے اس کی  
روشن چشماں پر بوسہ دیا۔ اماں بھی دوپٹے کے پلو سے  
بجلی آنکھیں صاف کر لی ہوئی آگے بڑھیں اور گل کو خود  
سے نکالیا۔  
”میں اپنی بیٹی کو نادان سمجھتی رہی مگر میری بیٹی  
بہت تیز دیر ہے۔“

اماں کے کہنے پر مگر سردی۔ اماں اور ابا کو  
باتوں میں مل کر دیکھ کر ابا نے اٹھ گئی۔  
آج ابا کے دیئے اعتماد اور یقین نے ابا سے  
وہ فیصلہ کر دیا تھا جو عام حالات میں، وہ شاید ہی نہ  
کر سکتی۔

آج سے اس بات کا اندازہ بخوبی ہوا تھا کہ  
زندگی بڑی بڑی باتوں با مگر دس میں نہیں جیتی۔  
بلکہ زندگی بہت چھوٹی چھوٹی باتوں میں سانس لیتی  
ہے! اس نے اپنے چھوٹے سے، غربت کے  
درد و بار سے بے گھر میں خود کو پور سے قد سے دیکھا  
اور محسوس کیا تھا۔

☆ ☆ ☆  
گلٹوم پھونچنے کے گھر کے حالات کچھ بہتر ضرور تھے  
مگر وہاں بھی خواہشوں سے زیادہ ضرورتوں کو پہلے پورا  
کیا جاتا تھا۔ سادگی سے بیاہ کر گل اس آگ میں نہیں غرق  
ہو کر نہ گئی تھی۔ اس کی آنکھ نے سارے گھر میں روشنی

پھیلا دی تھی۔ وہ گلٹوم پھونچ کر لاڈلی تو تھی، راجہ کی  
بھی گلٹوم تھا اور شمسہ سے بھی اس کی خوب تھی۔  
شادی کو تین مہینے گزر گئے۔ گل گھر کے کاموں میں ہاتھ  
بٹانے لگی۔ وہ تینوں مل کر کام کر لیتی تھیں اس لیے  
کسی ایک پر بوجھ نہیں پڑتا تھا۔ راجہ اس کی بہت سے  
خواہشات سے واقف تھا۔ اس لیے انھیں پوری کرنے  
کی تک وہ دس دن کا ہوتا۔ اس نے شادی سے پہلے ایک  
برائے سال ہی بھی گئی کے لیے خریدے تھا۔ وہ جانا تھا کہ  
گل کو ڈرا سے دیکھنے کا بہت شوق ہے۔ اب گل اور شمسہ  
فرات پاتے ہی ان دی کے آگے بیٹھ جاتیں۔ اکثر  
گلٹوم پھونچ کر اماں کا ساتھ دیکر مگر جلد ہی اس کی کٹے  
کے دورے پر نکل جاتیں کہ وہ جو گھر گھر کھوتے اور  
باتیں کرنے میں تھا، وہ ایک جگہ بیٹھ کر چھوٹے سے  
ڈبے کو بیٹھنے میں نہیں تھا۔

سردی کی شدت میں اضافہ ہو گیا تھا۔ دھند میں  
ڈوبی راتیں اور خمیں سردیوں کا حسن تھیں۔ ان  
دلوں راجہ بہت دیر سے گھر آئے لگتا۔ وہ بھتا تھا کہ  
شادیوں کا سہنل ہے۔ اس لیے چھوٹیوں کی فروخت  
بہت بڑھ گئی تھی۔ راجہ کی خواہش تھی کہ وہ تھوڑے  
چھوٹے گھر میں مارکیٹ میں چھوٹی سی ایک دکان  
کرائے پر لے لے۔ تاکہ وہ اپنے کام کو خیر پرتی  
دے سکے۔

”ای میری جینٹ ٹھیک کر دی تھی؟“ معج  
ناشتے کے بعد راجہ نے ہاتھ جو کر تو لیے سے پوچھتے  
ہوئے اس سے پوچھا۔  
”جی ہاں! عمارتے سات سال پرانی جینٹ ہے۔  
کب تک ساتھ دے گی؟ جگہ جگہ تو تانے لگا دیئے  
ہیں۔ ایسا کر لٹھ سے تھی جینٹ خرید لے!“  
گلٹوم نے بیٹے سے کہا تو وہ پر سوچ انداز میں  
سر ہلا کر رہ گیا۔

”ای ابا میری راتوں سے پوچھنا کہ کیا لایا ہے؟  
دکان پر جانے سے پہلے دکھا دیں۔ میں کچھ پیسے  
بچا کر جینٹ لے لوں گا۔“  
”ہاں ٹھیک ہے۔ آج باتوں جانے راتوں کی طرف

اس کے پاس ہوئی تو کبھی نہیں کرے گی! چھوٹا بھائی کہتی ہے تجھے؟“

کلاٹوم کے کہنے پر دلبر ہلاتے ہوئے، جیکٹ پہنے لگا اور پھر کام پر چلا گیا۔ سب کاموں سے فارغ ہو کر کلاٹوم پیچھو، مکمل اور شمر کو بھی اپنے ساتھ لے گئیں۔ رانو کا شوہر لائڈ سے مال لاکر فروخت کرتا تھا۔ بہت مناسب دالوں میں چیزیں مل جاتی تھیں۔ رانو انھیں دیکھ کر بہت خوش ہوئی۔

”اچھا! خالہ! آپ آگئیں! ابھی مال دکان پر نہیں گیا ہے۔ آپ دیکھ لیں۔ اس بار کچھ بہت خاص چیزیں بھی آئی ہوں گی۔“ رانو نے خوش دلی سے کہا اور انھیں کوٹے میں بنے پھونسے کے کمرے میں لے گیا۔

”شام کو دلبر آئے گا تو اپنی پسند کے مطابق دیکھ لے گا۔ مجھے تو سب بہت اچھی لگ رہی ہیں!“ کلاٹوم پیچھو نے مصمویت سے کہا تو رانو ہنس پڑی۔ شمر نے اپنے لیے ایک سوئچ پسند کر لیا۔ کلاٹوم پیچھو نے گل سے بھی کہا کہ وہ اپنے لیے سوئچ پسند کر لے۔ گل کی نظر میں چیز رانگو ہوئی تھی لیکن وہ کلاٹوم پیچھو کے بس کی بات نہیں تھی۔ اس لیے اس نے نفی میں سر ہلایا۔

”اگر سے بچی اور کچھ تو سی! کتنے پیارے رنگ کے سوئچ ہیں!“ کلاٹوم پیچھو نے اصرار کیا مگر گل دیر سے مسکرا دی۔

”ابھی بار بار بیکوں کی پیچھو!“ ”اچھا! پیچھے تیری مرضی!“ کلاٹوم پیچھو رانو سے باتیں کرتے ہوئے کمرے سے باہر نکل گئیں۔ ”یکوٹ کیا ہے گل؟“ اچانک شمر نے لال رنگ کا بہت خوبصورت سا لیڈر پر غوث اٹھا کر اس کی آنکھوں کے سامنے ٹھہرا تو گل چونک گئی۔

”اچھا ہے۔ کیوں؟“ گل نے حیرت سے پوچھا۔

”یہ کوٹ بالکل دیا ہی ہے جیسا اس دن

ڈرامے میں لڑائی نے پہنا ہوا تھا!“ شمر نے کوٹ خود سے لگاتے ہوئے کہا۔

”اچھا! ہوگا ابھی نہیں یاد!“ گل لاروائی سے کہتے ہوئے کمرے سے باہر نکل گئی۔ رات کو دلبر مگر آیا تو کلاٹوم نے اسے ساری بات تفصیل سے بتاتے ہوئے کل رانو کے کمرے پر کھڑک لگنے کا کہا۔ ”اچھا! اسی صبح چلا جاؤں گا۔ گل نے کیوں سوئچ پسند نہیں کیا؟ اس کے پاس تو کوئی اچھا سوئچ ہے بھی نہیں؟“

دلبر نے فکر بندی سے کہا تو کلاٹوم ہلا کر رہ گئی۔ ”بہت کہا تھا مگر اسے کچھ پسند ہی نہیں آیا۔ کہہ رہی تھی کہ لڑائی یاد کر کے کی اجازت مل آئے گا۔“ ”مگر میری سرحدی بہت بڑھ گئی ہے۔ لاروائی خود ہی لے آؤں گا اس کے لیے!“ دلبر نے مسئلے کا حل نکالا تھا۔

”جن کے پاس پیسہ ہوتا ہے وہ زندگی میں خوش رہنے کے کتنے طریقے وضوح پاتے ہیں! اب دیکھو! میں نے آکھ چکے ہیں اپنے باپ کو پھول فروخت کرتے دیکھا۔ مگر کئی حیرت کی بات ہے کہ وہ پھول صرف پیسے والوں کے لیے ہی تھے۔ ان پھولوں کی خوشبو، صرف ان کا قحط تھا جو اسے خرید سکتے تھے۔ ہم نے بھی کئی خوشی یا غم میں بھی ان پھولوں کو استعمال نہیں کیا۔ ہاں میری شادی پر پھولوں کا بیڑہ ضرور دیر امتداد دیا تھا۔ دیکھو!“

گل نے نفی۔ وہی کی طرف اشارہ کیا۔ جہاں اسکرین پر کلاٹوم نے سال کے آغاز پر لڑائی کو سرخ گلاب چیں کر رہا تھا۔ دلبر نے باہر سے گزرتے ہوئے ایک لمبے کوک کر اسکرین کی طرف دیکھا اور پھر گل کے چہرے کی طرف، جہاں خواہشوں کے کتنے ہی چراغ، حسرت کا چراغ چھوڑے تھے۔ اس کے دل میں ایک کانٹا چھپا تھا۔ اپنی نین میں کی شادی شروع زندگی میں پہلی بار شہادت سے یہ احساس ہوا تھا کہ گل خوش نہیں ہے!

”میں نے بھی یہ جاننے کی کوشش ہی نہیں کی

مگر اس کی خوشی کس میں ہے؟ یا شاید میری اتنی اصرار تھی نہیں کہ میں اس کی کوئی خواہش بھی پوری کر لوں۔“

دلبر نے دل گرفتہ ہو کر سوچا۔ اس کے دل پر چھائی باہمی کا غبار، وجود پر خاموشی، جن کر چھایا کہ اس کی محبت کی روشنی میں جھلکائی گل، ایک دم پریشان ہو کر رہ گئی۔ دلبر۔ اس نے کوئی بات کر رہا تھا اور وہ اس سے نظر ملارہا تھا۔ گل کو ایسا کچھ جیسے سہرا کا نکات میں سے آوازیں سننے ہوئی ہوں۔ ابھی تو اس کا سن محبت کی چھائیوں میں گھلا تھا! ابھی تو اس نے محبت کا ڈاکٹھ چکھا تھا اور اچانک ہی اس سے سب کچھ چھین لیا گیا۔ وہ دلبر کی خاموش آنکھوں میں، بڑتی محبت و حوصلہ کی، اس کے سنے ہوئے یوں ہے، محبت میں ڈوبی مسکراہٹ کی خمی کر ن تلاش کرتے ہوئے تنک کر رہ پڑی۔

”کیا غریب کے سرد آنگھن میں، محبت کی دھجپ بھی نہیں اترتی ہے؟“ گل کے خاموش آنسو رخسار پر نہیں، دل پر گر رہے تھے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆  
”اوی! خرپے کے علاوہ یہ پیسے کیوں رکھ لیں!“ دلبر نے ہاں سے کہا تو پیسے اچھ میں سے کر وہ منے لگئیں۔ جھپٹتی ہی ہلوں سے جیکٹ خریدنے کے لیے وہ خرپے میں سے کچھ پیسے نکال کر ماں کے پاس بھیج کر رادر ہوا تھا۔

”اتھ سو گئے ہیں دلبر! اس سو روپیہ اور مل جائے تو میں تیرے لیے روپے کے پاس رکھوا لی جیکٹ آج ہی لے آؤں گی۔“ کلاٹوم نے پرچوں لیے میں کہا۔ تو دلبر نے دلی سے سر ہلا کر وہ گیا۔ حالانکہ اس کے اپنے لیے وہ جیکٹ خود پسند کی تھی۔ کالی عمر سے اسے اس کی ہی جیکٹ کی تلاش تھی۔ اب اس کی بھی قحط آئے والی تھی تو اس کی خوشی نہیں ہو رہی تھی۔

”اے آج مجھے دوا سی میں دیر ہو جائے گی آج

کالی کا دن ہے! اپنا سال شروع ہونے والا ہے نا! پھولوں کی مانگ بہت بڑھ جائی ہے۔ بانی پیسے میں آپ کورات تک دے دوں گا۔“

دلبر نے کہا تو کلاٹوم کچھ سوچ کر بولیں۔ ”شمر نے ابھی رانو کے کمرے جانا ہے۔ اس نے کام سے بلوایا ہے۔ ایسا کر ڈی پیسے دے کر جیکٹ لے لیکن سو روپیہ ہی وہاں دے گا۔ وہ کل دے آؤں گی۔ کم از کم سو روپیہ سے تو بچے گا۔“

ای کے کہنے پر دلبر نے تھیں تھیں ماں مگر پھر ان کے لیے حد اصرار پر پیسے کے کر شمر کے ساتھ کھر سے نکل گیا۔

”پتا نہیں آج کل گل کو کیا ہو گیا ہے؟ نہ بات کرتی ہے، نہ دلی دیتی ہے! اب اس خاموشی سے کسی سوچ میں رہتی ہے، کیا آپ اسے لڑائی ہوئی ہے؟ شمر نے سوال کیا تو دلبر چونک کر کہیں میری لڑائی تو نہیں ہوئی اور سے وہ خوش بھی کیات رہی تو کیا ہے ہمارے گھر میں؟“

دلبر نے طنز سے کچھ بھی کہا۔ ”نہیں بھائی! ایسا نہیں ہے۔“ اس سے پہلے کر شمر کو بھی رانو کا گھر گیا۔ رانو ان دنوں کو کچھ کر بہت خوش ہوئی اور انھیں چھوٹے سے کمرے میں لے گئی۔

”بھائی! دلبر! یہ پکڑا دینی جیکٹ! پیسے جب بھی آئیں گے، جب دے دیا وہ اماں پر دینا کا ہوتا آیا تھا۔ دوہ تو اس جیکٹ کے پیچھے پر ڈھکیا۔ بہت مشکل سے نکالا ہے۔“

اس سے پہلے کہ دلبر کچھ کہتا، رانو نے جیکٹ اسے پکڑا دی۔ دلبر نے جیب سے پیسے نکال کر اس کی طرف بڑھا۔

”رانو! باہمی! ایک سو روپیہ کم ہے۔ دوہ آج رات تک دے جاؤں گا۔ بہت شرمیہ!“ دلبر کے کہنے پر رانو نے مسکرا کر پیسے تمام لیے۔ ”اچھا! چلن ہوں! آگسٹ رات ہونے سے پہلے گھر واپس چل جائی گا۔“

رہنے پر جاتے ہوئے ہدایت کی۔  
 ”یہ فکر رہو بھائی! اسنے کے ساتھ میں خود  
 جاؤں گی اسے مگر چھوڑنے“ رانو نے کہا تو راجہ نے  
 اثبات میں سر ہلایا۔  
 ”یہ کوٹ ابھی تک اپنی نہیں رانو بائی؟“ شمس  
 نے سرخ رنگ کا کوٹ ہاتھ میں پکڑتے ہوئے  
 سوال کیا۔  
 ”نہیں یعنی! پہلے خالد سرین نے اپنی بیٹی کے  
 جینز کے لیے یہ کوٹ پسند کیا تھا۔ اسنے دن بھر ہاؤر  
 اب پہنی تھی کہ نہیں چاہیے! اسنے کہنا کہہ رہے تھے  
 کہ کل کان پر لے جائیں گے! یاد تو ہوا میں ہاتھ سے  
 جائے گا۔ کیا پتہ دارا جو ہے!“ رانو بائی نے مسکراتے  
 ہوئے کہا۔

”میارا ہے تب ہی تو ہماری گل کو بہت پسند آیا  
 تھا۔ اس دن ہاؤر بارکوت کو کچھ دے دی تھی مگر اسی کے  
 سامنے چھپ رہی۔“  
 شمس کے کہنے پر دروازے کے پاس پہنچے راجہ  
 نے مڑ کر دیکھا۔ وہ دہائی دونوں سے اسی سوچ میں گم تھا  
 کہ گل کی خوشی کس میں ہے اور آج اسے وہ خوشی اس  
 لال رنگ کے کوٹ میں پہنی ہوئی نظر آتی تھی! اس  
 نے اپنی بیٹی پرانی جینٹ کی جیب میں ہاتھ ڈالا۔  
 اس کی جیب میں چند پتے تھے سرخ کردہ چند پتے بھی  
 خوشی خریدنے کے! اسے اتنا اعتماد نہیں کرتے تھے۔  
 ”کاش اس کی خوشی کے لیے اتنا بھی نہیں کر سکتا؟“  
 اس کا دل جاتا تھا کہ یہ ”اتنا“ قطعی بڑی قربانی  
 مانگا ہے۔ بھگتے تھے گئے۔ اسے اپنی ضرورت اور  
 محبوب کی خوشی میں سے ایک چوڑی چوڑی تھا۔  
 اور اس نے محبوب کی خوشی کو چھین لیا۔  
 ☆ ☆ ☆

گل باہر سے آئے شو روکن رہی تھی۔ کچھ من  
 چلے سے سال کا آغا ڈگانے، بھانے اور آتش بازی  
 سے کر رہے تھے۔ شمس اور کلثوم پچھو سونے کے لیے  
 اپنے کمرے میں جا چکی تھیں۔ راجہ گل کے انتظار میں  
 اندر باہر کے چکر لگا رہی تھی۔ شدید دھند اور ٹھنڈی

اس کے ہاتھ پاؤں اس پر ہو رہے تھے۔ رات کے تقریباً  
 دو بجے دروازہ بجایا۔ گل نے کبھی ہی دستک پر دروازہ  
 کھولا دیا۔ راجہ نے سر دی سے ٹھٹھری کل کی طرف  
 دیکھا تھا۔  
 ”جیسے پرانی شال ہاؤر دھری گئی۔“  
 ”کھانا گرم کروں!“ گل نے اس کے پیچھے  
 پیچھے آتے ہوئے سوال کیا۔ راجہ نے کمرے میں آکر  
 ہاتھ میں بکڑا شاپر پیر پر کھا اور مڑ کر اس کی طرف  
 دیکھا۔

”نہیں؟ اس کا لہجہ سا تھا۔  
 ”کیوں؟“ گل نے پوچھا۔  
 ”بھوک نہیں ہے!“ راجہ نے منہ چھلا کر کہا۔  
 ”بھوک کیوں نہیں ہے؟“ گل بھی آج صند پر  
 اڑی ہوئی تھی۔  
 ”میں نے سوچا تھا کہ تم آؤ گے تو ساتھ کھانا  
 کھا سکتی تھیں مگر!“ گل منہ زور کر دہی۔ راجہ نے  
 چوک کر دیکھا۔

”تم نے میری وجہ سے کھانا نہیں کھایا!“  
 اس کے لہجے میں واضح حیرت تھی۔  
 ”نہیں بے خوف! تمہارے لیے نہیں کھایا!  
 مگر جسوں کو اس کی بات کی فکر ہی نہیں!“  
 گل نے چڑ کر کہا تو راجہ کے چہرے پر بے  
 ساختہ مسکراہٹ پھیل گئی۔ آج کتنے دنوں کے بعد  
 اسے لگا تھا کہ دل پر چھائے مایوسی کے ہادل چھٹ  
 رہے ہیں۔

”اچھا اور آؤ! دیکھو میں تمہارے لیے کیا لایا  
 ہوں!“ راجہ نے مسکراتے ہوئے تیز سے شاپر ہاتھ کر  
 اس کی طرف بڑھایا۔ گل نے جلدی سے قیام لیا۔  
 ”کیا لائے ہوا!“ گل نے شاپر کھولا اور اس  
 میں سے لال رنگ کی چیز باہر نکال لی۔

”یہ؟“ گل حیرت سے اسے ہاتھ میں لال  
 رنگ کے کوٹ کو دیکھنے لگی۔ جو اسے پہلی نظر میں ہی  
 بہت پسند آیا تھا۔  
 ”یہ تو بہت پرانے کا تھا۔ یاد ہے! اور سے لوسورہ کا!“  
 گل نے کوٹ کی غلامی پر ہاتھ جمیرا کر کہا۔

پہلی بار ہی خیالوں ہی خیالوں میں اس نے لال  
 رنگ کے اس کوٹ کو چھو کر دیکھا تھا، پہلی کر دوا کی  
 دھلی۔  
 ”اس کی قیمت تمہاری ایک مسکراہٹ ہے گل!“  
 میرے لیے یہ سودا زیادہ ہو گا کتنی تھا۔“  
 راجہ نے اطمینان سے کہا تو گل نے چوک کر اس  
 کی طرف دیکھا اور پھر اس کی بیٹی پرانی جینٹ کو!  
 ”راجہ۔۔۔!“ وہ سب سمجھ گئی۔ اس لیے اس  
 کی آنکھوں میں آنسو جھڑکتے۔

”ایک اور چیز بھی ہے میرے پاس!“ راجہ نے  
 کہا اور اپنے جینٹ کی زپ کھول کر ہاتھ اندر ڈالا۔  
 ”نیا سال مبارک ہو گل!“ راجہ نے سرخ  
 گلابوں کا چھوٹا سا گلہ تھیں اس کی طرف بڑھایا۔  
 ”کلی حیرت ہے دیکھنی ہی رہی۔“  
 ”مہینے بھی بہت شوق ہے نا! کر سبیائی۔ دی  
 پر دکھاتے ہیں، تمہاری زندگی بھی دیکھنی ہو! میں  
 چھوڑ زیادہ تو تمیں کر سکتا تمہاری خوشی کے لیے اتنا تو  
 کر ہی سکتا ہوں!“

راجہ نے سادگی سے کہا تو گل اس کے سامنے  
 ہاتھوں میں بٹنے پھولوں کو دیکھنی رہی۔ منی سے  
 اسنے پرانے چوڑی پر سارے دن کی محنت مشقت کی  
 کردہی ہوئی تھی۔ کتنی پرانی جینٹ پر جگہ جگہ گلی ہوئی  
 سلا سیلاں، بے درد ہوا کو روکنے میں ناکام رہی تھیں مگر  
 غربت اور تنگی میں بٹے ہوئے راجہ کو آج بھی اپنی  
 خوشی اور آرام سے زیادہ بھی کی فکر تھی۔  
 ”کیا کیا محبت، آنکھوں سے دیکھتے تھے کسی  
 بھی خواب میں بھی سوچتی تھی!“  
 گل کی زندگی میں یہ دوسرا خواب تھا۔

جب اس نے جانا تھا کہ خوشی اور محبت بڑی  
 بڑی باتوں یا کمزور نہیں نہیں سچ ہیں بلکہ اکثر بہت  
 چھوٹی چھوٹی باتوں اور کمزور میں سامنے لیتی ہیں۔  
 اور وہی اپنی تم ہوئی آنکھوں سے محبت کو  
 سامنے جسم کھڑا کر دیتی تھی۔  
 ☆ ☆ ☆

”ٹو نے اپنی جینٹ کے بدلے گل کے لیے  
 کوٹ لے لیا! جینٹ کے بغیر تو اس کا گزارہ ہو جاتا  
 مگر تو کیا کرے گا؟“ ٹھنڈے اور۔۔۔“

کلثوم نے ہاؤر جی خانے میں بڑی پریشانی سے گرم  
 گرم پراگھے سے انصاف کرتے راجہ سے پہلی آواز  
 میں کہا۔ دن کے دس بج چکے تھے۔ آج راجہ کو در  
 پے جانا تھا گل اور شمس کی کام سے باہر نکلی ہوئی  
 تھیں۔

”ای! پوچھ نہیں ہوتا! میں نے اسے آج تک  
 دیکھا ہی کیا ہے؟ یہ معمولی سی خوشی بھی نہیں دے سکتا تھا  
 کیا؟“

راجہ نے لاہورانی سے کہا اور ناشتہ ختم کر کے  
 اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔ کپڑے بدل کر وہ جینٹ لینے  
 کمرے میں آیا۔ اسی وقت گل کھر کے اندر داخل ہوئی  
 اور سیدھا کمرے سے باہر چلی۔  
 ”میری جینٹ کہاں کی؟“ راجہ نے چھونے سے  
 کمرے میں پہنچے سامان پر نظر دوڑاتے ہوئے کہا۔

ہوئی بھکس کا تیار کردہ  
**Herbal**  
**سوںی شیمپو**  
**SOHNI SHAMPOO**  
 اس کا استعمال سے چھوٹے میں گل خرم  
 کرتے ہوئے ہاؤں کو نکالتے ہے  
 ہاؤں کو نکالتا ہے چھوٹا چھوٹا ہے

قیمت 120/- روپے

ملازمے سے ملنا ہے ہاؤں کو نکالنے کے لیے  
 400/- روپے میں تمام 400/- روپے  
 اس سے ہاؤں کو نکالنے کے لیے ملازمین ہیں۔

بازار میں ایک سے ملنا ہے  
 ہائی ٹیک 53 گھر بہت کم قیمت پر ملنا ہے  
 انڈیا کے لیے

32216361 اور 37 دہلی اور کراچی۔

”اور میں پاگوں کی طرح تمہاری خاموشی کی وجہ سوچتی رہی! خود سے ابھرتی رہی! اور جب میں نے جانا کہ میرے لیے تمہاری محبت دنیا کی ہر چیز سے زیادہ قیمتی ہے!“

گل کے اعتراف نے راجہ کو آسمان پر پہنچا دیا۔ اس نے خوشی سے جیکٹ پہنی اس نے اپنی اتاناکو ایک طرف رکھ کر دیکھا تو اسے اس جیکٹ میں سے گل کے غلوں اور محبت کی مہک آ رہی تھی۔ گل نے اس کی فکر اور محبت میں اپنی خوشی کو قربان کیا اور راجہ کو ایسا لگ رہا تھا کہ جیسے وہ سج سج کا راجہ ہو۔ صرف ایک گل کی محبت اور ساتھ کی وجہ سے۔ آج اس کا دل محبت کی نعمت سے مالا مال تھا۔

”اچھا اسی میں جا رہا ہوں!“  
راجہ نے ناں کے پاس آ کر کہا تو کلثوم نے پہلے چہرے اور پھر مسکرائی ہوئی نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

راجہ گنگناٹا ہوا چلا گیا۔ کلثوم نے کمرے سے باہر نکلتے ہوئے کہا اور اس کے سر پر محبت سے ہاتھ پھیر کر بولی۔

”میری گل کا دل بھی اس کی طرح ہی اجلا ہے! اللہ تیرے دل کا آئینہ آباد رکھے!“  
”آمین“۔ گل نے زرب لب کہا اور مسکراتے ہوئے پلٹ گئی۔

”محبت کو زمین کے فاسلوں یا فیصلوں سے مطلب نہیں ہوتا، اسے رہنے کے لیے چھوٹا سا پر غلوں کا دل مطلوب ہوتا ہے اور جہاں اسے اپنی مطلب کی چیز ملے وہ فوراً میرا ڈال دیتی ہے!“  
ابن آدم کے سینے میں دھڑکتا سرخ دل گل ہے اور محبت اس کا ثبات میں گل فروش۔۔۔“

اب چاہے وہ دل، تنگ کی کے کونے میں ہے، چھوٹے سے کمرے میں رہنے والے ایک عام سے گل فروش کا ہو یا کسی گل فروش کے آئینے میں مسکاتی، سانس لیتی گل کا۔۔۔!!

”یہ پس!“ اسی وقت گل نے ہاتھ آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔ راجہ اس کے ہاتھ میں پڑی نئی جیکٹ دیکھ کر چونک گیا۔ اسے سب سمجھ میں آ گیا۔ گل کوٹ اوپن دے کر جیکٹ لے آئی تھی اس کے دل کا تکلیف پہنچی!

”تم!“ راجہ کو ایک دم ہی غصہ آ گیا کہ گل نے اس کے گچھے کی قدر نہیں کی تھی۔ وہ اپنے غصے کو ضبط کرتا رخ پھیر گیا۔

”گل تم نے میری غربت کا مذاق اڑایا ہے!“  
راجہ کا لہجہ اپنی بے بسی کے احساس سے پست تھا۔  
”نہیں راجہ! تم مجھے سمجھ نہیں سکے! میری اولین خواہش اور چاہت صرف تمہارا ساتھ اور تمہاری محبت ہے!“

گل نے دم مسم لہجے میں کہا تو اس کے منہ سے پہلی بار لفظ محبت سن کے راجہ خوشی سے اٹھ کھڑا ہوا۔  
”کیا سج!“ وہ ایک دم ہی پاٹ کر بولا۔ گل نے حیرت سے دیکھا۔ راجہ کو اپنی بے ساختگی کا احساس ہوا تو جھل ہو کر سر سمجھانے لگا۔ گل نے ساختہ نہیں پڑی۔

”بات صرف اتنی ہی ہے جناب!“ گل نے جیکٹ اس کے کندھے پر رکھتے ہوئے کہا۔  
”گل فروش کی بیٹی ہوں! اصلی اور خالص پھولوں کی قیمت بہت اچھی طرح سے جانتی ہوں اور میرا دل تسلیم کرتا ہے کہ۔۔۔“

”کیا؟“ راجہ نے پراسٹیا لہجے میں پوچھا۔  
”تمہاری محبت کی خوشبو بھی بہت اچھول اور خالص ہے، بالکل ان پھولوں کی طرح!“  
گل نے آگے بڑھ کر ہیز پر دھکے سرخ پھولوں کو چھوا دیا۔

”کیا سج میں گل! تم خوش ہو؟ پچھلے کئی دنوں سے میں اسی سوچ میں جلتا رہا کہ تم اس شادی سے خوش نہیں ہو۔ میں تمہاری کوئی خواہش پوری کرنے کے قابل نہیں!“ راجہ نے افسردگی سے کہا تو گل گہری سانس لے کر رہ گئی۔



مما کا فون آیا تھا۔ کتنی دیر سے وہ بات کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ وہ کچھ کہنے کا ذکر کر رہی تھیں۔ لیکن بحال ہے، جو کچھ کہیں آ جا ہوا۔ ایک تو یہ ہے اسکول سے آئے ہی لٹکا گویا جیل سے چھوٹ کر آئے ہوں اور ان کے پیچھے بلکان ہوئی ان کی دادی صاحبہ۔ لاکھ لاکھ تھا، رہنے دیں انہیں۔ دو چار چوشیں کھائیں تو خود ہی مفل آ جائے گی۔ مگر دادی کی محبت! عجیب نامقول خاتون ہیں۔ اسنے سے بچے نہیں سن رہے۔“

(پاپائے بھی شروع۔)

”ارے اسکول سے آئے ہو کے یہا سے بچے، انہیں کھانے کے لیے نہ بلاؤ؟“

ضائع کر رہی تھیں اپنی۔“

ای کے تو سر سے کئی بکوس پہنچی۔

”واہ واہ۔۔۔ کیا خوب تیکڑا موٹا ہے آپ نے“

شکر ہے آخری عمر میں بھوپنے کی محبت میں ہی سما یہ شور و فضا حاصل ہوا آپ کو۔ ورنہ جوانی گزارنی ہماری حب تو آپ کو کچھ نہ آئی۔ اب تک اپنے بچوں کی تربیت کا سار کر بیٹے اپنی اماں کو دیتے ہیں۔“

”تو کیا غلط کرتا ہوں۔ میری اماں ہی تکی رہتی تھیں شائق اور عثمان کے ساتھ۔ آپ کو تو بھی اپنے جمیلوں سے ہی فرحت نہ ملی۔“

”ہاں میرے تو شہر میں بڑک چل رہے تھے ناں جس کی آمد و رفت کی فکر میں ابھی رہتی تھی۔“ اماں نے

## نوزیہ فرخ

## عزروں کے سلسلوں میں

ای بھی غم خوں کرمیدان میں آگئیں۔

”بلائے کا یہ کیوں ساطریقہ ہے؟ یقیناً تو جہیں چہر نہیں گزرا۔“

اب روز کی گامگیر لڑائی شروع ہوا ہی چاہتی تھی۔ اس نے اٹھائی کا پیکار توڑنے کا ارادہ ترک کر کے ماکوئہ احاطہ کہہ کر فون آف کر دیا۔ اور بچوں کو باہر میں کرنے کے بہن شروع کر دیے۔ جب پیار اور ڈانٹ سے کام نہ چلا تو لگائے دو چہر۔ فوراً سیدھے ہو گئے۔ اور ڈانٹنگ ٹیبل پر چلے آئے۔

پاپائے فاحشہ نظروں سے اڑی کو دیکھا۔

”دیکھا تم نے۔ بات یہ ہے کہ مائیں ہی سداہر سکتی ہیں اپنے بچوں کو۔ تم خواہ خواہ میں توانائی

جل کر جواب دیا تو ماری کی ہنسی چھوٹ گئی۔ امی اپنی دھن میں بولتی ہی رہیں۔“

”ارے آپ کے کھر کو ہی جانے، سنوارنے کی فکر میں رہتی تھی۔ وہ بھی جب پہنچا پکی سے فرمت ملتی تھ۔ ایسا ہی ناگوار گزرتا تھا تو رکھ دیتے کوئی خانساں میں اسے بچوں کے ساتھ سارا وقت گزار لیتی۔ اسے بچوں کو وقت دینا بھلا کسے برا لگتا ہے؟ اور تربیت اگر اسے ہی کہتے ہیں۔ جو شائق اور عثمان کی آپ کی اماں نے کی۔ تو میں بے تربیت نہ ہوں۔“

(بہاں پر آ کر تو وہ بھی ساس صاحبہ کی حای تھی)



”کیوں؟“ میرے بیٹوں کے وارنٹ نکلے ہوئے ہیں؟ تصویریں گلی گلی خانوں میں؟ کیا ہوا ہے ان کی تربیت کو؟ کیا خطرناک حد تک سنجیدہ ہو چلے تھے یا ہی ہول گئی۔“

”ہائے ہائے اللہ نہ کرے۔ بات کو کہاں سے کہاں لے جاتے ہیں۔ میں تو اس لیے کہہ رہی تھی کہ ندان کے سونے کا وقت ہوتا ہے نہ جانے کا۔“

”وہ سب برائیاں بعد میں پیدا ہوئیں۔ جب وہ خود بخود چلے تھے۔“

(اف اللہ، ان کی لڑائی کبھی ختم نہیں ہوگی؟)

”اکی اکیا.....“ اس نے کچھ کوئی الامکان حد تک بیٹھا رکھتے ہوئے ان کی توجہ پیکل کی طرف دلائی۔

”کھانا خٹلا اور ہا ہے۔“

”ارے ہاں.....“ بابا چونک کر بولے۔ ”چلو بھی بچے.....“

”جہاں کھانے گئے۔“

”بچے پھلا آتی دیر نہ گئے والے تھے وہ جھانکیں مار کر پھر نہیں کے کہیں کچھ گئے تھے۔ بڑی مشکل سے بہلا پھلا کر واپس لائی۔ ان کی پسند کے نو ذرا موجود تھے۔ جس دہی کھا کے دوبارہ لان کی طرف بھاگ گئے۔“

”اب خود کھانے کی طرف متوجہ ہوئی۔ پیالے کا دھکن اٹھا کے دیکھا۔ جھڑی گوشت..... شکل پہ بارہ رنگ گئے نہ یہ کب بے..... کیوں ہے؟“

”پھر کدو یا ماریٹاں خوردہ ہی تو گوشت جھوتا تھا۔ جو بچہ گیا، اس میں ای سے بچ جھڑی ڈال دی ہوگی۔ مگر جھڑی.....؟“

”اکی سوچ ہی رہی تھی کہ کیا کروں کہ اکی کو یار آیا۔“

”ارے بیٹا! اتنا ہراس مائے برائی بھجوا تھی۔ وہ تو اصرار کن میں ہی رہی۔ جا کے لے آنا زار۔“

”او دو کو مافون پر بھی بتا رہی تھی۔“

”اٹ.....“ دو گویا ہوا میں تیرلی ہوئی تھی اور برائی کی ڈس لے آئی۔ مہما کے ہاتھ کا کھانا کتے

دونوں بعد نصیب ہو رہا تھا۔

”ابھی ڈس اپنی طرف سرکانے کا خیال ہی آیا تھا کہ بابا چڑھ گئے۔“

”برائی؟ ذرا دیکھوں تو۔“ اور پھر چپچہر کر پلٹ میں ڈال لی۔ اکی روکتی ہی رہ گئی۔

”بھئی سرخس نے بھی ہے کہ بچی تھک کر آئے گی تو کھائے گی۔ آپ خود بخود میں حصہ دار بن بیٹھے۔“

”کانی ہے بھئی، کوئی ختم تو ہوا ہی ہو گئی۔ میں نے تو صرف جھپٹنے کے لیے لی ہے۔“ بابا نے نازکی سے بولے اور پھر پہلا فقرہ لیتے ہی تحریقوں کے بل باندھ دیے۔

”اوارہ۔ کیا از اللہ ہے سرخس کے ہاتھ میں۔ ایک تہ تو، پھر چوڑا خاتون۔“

”اب اکی بات پہ اکی کا قصہ تو سوائزے پہ پہنچ جانا ہے، لیکن اس کے برعکس ان کے چہرے پہ اشتیاق استہلاک۔“

”اچھا..... کیا بہت مزے کی ہے؟ ذرا میں بھی تو کچھوں۔“

”وہ کتنی کی دیکھتی رہ گئی۔ اور ساس صلیہ نے بھی ہاتھ بڑھا کر اپنی پلٹ میں برائی کھلی کر لی۔“

”فٹے کے مارے برا حال ہو گیا۔ لیکن زبان اسٹاف نہ زبان کے سر میں چپائی دی نہیں کھل کے نہیں دی۔“

”میں جمن کے اس نے بچی کچی برائی کھانا شروع کر دی۔“

☆ ☆ ☆

”میں نے پیر روگ کیا کیا، عروس کے سلسلوں میں ایسا نہیں تھا کہ اس کی سرسراہٹ کو ظالم تاپ کی رواجی ہی سرسراہٹ تھی۔ یہ بھی نہیں کہ وہ ظالم بھوکے فرائض انجام دے رہی تھی۔ مگر یہ ہے کہ مسائل پھر بھی تھارہ بہت تھے۔“

”سفر بھائی کی مصروفیت، جیسٹہ بیٹھائی کی لافٹائی اور شوہر کی لا پر ادائیاں..... یہ تھے وہ عوامل، جنہوں

نے زندگی کو سد سے زیادہ تیز رفتار بنا ڈالا تھا۔

”جب کام کا وقت ہوتا تو لگتا تھا کہ وقت کو پیسے لگ گئے ہیں۔“

”بھئی سفر بھائی! اپنے کاموں کی لسٹ امریکہ سے روانہ کر دیتے، بھئی جیسٹہ بیٹھائی کے دیانت بھرے خون آ جاتے۔“ اکی کا خیال رکھنا بابا کا مشکل چنک اپ کر دیتے رہتا، وہ دو دن میں کوئی نہیں ہو رہی۔ یہ اور ایسا بھی بہت ہی فکر مند یوں کا اظہار شارق کے بھائی کا بھی کرتے ہی رہتے تھے۔ یہ ایک بات کہ ان کی نگاہ جبری باتوں سے متاثر ہو کر باتیں الٹی خود امریکہ پھر گانے کا ارادہ باندھ لیتیں تو گویا انھوں کے تو تے ہی اڑ جاتے۔

”ارے اسے آپ کب کہاں آئیں گی، انٹالسٹنفر۔ راستے کے مسئلے مسائل۔ خدا خواست طبیعت نہ خراب ہو جائے۔“

”بھئی اکی خاموش ہو جاتیں۔ کبھی اصرار کرتیں تو نافرمانی کا رخ خود ہی آن سو جودہ ہوتے۔ خدا جانتے اکی کیا پراپیٹو بھی کر جس میں کسی کی شراکت نہیں گوارا دیتی۔“

”آج کل بھی اکی کے ایسے ہی فوڑ سے گھبرا کر مٹین بھائی اور بھائی گری آئے ہوئے تھے۔ اور صورت حال تو بھی کہ مارے ایک بابا کی طرف دوسرا اسکول میں تھا۔ شارق خود ہی بولھلے گھر پہ تھے۔ بھائی باجھی آتو جاتے تھے۔ پر یہاں کی باکالی سہولیات ان کا سو ذرا خراب کر دیتی تھیں۔ جیسے کہ آج کئی دنوں سے پانی کی کمی کی۔ ہوتے ہوئے اب تو یہ حال ہو تھا کہ اوپر کی تنگی باطل خالی ہو چکی تھی اوپر سے مہمانوں پر بد وقت پانی سے کام۔ شارق کو خامیا طور پر دیانت میں کہ اس روم کی باتیاں بد وقت پانی سے گریز نظر آتیں۔“

”سوار شارق اس وقت ہانگی سے تنگی سے ڈول نکال نکال، باتیاں بھرے کا ٹریڈر انجام دے رہے تھے اور پھر کو کچھ کچھ مضمنا سے جا رہا تھا۔“

”اچھی جاگزی سنبھالی ہے آپ نے۔ گھرانہ کا

بھی تو ہے۔ کچھ کام وہ خود کر لیں۔ ایسا کیا تو اکی رنج چڑھا آئے ہیں کہ خود کو کئی کام کر رہی ہیں۔ ہم نے تو سنا تھا امریکہ میں سب کام اپنے ہاتھوں سے کام کرتے ہیں۔“ وہ دودھیلے انداز میں طنز کر رہی تھی۔

”شارق نے شفقت روک کر اسے بغور دکھا، پھر اپنے کام میں مگن ہو گیا۔ مارے کھدہ دلگلی۔“

”بھئی! کچھ دیکھ رہے تھے۔“ اس نے فوڑ کے اپنے بھائی بھی باطل میرے بھائی پہ ہی چڑے ہیں۔“

”کی نہیں۔“ وہ تڑپ ہی ہو گئی۔

”میرے بھائی جب یہاں آتے ہیں تو کام خود ہی سنبھالتے ہیں آپ کے بھائی کی طرح نہیں۔“

”اچھا.....“

”اور وہ جو سب سے ضروری کام ہے۔ اس کا کیا؟“

”اور نہیں۔ آ کے مارے کی زبان بند ہو جاتی تھی۔ وہ جانتی تھی، اس کا اشارہ مارا کی گرتی صحت کی طرف تھا۔ شارق کو سفر بھائی سے شکوہ تھا کہ وہ مارا کو اپنی ذمہ داری نہیں سمجھتے۔ حال تو مہمان بھائی کا بھی یہی تھا۔ لیکن اول تو ای بابا پھر بھی بہت اکیٹو تھے۔ دوسرے شارق تو نہیں موجود تھا، بیٹلے جب اس کی لافٹائی میں رہی ہو، تو کچھ مہمانوں کا باپ کو سراؤ تھا۔ جب کہ سفر بھائی تو ہمراہ کے اٹھتے بیٹے تھے۔ ان کے امریکہ مسئل ہونے کی وجہ سے وہ باطل مارا کی تھیں۔ خود کو بھلانے کے لیے کو کلک کے نت سنے چرے کر رہی تھیں۔ لیکن یہ کچھ کہ بہت اب ان میں بھی نہیں رہی تھی۔“

”مارے سنے چاہا، دو دو جواب دے۔ بھائی کی حمایت میں دل لگاؤ دے۔ کہے کہ سفر بھائی مارا کو بار بار ساتھ لے جاتا ہے جیسے ہیں، جب وہ تیار ہی نہیں ہوتیں تو وہ بھی کیا کریں۔“

”مگر وہ خاموش رہی۔ جانتی تھی کہ کوئی بھی دلیل اتنی موثر نہیں جو شارق کو اس بات پر قائل کر سکے

”کیوں؟“ میرے بیٹوں کے وارنٹ نکلے ہوئے ہیں؟ تصویریں گلی گلی خانوں میں؟ کیا ہوا ہے ان کی تربیت کو؟ کیا خطرناک حد تک سنجیدہ ہو چلے تھے یا ہی ہول گئی۔“

”ہائے ہائے اللہ نہ کرے۔ بات کو کہاں سے کہاں لے جاتے ہیں۔ میں تو اس لیے کہہ رہی تھی کہ ندان کے سونے کا وقت ہوتا ہے نہ جانے کا۔“

”وہ سب برائیاں بعد میں پیدا ہوئیں۔ جب وہ خود بخود چلے تھے۔“

(اف اللہ، ان کی لڑائی کبھی ختم نہیں ہوگی؟)

”اکی اکیا.....“ اس نے کچھ کوئی الامکان حد تک بیٹھا رکھتے ہوئے ان کی توجہ پیکل کی طرف دلائی۔

”کھانا خٹلا اور ہا ہے۔“

”ارے ہاں.....“ بابا چونک کر بولے۔ ”چلو بھی بچے.....“

”جہاں کھانے گئے۔“

”بچے پھلا آتی دیر نہ گئے والے تھے وہ جھانکیں مار کر پھر نہیں کے کہیں کچھ گئے تھے۔ بڑی مشکل سے بہلا پھلا کر واپس لائی۔ ان کی پسند کے نو ذرا موجود تھے۔ جس دہی کھا کے دوبارہ لان کی طرف بھاگ گئے۔“

”اب خود کھانے کی طرف متوجہ ہوئی۔ پیالے کا دھکن اٹھا کے دیکھا۔ جھڑی گوشت..... شکل پہ بارہ رنگ گئے نہ یہ کب بے..... کیوں ہے؟“

”پھر کدو یا ماریٹاں خوردہ ہی تو گوشت جھوتا تھا۔ جو بچہ گیا، اس میں ای سے بچ جھڑی ڈال دی ہوگی۔ مگر جھڑی.....؟“

”اکی سوچ ہی رہی تھی کہ کیا کروں کہ اکی کو یار آیا۔“

”ارے بیٹا! اتنا ہراس مائے برائی بھجوا تھی۔ وہ تو اصرار کن میں ہی رہی۔ جا کے لے آنا زار۔“

”او دو کو مافون پر بھی بتا رہی تھی۔“

”اٹ.....“ دو گویا ہوا میں تیرلی ہوئی تھی اور برائی کی ڈس لے آئی۔ مہما کے ہاتھ کا کھانا کتے



غلطیاں کرتی اور مزید ڈانٹ کھاتی تھی۔

”مگر آج صورت یہی کر وہ ڈانٹ تک سیٹ پہ بیٹھی تھی اور دل تھا کر نرے ہی چلا جاتا تھا!

”سما کا گھر قریب ہی تھا۔ بیچ میں کوئی مین روڈ نہیں تھی۔ گلیاں بھی کشادہ تھیں۔ لاکھ لاکھ بچوں کے علاوہ سڑک پر ٹریفک بھی نہ تھا۔ گھر پر بھی وہی وہی اف بہت مشکل تھے۔ گھر اس نے بھی ٹھکان لی تھی۔ آج تو گاڑی چلا کے تیار بنائے۔

کیلے ڈبیل بورڈ میں رکے اپنے لائنس پر نظر ڈالی پھر بھی آئیے میں۔۔۔۔۔ اس کے بعد چل پڑی۔

ہاتھ مچھوئی سے اسٹیرنگ پر تھے۔ سڑک پر جد آہستہ، گریار ایک دھڑکی ہو۔ گھر پر کسی کی کیا بات اس کے جذبے کے آگے گر ہو چلی گی۔ خود کو تھک دلائی وہ اپنا سفر طے کرتی رہی۔

”شامی ڈرنا نہیں۔ رونا کر پڑا وہ مست کرد، مست سیدی رہے۔ کسی کو گھر نہیں لگتی جاے۔ (ڈی) نفس تو خیر تھے ہی نہیں، مگر دیوار تو (!) سیدھا چلو، اعتماد سے چلو چکی رہو۔ یہاں سے جڑ جاو۔۔۔ ٹھیک اب پھر سیدھا مل ٹھیک۔ اوسے!۔۔۔

یہ سانسے گھر کا دروازہ۔ براؤن رنگ کا!

”تو میں بیچ ہی گئی۔“ اپنی خوشی ہوئی کر اصل پر بیٹائی بھولی ہی گئی۔ چھانگ مار کر اتری دروازہ بند کر کے سما کو جاتے چلے۔ پھر، چھوڑاں آیا سما کی طبیعت کا۔ دوبارہ دل کی کیفیت تبدیل ہوئی تب ہی اس نے دیکھا، ماما کے کمرے کا دروازہ کھلا تھا۔

نقابت زدہ چہرے کے ساتھ وہ میز کی پشت سے ٹپک ٹپک کیٹے نہیں۔ اور زرد دان کی ملازمہ سڑک ہی کمری ڈالے بیٹھی تھی۔ ماما کو دیکھ کر جہاں ملازمہ کے دانت نکل آئے وہیں ماما متحسب سی نظر آنے لگی۔

”جسمیں زرد رہنے نہ فون کیا ہو گا ناں۔ اتنا منع کیا تھا، ذرا سنا جاتا تھا، اتر بھی گیا۔ شائق سے چارے کو تو اٹھاؤ، اس وقت رحمت اٹھائی پڑی۔“ وہ آہستہ آہستہ دم ٹھانٹی ان کے پاس آگئی۔

”ممت فکر کریں، کسی کو زحمت نہیں دی۔ خود سی

آئی ہوں، اپنی ماں کے پاس۔“

”مما نے چپک کر دیکھا، وہی وقت موبائل کی

بپ بجی۔“

”شارق کا فون تھا۔“

”کہاں ہو۔۔۔؟ ذرا لاؤنگ میں آؤ۔ دیکھو

”تمہارے ہینڈ پر لپڑا کا سٹریو آ رہا ہے۔“

”آپ دیکھ لیں۔“

”لوٹیں کیوں دیکھ لوں۔ مجھے تو زہر لگتے

ہیں۔“

”چلیں پھر اپنے فون پر کو دیکھ لیں۔“

”ارے میں تو سب کو ایک ہی گٹھا ہے دیکھتا

ہوں۔ تمہاری طرح جذباتی ٹھوڑا ہی ہوں کمری جا

رہی نہیں بیلے میں جانے کے لیے، میں نے بھی

دو بار چکر لگا کے ایسا ٹھہرایا کہ نہیں خبری نہ ہوئی اور

مم دادیں گھر پہنچ گئے۔“ وہ سڑے سے بیان کرتا رہا

اور ماما کو پھر بھولی داستان یاد آ کے نشتے لگے۔

”بے فکر ہیں۔“ اس نے دانت چس کر کہا۔

”اب تو مگر کرا پی آ تو آپ مجھے کھائیں

کیسں گے۔ میں خودی بیچ جاؤں گی۔“ ٹیوٹ۔۔۔

”نہ ڈرا مینگ سیکلی ہے۔“

”کیا؟“ وہ چپکے ”متم ہو کہاں؟“

”مما کے گھر!“ وہ ہنسی۔

”مرادو!۔۔۔!“ شارق کے غائب چھپت

چکے تھے۔

”میری گاڑی کا کیا حال ہے؟“

”ابھی اجاب گاڑی کی گھر ہے، میری نہیں۔“

”ٹھیک ہے گاڑی بھی۔“ اس نے دھٹے

رہنے انداز میں کہا۔

”نہیں۔۔۔۔۔ مجھے یقین نہیں آگے، جب تک

اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ لوں۔“

”تو آ جائیں۔“

اور توہڑی پر بعد شارق بھی وہیں موجود تھا۔

گاڑی کو ابھی طرح ٹھوک بجا کر دیکھا۔ پھر ماما یہ کا

بھی بخور مگائے تھا۔

”دائی؟ گاڑی تم چلا کے لائی ہو؟“

”نہیں! اسے دھکا لگائی ہوئی یہاں تک لائی

ہوں۔“ اس نے جل کر کہا۔

”جھما۔۔۔۔۔! وہاں کیسے جائے گی؟“

”چلیے آئی کی۔“

”ہیں۔۔۔۔۔!“ وہ بولکھیا۔ مگر اب ماما یہاں

رکنے والی تھی۔ سیدی ڈراؤنگ سیٹ پر جا بیٹھی۔

شارق دم مارے ساتھ رہا۔ وہ پورے اعتماد

سے ڈراؤنگ پر کمری سی، کہیں دھوڑے سے بھی

اعتراف کا موقع نہیں آئی وہ تو ہوا خرقا تھا ہوتا ہی

پڑا۔ اس کی ایک ایک لحاظ سے تو اس کا ہی فائدہ ہو رہا

تھا۔ کراب تک ایک کم سربراہی کاموں سے تو کافی مدد

تجارت لاتی تھی۔

☆☆☆☆

پاپا کو پراڈیٹ فنڈ کی مد میں رقم ملی تو گھر میں

اک جوش کی کیفیت نظر آئی تھی۔ اسی بڑی خوشی

خوش منسوبے بن رہی تھی۔

”میں بھی بے حد ہوں۔“

جائے۔ دیکھیں ماں ڈراڈیٹ کے حال۔ بالکل انا ساز پڑا

ہے پرائے پودے اب ختم ہوئے تو ہیں۔“ نے آئی

نہیں رہے۔ ماما کو لمانہ تھوڑا پر بلا کر کیلے تو اس کی

شکل درست کی جائے اور ساتھ ہی پورے گھر کو پینٹ

بھی کروالیں۔ لاؤنگ کے ٹائلز کو جگہ سے اٹھو رہے

ہیں بجی کے پینٹس۔۔۔۔۔

پاپا چڑ گئے ”میں شردا ہو چکیں اپنے سارے

پالنے والے۔“ ماما میرے پچھے ہیں، جو میرا دل چاہے

گوارہ کروں گا۔“

”اجھا ٹھیک ہے، آپ ہی بتا دیں، کیا ارادے

ہیں آپ کے۔“ آئی آئی عمل مصالحت پر آمادہ

تھیں۔

”میں تو یہ سوچ رہا ہوں، یہ پیسے شارق کو دے

دوں اس کے کاروبار کو توڑ دیں۔“ اس نے تو ماما کو

بھی سکون ہوگا۔ جب سے اس گھر میں آئی ہے۔ سچی

ہولی سے محبت میں۔“

ماما بھیل بٹاتے ہوئے اس کے ہاتھ ایک دم

رک گئے۔ اس نے منظر پر انداز میں دروازے کی

طرف دیکھا۔ جہاں اسی ٹائل ہونے والے انداز میں

سر ملانی نظر آ رہی تھی۔ مگر پاپا خودی کشش کا شکار

تھے۔

”مگر مسئلہ یہ ہے کہ شارق کاروبار کا خوشی تو

بہت ہے، لیکن سوجھ بوجھ ذرا بھی نہیں ہے۔ کہیں ڈپر

ٹی نہ دے۔“

ای جوش میں آ گئیں۔

”ارے کیا سمجھ رکھا ہے۔ میرے بچے کو۔ آخر

بڑا کھلے ہو، کوئی جاہل تو نہیں کرسب ڈیوڈے۔“ وہ

انھہ گھڑی کے کمرے میں آئی۔

”پاپا ٹھیک کہہ رہے ہیں! شارق تو رقم دینے

کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔“

”میں گن بیٹا جیسے اس کے حالات چل رہے ہیں

اسے مدد کی ضرورت ہے۔ تو فری سے ملنے والے پیسے

تو نہ ہونے کے برابر ہیں۔“

”نہیں! ائی۔۔۔۔۔! جتنا دھک چکے ہیں اس

میدان میں، انہیں سوجھ بوجھ چاہیے کہ یہ ان کے کس

دوگ نہیں ہے۔“ اس نے سچی انداز میں کہا۔

”آپ لوگ انہیں پیسے دیں گے تو وہ پھر سے

ہمت جمع کر کے کاروبار کھڑا کرے گی کوشش کریں

گے۔ پھر کسی کی تیزی، کسی کی مکاری کے ہاتھوں

شکت کھائے سب کچھ ٹھکانے لگا دیں گے۔ میں یہ

اذیت نہیں جھیل سکتی۔ یہ نوکری میں بیچ ہے، کم کسی مگر

وقت پڑا تو جانی ہے۔ اس باتش سے تو بہتر ہے

جو کاروبار کے دوران ہم پر مسلط رہتی ہے۔“

”میں بھی وہی سوچ رہا تھا۔“ پاپا دھمکے سے

بچے لیے ہوئے۔ مگر ائی بڑھ گئیں۔

”پھر پراڈیٹ فنڈ لینے کی ضرورت ہی کیا

تھی۔ نہ مگر کی دراصل کریں گے، نہ بچے کو دیں گے،

کریں گے کیا پھر؟“

”فڈ ہے اور بھی بہت سے کام ہو سکتے ہیں۔“

میں سوچ رہا تھا اُدھے عاشق کے لیے دکھ دوں۔  
اُدھے زندہ کے لیے۔۔۔  
”ایسا کچھ بھی نہیں کریں۔ بیٹے ہماری امداداری ہیں ہم خود ان کے لیے ہاتھ پاؤں ماریں گے۔ آپ لوگ تو بس۔۔۔ جی ک تیار کر لیں۔“ ماریہ نے سیدھا سائل پیش کر دیا۔  
”ہیں۔۔۔!“

ای کے چہرے کے بدلے زادے ایک دم سے استغیاب حالت میں آ کر ٹھہر گئے۔ اور پاپا کے ہاتھوں سے پشیم کر پڑا۔

☆☆☆

”تم ہوئی میں تو ہو؟ اچھا بھلا موقع ہاتھ سے نکوا دیا۔ نہ تمہارا ایل بڑا رہا اگر میں خود لایٹ ہو جاتا۔“ شائق نے سنا تو سر پھینک لیا۔  
”اگر ہماری قسمت میں ہوگا تو سب ہو ہی جائیں گے۔ وہ ہر سے ہی سکون سے بھی۔ شائق نے دانستہ گئے۔  
”قسمت بھی خود بنائی جاتی ہے۔ تم جیسے بے خوف تو بس۔۔۔ پھر اس کے چہرے سے تاسف اُٹھاتے دیکھ کر بات سننا لگے۔“

”ذرا کاروبار چل نکھتا تو ای پاپا کو جی تو میں خود ہی کروا لانا۔ اب اکیلے بھلا وہ کیسے جائیں گے خواہ خود میں آ زنائش میں ڈال ہی ہو، انہیں۔ چلو ابھی چل کر ان سے بات کر لیتے ہیں۔ اور کچھ نہیں تو عارض اور زندہ کے لیے۔۔۔“

”بلکہ شائق۔“ اس نے ہاتھ جوڑ دیے۔  
”بہت وقت گزر گیا ہے۔ خواب دیکھ دیکھ کر۔ اب مجھے حقائق کا سامنا کرنے دیں۔ اور حقیقت یہ ہے کہ ہم لوگ خود ان کے لیے کچھ نہیں پا رہے۔ تو پھر ہمیں کیا حق پہنچتا ہے کہ ان کی جگہ کوئی استعمال کر لیں۔“

”ارے واہ، کیوں نہیں کر رہے ہم۔“ وہ بدکا۔  
”گھر کا خرچ بجلی کا بل بلینین کا بل، یہ اخراجات زیادہ تر ہم ہی تو پورا کرتے ہیں۔“

”مجھ۔ اور اس گھر میں جو ہم رہتے ہیں اس کا کرنا یہ، وہ جیسے ہی ہم سے؟“  
”تم۔۔۔ بھی سندر کی ہو۔ بھلا کوئی اپنے بچوں سے بھی کرایہ وصول کرتا ہے؟“  
”تو کوئی اپنے ماں باپ کے اخراجات کا بھی حساب کتاب کرتا ہے؟“  
اس نے کھری کھری سنا کے لاجواب کر دیا۔

☆☆☆

جی جے جانے کی خواہش تو ای کے دل میں نہ جانے کب سے بھی۔ بھلا تو وہ کچھ نہ کہیں، لیکن اسی جے جے کے شرواع کے دن اس طرح کرتے تھے، اسی ماریہ خوب انداز جاتا۔  
جو بھی جی جے چار بار ہوا اسے فون کے سامنے لیے دعا میں کروا دیا۔ صدمہ سے بھجوانا۔ بی وی پر کچھ نہیں لگا کر جی ک لکھ لکھ کر دوسرا تاور دیکھنا۔ بار بار بچوں کو خشک کرتا۔ کتنے ہی سالوں سے وہ ای کی یہی روئین دیکھتی آ رہی تھی۔ سو پراویٹن فنڈ کا نام سننے ہی جی کا نام لے لیا اور یہ نام ایسا نا نہیں جسے کوئی رد کر سکے۔  
یہ تو قیادہ ہوتا ہے۔ جواب ہے لیک اور صرف لیک۔۔۔!

☆☆☆

ای پاپا کو اگھر لائے ہوئے تھے۔ خاص طور پر ای۔۔۔  
”ارے چٹا ای کن کے ساتھ بیچ رہی ہو مجھے۔ یہ تو ذاتی اٹ کر ہی میرا سر پلپا کر دیں گے۔“  
اگر اب بھی منکر مکر مہندہ تھے۔  
”یہ جو ہماری ساس ہیں ان ماریہ یہ بھلکھو نبر ایک ہیں۔ تم دیکھنا، میرا سارا وقت عمارت کے بجائے ان کی تلاش میں گزر جائے گا۔ ایسا کرنا ہوں، میں اکیلا چلا جاتا ہوں، انہیں شائق کے ساتھ بھجا دوں گا۔“  
شائق کل افشا۔۔۔ ان پاپا یہ ٹھیک ہے۔ میں ابھی اپنے دوست کے ساتھ ایک سے سبٹ اپ ہے خود کر رہا ہوں۔ پھر ای کو کو دے دینے ساتھ۔۔۔“

”کیوں نہیں، کیوں نہیں۔“ ماریہ نے دہریں قطع کلائی کی۔ ”شائق بھی ضرور ای کو لے کر عمرہ پا جیجے، جیسے ہی اللہ کو منظور ہو۔ کرنی ایل مال تو جو رہے ہیں انہیں جانے دیں۔ سارے انتظامات مکمل ہیں۔ بلارہے تو کرایہ لائے آرام سے ہو گیا ناں۔ ورنہ کوئی تو رکاوٹ آئی۔ اللہ کا شکر ہے، صحت کا بھی کوئی مسئلہ نہیں، ندان، اللہ ہوگا۔ بار بار یہ کہہ سونے کا معاملہ۔ تو یہ تو صراطِ مستقیم ہے۔ نہ کوئی موڈ نہ کوئی بچ۔ سب کی منزل ایک ہی ہوگی تو سفر طے ہو ہی جائے گا۔ حوصلہ رکھیں۔۔۔“

☆☆☆

”میرا دل تکیاں، دلا سے دے کر ای پاپا کو جانے پر آمادہ کر تو لیا اب بھی خود ہی ہوئی تھی۔ کوئی بھی تو اس مقام پر اس کے ساتھ نہیں تھا۔ نہ بیانی نے تو اپنا عذر دینے کے بارامی کا اظہار کیا تھا۔“  
”ای! آپ لوگ اکیلے کیسے جائیں گے۔ شائق سے کہیں، آپ لوگوں کے ساتھ جائے۔“ اس سے پہلے کہ ای کوئی جواب دیتیں، پاپا نے جھجھک کر فون لے لیا۔  
”کیوں نہیں بیٹا، وہ تو تیار ہے۔ بس ذرا رقم کم پڑی تھی، تم تو جانتے ہی ہواں کے حالات۔ تو ذرا ایک گنٹ کے لیے ہوں! انتظام کر دو تا کہ شائق بھی۔۔۔“  
”اچھا پاپا! میں کل غل کروں گا۔ ابھی آکس کے لیے نکل رہا ہوں۔“ اور فون بند۔  
پاپا کے چہرے پر سخت آزمائش کا سہا تھا۔  
”نہ نہ۔۔۔! خالی خالی ہمدردی۔ اگر اتنی ہی فکر تھی تو آکس لے جاتا ناں خود گھر گئیں۔ فون کرتے تو اتنی سستی ہوتی ہے۔ ہمارے فرائض اور کراماتیں کے عاجز آوے۔ شوروہا جا رہا ہے شائق کو لے جائے گا اور یہاں ہو چکے اکیلے ہیں۔ واہ حکمان صاحب واہ۔۔۔“

”میرا دل تکیاں، دلا سے دے کر ای پاپا کو جانے پر آمادہ کر تو لیا اب بھی خود ہی ہوئی تھی۔ کوئی بھی تو اس مقام پر اس کے ساتھ نہیں تھا۔ نہ بیانی نے تو اپنا عذر دینے کے بارامی کا اظہار کیا تھا۔“  
”ای! آپ لوگ اکیلے کیسے جائیں گے۔ شائق سے کہیں، آپ لوگوں کے ساتھ جائے۔“ اس سے پہلے کہ ای کوئی جواب دیتیں، پاپا نے جھجھک کر فون لے لیا۔  
”کیوں نہیں بیٹا، وہ تو تیار ہے۔ بس ذرا رقم کم پڑی تھی، تم تو جانتے ہی ہواں کے حالات۔ تو ذرا ایک گنٹ کے لیے ہوں! انتظام کر دو تا کہ شائق بھی۔۔۔“  
”اچھا پاپا! میں کل غل کروں گا۔ ابھی آکس کے لیے نکل رہا ہوں۔“ اور فون بند۔  
پاپا کے چہرے پر سخت آزمائش کا سہا تھا۔  
”نہ نہ۔۔۔! خالی خالی ہمدردی۔ اگر اتنی ہی فکر تھی تو آکس لے جاتا ناں خود گھر گئیں۔ فون کرتے تو اتنی سستی ہوتی ہے۔ ہمارے فرائض اور کراماتیں کے عاجز آوے۔ شوروہا جا رہا ہے شائق کو لے جائے گا اور یہاں ہو چکے اکیلے ہیں۔ واہ حکمان صاحب واہ۔۔۔“

”میرا دل تکیاں، دلا سے دے کر ای پاپا کو جانے پر آمادہ کر تو لیا اب بھی خود ہی ہوئی تھی۔ کوئی بھی تو اس مقام پر اس کے ساتھ نہیں تھا۔ نہ بیانی نے تو اپنا عذر دینے کے بارامی کا اظہار کیا تھا۔“  
”ای! آپ لوگ اکیلے کیسے جائیں گے۔ شائق سے کہیں، آپ لوگوں کے ساتھ جائے۔“ اس سے پہلے کہ ای کوئی جواب دیتیں، پاپا نے جھجھک کر فون لے لیا۔  
”کیوں نہیں بیٹا، وہ تو تیار ہے۔ بس ذرا رقم کم پڑی تھی، تم تو جانتے ہی ہواں کے حالات۔ تو ذرا ایک گنٹ کے لیے ہوں! انتظام کر دو تا کہ شائق بھی۔۔۔“  
”اچھا پاپا! میں کل غل کروں گا۔ ابھی آکس کے لیے نکل رہا ہوں۔“ اور فون بند۔  
پاپا کے چہرے پر سخت آزمائش کا سہا تھا۔  
”نہ نہ۔۔۔! خالی خالی ہمدردی۔ اگر اتنی ہی فکر تھی تو آکس لے جاتا ناں خود گھر گئیں۔ فون کرتے تو اتنی سستی ہوتی ہے۔ ہمارے فرائض اور کراماتیں کے عاجز آوے۔ شوروہا جا رہا ہے شائق کو لے جائے گا اور یہاں ہو چکے اکیلے ہیں۔ واہ حکمان صاحب واہ۔۔۔“

”اُدھر ہی صورت حال تھی۔“  
”ہائے بیٹا کیئر لیں کچھوڑ دو، دقت ہو ہی گئی۔ مگر اس کے بعد سے جو تمہارے پاپا غائب ہوئے ہیں تو کچھ میں ہی نہیں آ رہا۔ یہاں سب ہی اجرام میں ایک جیسے نظر آ رہے ہیں، کہاں ڈھونڈوں؟ اُن غیر نیکو فون کے بچ۔“  
”اللہ ہی، آپ فون کر کے پوچھ لیتیں، پریشان ہوتی ہیں۔“  
”فون کر دیں گی تو ڈانٹا شروع ہو جائیگا، تم ذرا خود ہی فون کر لو۔“

”اچھا۔۔۔!“ اس نے سراپہ ہو کے پاپا کو فون کیا جو بی بی کا پریسید کر گیا۔  
”بی بی۔ ساسو ماں کی خاطر کال کر دی ہوں۔“  
”ہیں۔۔۔!“ ابھی وہ حیران ہی ہو رہی تھی کہ خود ہی وضاحت کی۔  
”ارے سائیل میں کڑا ہوں ان کے۔ اجرام بہن کے آتے تو یہ عجب بھولائی ہوئی شکل بناتے ہر طرف سے نظر آتے ہیں۔ سامنے آتے تو کڑا کڑا کڑا ہوتے ہیں۔ پھر بڑا۔ اب بھی میرے سامنے ہی فون ہے۔“

بات کر رہی تھیں۔ اور اب مجھے آکسین، نماز پڑ کر دیکھ جائے ہیں۔ اور اب لا شروع ہوئی ہیں۔“  
ماریہ کو کبھی ضبط کرنا حال ہو گیا۔ شائق بھی ساتھ ہی کھڑا تھا، جھٹکے فون اچک لیا۔  
”پاپا، بلیز، وہاں میری بھولی ای کی کومت تک بھیجے گا۔“  
”اچھا میں گنٹ کرتا ہوں؟“  
”نہیں! میں گنٹ کرتا ہوں۔ لیکن بلیز۔۔۔ بلیز۔“ شائق نے اپنا نہیں شروع کر دیں۔

”دوسرے ہی دن ماریہ نے بیٹلنگ شروع کر دی۔ شائق بھولا اٹھا۔  
”اُمیسا! ہم کہاں چل دیں۔ مجھے چھوڑ کر؟“  
”آپ کو چھوڑ کر کیوں آہی سب ساتھ چل رہے ہیں۔“



”ہائیں... یہ بڑا دھکے کا ہے حق ہے؟“  
 ”آپ کو تھوڑا سی... اسی کو تھوڑی سی... اس  
 نے فوراً زمین لگایا، آپ کو تو ہمیشہ ایک اور اسرار  
 سمجھا ہے، بھی تو ان کی طرف سے بھی ہے فریسی۔“  
 تعریف سن کر چایا کا موز بھی بحال ہو گیا۔ تو  
 انہوں نے مکمل جانے دوڑ معلوم کیا۔  
 اب اس نے پھر اپنی فون کیا۔ انہیں تسلی دی  
 اور اپنی جگہ پر سے بیٹے کی تمکین کی۔  
 دعائیں کرتے کرتے فون کے ذریعے رابطے  
 میں رہتے رہتے، بلا خرچ مکمل ہو گیا اور اسی پایا  
 شادان اور حاض لوٹ آئے۔  
 لوگ مبارک باد دے آتے رہے خوش گھوٹوں  
 کے دور چلے دے۔ اپنے ہی ایک دن شائق کی ایک  
 کران خبر دہی چلنے چلی آئیں۔ جانے کے دوران  
 یونی تاتیں ہو رہی تھیں کہ وہ چونک کر اچھٹھیں۔  
 ”اوسے مارے! تم نے بچوں کو کس کے پاس  
 چھوڑا تھا۔؟“  
 ”ہائیں...“ وہ چکا کارو گئی۔ ”بچوں کو کہاں  
 چھوڑا تھا۔ میرے پاس ہی تھے۔“  
 ”تمہارے پاس کمر تو اکل آئی کے ساتھ  
 تھیں ناں؟“

چاہے۔ کیوں ماریہ؟“  
 وہ اسی بھی ہوئی بنی ایک کوکھ رہی تھی۔

☆☆☆☆

وقت گزرتے رہے نہیں گئی، یہ جملہ ناتوا بہت تھا،  
 سمجھ میں اب نہ رہا تھا۔  
 سب کی سب کمر غصہ بیت گیا۔ وہ پلٹ کر پیچھے  
 دیکھتی تھی تو جب تک ایک خواب سانسوں ہوتا، لگتا،  
 کل کی تو بات تھی اور مٹنے پہنچتی تو کتنے ہی برس  
 ہاتھوں سے پھٹتے چلے جاتے۔  
 سفیر کا بھائی کا ہر جانا اپنی شادی۔ شائق کے  
 بار بار ابھرتے دوسرے کاروبار۔ پھر بلا خرچہ کوکھ  
 پتک جانا اور... اب تو اسی پایا کے جگ کو کبھی دس  
 سال گزر گئے۔ اب بھی نہیں علا...  
 پایا تو اب بھی اسی کے کم ہو جانے کی تعداد وہ  
 سے شرب دے کر تاتے تھے۔  
 شائق اور بچوں کی پاکستان ٹور کی خواہش بھی  
 پوری ہو ہی گئی تھی مگر کی حالت بھی پہلے سے بہتر  
 تھی۔ اس کی ٹور کی اپنی جگہ بھی۔ ہاں سچے، نوکیل  
 پاس کے کہ سنا اختیار کر چکے تھے۔ سب سمجھ  
 دے ہی تھا۔

صرف ما۔۔۔!

☆☆☆☆

دو ماہ پہلے سفیر بھائی کا فون آیا۔ وہ پاکستان آ  
 رہے تھے۔ سہ ماہ کے ساتھ وقت گزار آئے۔  
 اسے خوش گوار حیرت ہوئی۔ بھائی اپنی تو ہر  
 سال ہی آتے تھے۔ اس دفعہ راجدلی ہی پر دو گرام  
 چلا گیا تھا۔ گرام کی سخت آب و ہوا بھائی ہی جواب دے  
 گئی تھی۔ پچھلی بار بھی جب جا رہے تھے تو کافی  
 پریشان و مضطرب تھے اور چار ماہ بعد اب دوبارہ چلے  
 آئے تھے۔ خاص بچپنوں کا اہتمام کر کے بھائی بھر  
 اور زارا (ان کے بیٹے) بھی ساتھ آئے تھے لیکن  
 پڑھائی اور دیگر مجبور یوں کی بناء پر ایک ہفتے کے اندر  
 واپس چلے گئے۔  
 سفیر بھائی البتہ موجود رہے۔

ماتو تو جیسے ہی اٹھی تھیں۔ یہ بھی عجیب بات تھی  
 کہ ماریہ لاکھ خیال رکھنے کے باوجود بھی وہ مقام نہیں  
 حاصل کر پائی تھی جو سفیر بھائی کا تھا۔ وہ ابوی لاکھ  
 تھی۔ لیکن سہ ماہ کے دلارے سے ہمیشہ سفیر بھائی ہی رہے۔  
 اب وہ جیات تھے اکثر سفیر بھائی کو ماما کی جان کہہ کر  
 ہی پکارا کرتے تھے۔  
 تو عمر اپنی جان کی ہراسی میں بہت خوش تھیں۔  
 ماریہ بھی مطمئن ہو کر اپنے کام سے فکری سے انجام  
 دے رہی تھی۔ صرف شائق کو تار پڑھتے رہتے تھے۔  
 ”تمہاری مامی نے کو کچھ کر نہیں باکل بھول  
 جاتی ہیں۔“  
 ”تو اچھا ہی ہے ناں۔ ہماری اپنی  
 مصروفیات بھی تو بڑھ گئی ہیں۔“ وہ قار کر لئی۔  
 ”یہ کیا بات ہوئی؟“ مصروفیات تو سال بھر ہوتی  
 ہیں۔ دس پندرہ دن کے لیے آنا اور پورے سال توجہ  
 دینا، کیا اس میں کوئی فرق نہیں ہے؟“  
 ”تو آپ کیا چاہتے ہیں، وہاں بھی نہ آئیں؟“  
 اور شائق صاحب ظاہر تو خاموش ہو جاتے مگر  
 انہی ہی اندر درس بات پر اچھے دو ماہ بات کو بخوبی  
 سمجھتی تھی۔

شائق کو خوف تھا، ہمیں ماما مگر سفیر بھائی کے  
 نام ہی نہ کر دیں!  
 وہ شائق کے خوف کو محسوس تو کرتی تھی۔ دور  
 کہیں اس کے دل میں بھی یہ بات تھی، لیکن وہ ایسا  
 سوچنا نہیں چاہتی تھی۔  
 ”ماما چچن ان کی مرضی جو کر رہیں۔“  
 یہ جگہ خود کو یاد دلا دے کہ اس نے اپنی ہر سوچ  
 کو وہیں دفن کر دیا تھا۔ اس کے لیے یہاں ہی بہت تھیں۔  
 مگر شائق کی فکر بھی اب وہیں نہیں تھی۔ فطری طور پر  
 ایسے معاملات میں موازنہ اور مقابلہ ہوتا تھا۔ وہی  
 شائق کے ذہن میں آتا تھا۔ باکل اسی طرح پیچھے یہ  
 کہ اگر عثمان بھائی کے نام ہو جاتا تو ماریہ کو محسوس  
 نہ۔۔۔

☆☆☆☆

سفر بھائی کے آنے کے ایک ماہ بعد ماما انہیں  
 چھوڑ کر چلے گئے۔  
 بیار تو وہ بہت پہلے سے تھیں۔ مگر پھر بھی بات  
 چیت کر پائی تھیں۔ اپنے کام کر گئی تھیں، پھر ایک  
 ہی طبیعت بگڑنے لگی۔ پہلے تو موسم کا اثر محسوس ہوا،  
 پھر پریشان ہو کر اسپتال میں داخل کر دیا۔ مگر عرض  
 بڑھتا گیا، جون بھی وہاں دوایں...  
 بھاننا کی زندگی کے لیے کوششیں بڑھتی گئیں۔  
 اتنا ہی زندگی ان سے روکتی گئی۔  
 آخری چند دنوں میں انہوں نے ہسپتال کے  
 چکر لگانے سے صاف منع کر دیا اور یہی خواہش ظاہر کی  
 کہ دونوں بیٹے ان کی آنکھوں کے سامنے موجود  
 رہیں۔  
 اور اب وہ ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھی سوچ رہی  
 کہ کیا کرے کہ سب بچے چھوڑا دے۔  
 کچھ زیادہ تو توجہ نہیں لگائی تھی۔ صرف ماما۔ صرف  
 ماما کو دیکھنا آتا تھا۔... لیکن! نہ جانے وہ کتنی دیر اسی  
 طرح بیٹھی رہی کہ آج ہٹ چکے چونک گئی۔ شائق  
 چہرے پر تجدد سے تازتار لیے سوچ رہا تھا۔  
 ”سفیر بھائی آئے ہوئے ہیں۔ تمہیں بلار ہے  
 ہیں۔“  
 ”اوہ!“ وہ اٹھ کر ڈرائنگ روم میں آئے گئے۔  
 شائق نے بے ساختہ کھلا کر۔  
 ”مارے...! کہہ دھکیں بات کہیں تو...“  
 ”پلیز شائق... میری ماں کو گھر لے آجی  
 صرف ایک ماہ ہے۔“  
 ”میں وہی کہہ رہا ہوں کہ ابھی یہ باتیں نہ  
 شروع ہونا تو بہتر ہے۔“ وہ دھکے لگتے میں بولا۔ وہ  
 پر ملائی ڈرائنگ روم میں چلی آئی۔ مگر سفیر بھائی یہی  
 بات کرتے آئے تھے۔  
 ”مارے جیٹا... میں کچھ دنوں میں جا رہا ہوں۔  
 جانے سے پہلے ماما کے گھر کے معاملات طے کر دینا  
 چاہتا ہوں۔“  
 ”اف بھائی!“ اس نے دکھ سے آنکھیں



تجلیں۔ کیا ضروری تھا کہ وہ اپنی جلدی کرتے۔  
 ”سمانے“ دو سال پہلے ویل صاحب کو بلا کر  
 وصیت لکھوا لی تھی۔ میں جانتا تھا کہ تم بھی دیکھ لو۔“  
 ”دوسرا پہلے۔۔۔“ وہ جھگڑ رہی تھی۔ ”اور مجھے  
 خبر بھی نہیں۔“  
 وہ بے یقینی کے عالم میں ویل صاحب کو دیکھ  
 رہی تھی۔ جو مستندی سے فائل کھول کر وصیت نامہ  
 پڑھ رہے تھے۔  
 شائق بھی اس کے قریب آ کر غور سے وصیت  
 کے الفاظ کا رخ پڑھا۔ تب ہی وہ چونکا۔  
 ”اب غلط کہہ گئے ویل صاحب۔“  
 ”میں تو صرف جوتھلا ہے، پڑھنا ہوا میں۔“  
 ”مگر یہ شرعی طور پر صحیح نہیں ہے۔“  
 شائق نے کہا۔  
 ”سفر نے استنباطی نظروں سے اسے دیکھا۔  
 یہ۔۔۔۔۔ جو ویل صاحب نے کہا۔ وہ مجھے  
 ماری ہے اور ایک حصہ آپ کا۔“  
 اب ماری بھی ہوئی میں آئی۔  
 وصیت تو اس نے سنی ہی نہیں تھی۔ اس کا دل تو  
 یہ سوچ سچ کر دکھتا تھا کہ اس کے بیٹے کا آگن اب

لگا۔ وہ کیا سوچ رہا تھا اور کیا ہوا تھا۔

☆☆☆☆

سفر بھائی واپس جاتے ہوئے گھر کے کاغذات  
 اس کے نام گئے۔ لاکھنؤ گھر کے کاغذات۔ جب  
 اس نے بہت اصرار کیا تو بولے۔  
 ”بھئی اسی کی فکر سے ناں کر سہا کی خواہش  
 کے مطابق ایک حصے کی رقم مجھے حاصل ہو جائے، تو  
 ٹھیک ہے، جب بھی ممکن ہو، دو رقم مجھے بنوایا۔ مگر  
 دیکھو خواہ وہ جلدی چائے کی ضرورت نہیں۔ جب  
 آسانی ہو تب۔“

مگر وہ اب یہی چاہتی تھی کہ جتنی جلد ہو سکے،  
 ایسا کر لیا جائے۔  
 اور یہ سب ہی ممکن تھا کہ جب سما کا مگر فروخت  
 ہو جاتا۔ اگرچہ بہت مشکل تھا یہ فیصلہ۔ لیکن کرتا تھا۔  
 اسے شائق کی طرف سے فخر دے جوتھا۔  
 یقیناً شائق کو اپنی غلط فہمی پر شرمندگی تھی۔  
 سفر بھائی پر شک کرنا اس کی کوتاہی تھی، یہ بارہا حلیم  
 کر چکا تھا۔ لیکن وہ جو کہتے ہیں ناں۔ رزنا زمین  
 اور زین لہاری جو۔۔۔۔۔ تو یہی کہات ماریہ کو خوف زدہ  
 کرتی تھی۔

اگر کل اس کی شرمندگی ختم ہو جاتی تو۔۔۔؟ وہ  
 زور دیتا سفر بھائی کے حصے کو بھلا دیا جائے تو؟  
 اس کی بات تو الگ خود بارے اپنے بارے میں  
 نہیں کہہ سکتی کی کل اس کی سوچ کیا ہو۔ اخراجات  
 جتنی تیزی سے پڑھ رہے تھے۔ وہ بھی بدل سکتی تھی۔  
 آخر خبر کی تو آئی ہی تھی۔ ایک کھنڈری بچی سے  
 یونیورسٹی کی شادی لڑکی اور شادی کے بعد ایل ڈاگ  
 سنجیدہ ذمہ دار خاتون، کتنے روپ بدل ڈالے تنہا اس  
 کی شخصیت نے۔ تو کیا پتا خود اس کی نیت ہی بدل  
 جانی۔ مگر سب سے بڑا کہہ، آج کل ایک کچھ سال بعد  
 اس کی اور شادی کی خواہ پہلے سے بہتر نہیں لیکن ان کے  
 پاس اتنی رقم کہاں سے آئی کہ سفیر بھائی کا حصہ ادا  
 کرے؟ وہ؟ کتنے بھی نہیں لیکن ان میں اس کا حصہ ادا  
 قرض ادا ہونے سے رو جاتا۔ سو سما کی وصیت پر عمل

کرنے کے لیے بیٹے کا آگن پر ایک کرنا ضروری ہو گیا  
 تھا۔۔۔۔۔!  
 اس نے شائق سے کہہ دیا کہ جلد از جلد مگر  
 فروخت کر کے سفر بھائی کی رقم ان کے حوالے کر دیں  
 اور باقی رقم سے کوئی ٹھیک خرید لیں۔  
 فیصلہ تکلیف دہ مگر ایمان وادری پر مبنی تھا۔ اور  
 اسے اپنے کام ایمان وادری سے انجام دینے تھے۔  
 بانی اللہ پر بھروسہ دینا تھا۔

☆☆☆☆

”تمہارا دامخ تو نہیں خراب ہو گیا، مجھ پر حکم چلا  
 رہے ہو۔“ اسے میری بچہ ہے، جو دل چاہے  
 کروں۔ تم کو من ہوتے ہو بولنے والے۔“  
 ”ارے اب یہ کیا کہنا ہو گیا۔ کس سے اچھے  
 رہے ہیں؟ اس نے گھر کی سے بھاگنا۔ دو دن پر بات  
 کر رہے تھے۔ بات کیا کر رہے تھے۔ باقاعدہ لالہ  
 پہلے دور ہے تھے۔  
 اس نے گھر کی بند کر دی۔ بہتر ہے مجھے آواز نہ  
 ہی آئے۔ ابھی کی منشی کو بھینچنے کی جہت نہیں تھی۔  
 دل واپس نہ اور اس پر ہاتھ۔  
 اس نے قید اسکول کے کلاسوں پر رگڑ کر لی۔

سالانہ نکلتی کی تیاریاں جاری تھیں۔ نظم کی اس کی  
 کو لکھ کر حضرت سلمان اور اسلام اور ملکہ سائے  
 نہیں منظر میں تھی۔ جسے پروگرام کے دوران پڑھا  
 جاتا تھا۔ تمام اثر کے ساتھ  
 یہ حق کے دور کا ہے ایک قصہ  
 تھا کہ ایک دن دربار کا  
 تو بھنگی بھر کے جتنے چانور تھے  
 سب ہی پیشہ حکم کے آگے  
 ہی نے نام لے کر کھانا پڑا  
 قید ہو کر وہاں حاضر نہ پایا  
 کی بولے کہ اسے میرے ملاوٹوں  
 زرا بد کی تو جا کے خبر لو  
 ابھی منگل میں تھا۔ ذکر جاری  
 کہ یہ بد کی بھی آج بھی سواری

کہا کہ ہمیں اس نے کآقا  
 چلایا ہوں میں تو سو سکا  
 کہ ان کو کوئی کی سدا بھ نہیں ہے  
 ”نہیں، اسلام کی دعوت میں دوں گا۔“  
 ”اسلام کی دعوت؟“  
 وہ کہی تھی۔ ہاں ٹھیک تو ہے۔ سب نبی دین اسلام  
 ہی نے لکھے۔ مگر نہ ان میں تو یہی کر لی۔  
 باہر سے آداب ان تیز ہو گئی تھی کی کو لڑکی کے  
 کمزور ہوتی ہیں ان کا بوجھ اٹھانے سے قاصر ہو گئے  
 تھے۔  
 ”میں اس کا فرق پڑا ہے۔ تم رہو سہ سے  
 پہلے تو کبھی خیال نہ آیا کہ ماں باپ کا کیا حال ہے  
 آج بہت کمزور ہیں۔“  
 ”آخر آپ کس سے بات کر رہے ہیں۔“  
 ”کیا عثمان بھائی سے۔۔۔؟“ وہ گھبرا گئی۔ ان  
 سے لاکھ شکایتیں تھیں، لیکن بھگڑا تو بھی نہیں کیا تھا  
 پہلو کی اولاد ہونے کی وجہ سے ای کی تو جان ہی  
 عثمان بھائی میں تھی۔ بابا سے آخر خبر کی کی نہ تھی تھی۔ نہ  
 عثمان بھائی کی، نہ ہی شائق کی!  
 ”ہاں تو تم بھول کر میں رو لیتا ناں، جب بھی  
 آؤ۔“

”لو بھئی۔۔۔۔۔ اتنی جذباتیت؟“ انہما گھر ہو  
 ہوئے پائوں کی بائیں کرنے لگے۔ ”وہ سکرادی۔  
 ہو سکتا ہے، شادی سے جتنے چل رہی ہو۔ اکثر ان  
 کی لڑائی میں شائق کو گھر سے نکل جانے کا حکم مل  
 جاتا تھا۔ وہ صبر سے تو خیر کیا لگتے تھے۔ البتہ ذہنی طور پر  
 ماریہ لاؤنچ سے ضرور نکال دیتی تھی، تاکہ بحث ختم ہو  
 سکے۔  
 اس نے فی الحال شائق کو بٹوں میں ہی رہنے دیا  
 اور دو بار دہڑھنے لگی۔  
 کہا تھا جو بی کر کے کھایا  
 سب کھل میں پیٹا دیا  
 بہت حیران ہوئی ملک سہا کی  
 کہ یہ نامہ ہے یاد تو ہے حق کی؟





چنگانی تھیں کہ اس طرح ہاں کروادھ فوراً ہی شادی کا مطالبہ شروع ہو جاتا ہے۔ یہ بھائی کی نوکری لگ جاتی تو وہ جیسے کے متعلق کچھ سوچ سکتی تھیں۔

☆ ☆ ☆  
اس دن وہ دونوں کھانے کے لیے باہر آ گئی تھیں۔

”یارا تمہاری امی نے تمہیں بچوں کے باپ سے شادی کیوں کی کیا پندروند کا چکر کھاتا؟“  
نمرہ کو اس کی امی کی شادی دیکھی ایسے مرد سے جس سے ہم آہنگی نہیں ہو سکی۔ شادی کرتے ہی ہم ضرور ہاتھ۔

”مسل میں میری امی سازش کا شکار ہو گئیں۔ ہمارے ابو امی کے پردی تھے۔ امی کے والد کا انتقال ہو گیا تھا۔ امی وہیں تھیں۔ بڑی بچن کی شادی ہو گئی تھی۔ امی اور بانی ایک ہی تھیں۔ تو اب پردی ہونے کے ناطے نانی اور امی کے کام کر دیا کرتے تھے۔ وہ عمر میں ان سے اتنی چھوٹی تھیں کہ ان کے ذہن میں بھی نہیں آئی کہ کوئی ایسی دیکھائی ہو سکتی ہے۔

دوسری طرف امی کے ایک کزن امی سے شادی کرنا چاہتے تھے۔ انہوں نے خاندان میں کسی سے ذکر کر دیا۔ امی اور بانی کو اس کی بھی خبر نہیں تھی۔ وہ کزن بہت بڑے تھے، ایسے والے اور خوب صورت تھے۔ خاندان والے کیوں چاہتے کہ ان سے زبردست بندے سے امی کی بیٹی سے سہارا اور غریب لڑکی کی شادی ہو۔ انہوں نے ابو کے حوالے سے خاندان میں عجیب و غریب باتیں کرنا شروع کر دیں۔ کبھی بھتیجی کے امی اور بانی کے علاوہ ابوبھئی امی سے نکاح کرنے پر مجبور ہو گئے۔

بڑی امی تو ظاہر سے پہلی بیوی تھیں وہ کیوں قبول کر گئیں۔ ابو نے ان کو ایک کمرے کے دے دیے۔ اب طور پر بھی کی حد تک خیال رکھا نمرہ دل سے امی کو قبول نہیں کر سکتے۔ عمر کے فرق کی وجہ سے امی کی بھی ابوبھئی سے انڈرا سینڈنگ نہیں ہو سکی۔

بہن زندگی کی گاڑی کھینچتی رہیں۔  
پھر ہم لوگوں کے تعلیمی اخراجات کو پورا کرنے کے لیے امی نے چھوٹی موٹی ملازمتیں کرنا شروع کر دیں۔ اب کو وہ بھی پسند نہیں تھا سواصلے بڑھتے چلے گئے اور ہم باپ کے ہوتے ہوئے۔

☆ ☆ ☆  
پتہ چلے اور امی شہر والی بیوی تھیں۔  
واقعی ہماری سوسائٹی غلام ہے۔ تمہاری امی بے قصور ہونے کے باوجود معاشرے کا ظلم رہی ہیں۔“ نمرہ کو اس کی کہانی سن کر بہت دکھ ہو۔  
”امی تو امی ہم ان کی اولاد ہونے کی وجہ سے

بجز ہیں کہ شادی شادی شدہ بننے والے مرد سے دوسری شادی کرنے والی عورت کا کردار لوگوں کے نظر میں مشکوک ہو جاتا ہے۔ لوگ حقیقت جانے بغیر جرم بنا دیتے ہیں۔“

نمرہ، میں دوسری شادی کو جرم نہیں سمجھتی۔ ہماری فیملی میں بھی کئی لوگوں نے دوسری شادی کی ہے۔ میرے تایا کی پہلی بیوی سے اولاد نہیں تھی تو انہوں نے دوسری شادی کی۔ ہماری بیٹی میں دوسری شادی گوارہ نہیں سمجھا جاتا نمرہ کا خیال اس سے مختلف تھا۔

”اگر مرد کو کوئی مجبوری ہو تو ہماری سوسائٹی دوسری شادی کو برا نہیں سمجھتی لیکن اگر عورت کی مجبوری ہو تو دوسری شادی گوارہ بن جاتی ہے۔“ وہ ہمیشہ اس موضوع پر کافی رخ ہو جاتی تھی مجبور تو کوئی بھی ہو سکتا ہے۔

”میری امی کے کیس میں مسئلہ یا مجبوری میری امی تھی اس لیے وہ اب تک سزا کا شمدہ ہیں۔ اگر اب کو کوئی مسئلہ ہوتا اور وہ مجبوری میں امی سے شادی کرتے تو آج صورت حال مختلف ہوتی۔“ اس کے انداز میں دیکھا۔  
”بہن تو تم ٹھیک ہو تم ہم تم کرتا دوسری شادی والے سے.....“ نمرہ نے ماحول کو نازل کرنے کے لیے ہلکے سے انداز میں بات کو ختم کیا۔  
”تمہاری دین آنے والی ہوئی۔ اب چلیے

☆ ☆ ☆  
”ہاں واقعی کافی دیر ہو گئی ہے۔“  
☆ ☆ ☆

زندگی کی جدوجہد کرتے کرتے اور حالات سے لڑتے لڑتے عید کی رات بونیک کی محبت اب گرتی جا رہی تھی۔ عید کو ان کی محبت کی بہت فکر رہنے لگی تھی۔ آس سے اس کی خوش ہوئی کہ ہلکا ہلکا چڑھ چکا تھا۔ نمرہ جو اس کا چھوٹا بھائی تھا۔ اس نے ایک جگہ جوں جوں کہ لیا تھا نمرہ نوکری قابل اطمینان نہیں تھی اور تمام تر اچھے تعلیم پر تیار

کے باوجود ابھی نوکری کا حصول مشکل ترین ہوتا جا رہا تھا۔ جیسے نہ نمرہ سے بھی بات کی مگر اس کی کوشش بھی بار آور نہیں ہو سکی۔  
☆ ☆ ☆  
اس دن وہ دونوں حسب معمول لچ پر یک میں ساتھ تھیں۔

”ارے تمہیں نیو لی۔“ نمرہ نے اپنا نمک پوچھا۔  
”دونوں ہی نیو۔“ عید شاید گھر پر لیو پر پٹائیوں کی وجہ سے اس قدر سڑب سڑب تھی کہ آس میں اپنے کام کے علاوہ کوئی چیز نہیں ہو سکتی۔  
”انٹرنڈر اسٹریٹ پر اسٹریٹ بورڈ ہے۔ میں۔ سی ای اوبدل گھر میں ہیں پہلی کے۔“

”اچھا کب۔“ اب کے وہ بھی چونک گئی۔  
”عرفان صاحب کو فارغ کر دیا گیا ہے۔ کوئی نئے سی ای او آگئے ہیں۔ سنا ہے کافی سخت ہیں۔“

”انڈر ٹیر کرے..... امی کی طبیعت بھی آج کل خراب رہتی ہے مجھے نوکری کی اشد ضرورت ہے۔“  
”ارے نہیں وہ نکال نہیں رہے ہیں، صرف ٹرانسفر کر رہے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ لوگ گریپ بنا لیتے ہیں اور کام نہیں کرتے۔ شاید تمہارے پاس بھی تبدیل ہو جاویں۔“ اس نے کافی تفصیل سے بتایا۔

”اچھا، کھڑے۔“  
”تمہارے سیکشن کے لیے تو کسی نام بھی آ گئے ہیں۔“ اس نے مزید اطلاع فراہم کی۔  
”ابھی بیڑ مزید مت ڈراؤ۔“ اتنا ہی سن کر میری جان ٹھن رہی ہے۔

☆ ☆ ☆  
”اور اور۔۔۔“ اس نے پھینچنے کے انداز میں کہا۔  
”اور کیا۔“  
”اور اور۔۔۔“ اس نے پھینچنے کے انداز میں کہا۔  
”اور اور۔۔۔“ اس نے پھینچنے کے انداز میں کہا۔

”واقعی۔۔۔ یہ تو خوشی کی خبر ہے۔“  
”ارے نہیں، نہ کہ مجھے تو شادی تو کسی سالوں سے باہر تھا۔ اس کی شادی ان کی بیٹی سے ہو چکی ہے۔ نمرہ کی شادی کر دہ۔“  
”استان آئے گا کہ اب شادی کرے گی۔ وہ جرنی سے ڈاکٹر بن کر رہا۔“  
”اور اور۔۔۔“ اس نے پھینچنے کے انداز میں کہا۔  
”اور اور۔۔۔“ اس نے پھینچنے کے انداز میں کہا۔

”تو تم چاب چھوڑ دو گی۔“ عید اس کو بھی۔  
”نہیں، امی تو کیا کوئی پلان نہیں ہے۔ بانی فائدہ کو خرچ ہے۔ ہم اس سے بہم کو رخصت کر کے سی جاؤں گی۔“  
”چلو ایسا تو دور دور تک ایسے کوئی آثار نہیں ہیں۔“  
”چشمر کا۔“ دیکھو۔ کوئی آثار نظر آ رہی جا نہیں ہے۔

”چشمر کا۔“ دیکھو۔ کوئی آثار نظر آ رہی جا نہیں ہے۔  
”چشمر کا۔“ دیکھو۔ کوئی آثار نظر آ رہی جا نہیں ہے۔  
”چشمر کا۔“ دیکھو۔ کوئی آثار نظر آ رہی جا نہیں ہے۔  
”چشمر کا۔“ دیکھو۔ کوئی آثار نظر آ رہی جا نہیں ہے۔  
”چشمر کا۔“ دیکھو۔ کوئی آثار نظر آ رہی جا نہیں ہے۔

اپنے کمرے کی طرف جاتے ہوئے وہ سوچ رہی تھی اگر اس جتنی میں غم سے دوستی نہ ہوگی تو وہ تو مری جاتی۔

☆ ☆ ☆

”ارے مس عید! آپ کہاں تھیں؟“ ابھی وہ سیکشن میں داخل ہوئی تھی کہ صدر شہر دڑ سائے گیا۔

”خیر تو ہے؟“ وہ بھی گھبرا گئی۔  
”کتنے سانچ اڈوی آگئے ہیں۔“ شہر دڑ نے دھماکا کیا۔

”اللہ خیر، تم سے کس نے کہا۔“ اس کی تو روح لرز گئی۔

”کئی نے کیا کیا آڈو تو صبح ہی آگئے تھے کھلے سے وہ جو ان کریں گے۔“ شہر دڑ نے مزید معلومات فراہم کیں۔

”سارے کام چیک کر لیں۔ کوئی کنہ نہ رہ جائے۔ شروع میں اچھا تو دے دیں بعد میں سب ٹھیک ہو جائے گا۔“ اس نے مشورہ دینا اپنا فرض سمجھا۔ شاید پریشانی عید کے چہرے سے عیاں تھی۔

”مسٹرائی کا ہے۔“ اس نے دل میں سوچا۔  
☆ ☆ ☆

وقت کے گزرنے کا پتا ہی نہیں چلا۔ مری کی شادی ہو گئی۔ وہ جا ب تو مری کی مگر اب اس کے پاس وقت کم ہوتا تھا۔ اسی کی طبیعت روز بروز بگڑتی جا رہی تھی۔

”نہد یہاں ملازمت کی تلاش سے تنگ آ کر باہر کے لیے کوشش کر رہا تھا“ یہ سوچے بغیر کے اس کا ادراک کیا گیا ہو گا۔ ای ایک طرف نپے کے لیے دوسری طرف اس کے لیے پریشان رتی میں اب رشتوں کے لیے جوگی آتا۔ ان کو اس کی عمر زیادہ تھی۔

اس دن دوسرے کے ساتھ ہی جتنی

”ایدا! نہد کی باہر جانے کی ضد بدھتی جا رہی ہے۔ میں ادراک تو بہت پریشان ہیں۔“ ابھی وہ یہ

باتیں کر رہی تھیں کہ فون کی بیل بجی۔  
”اللہ خیر! آپ کا فون ہے۔“ آپ کی سہمی فون نہیں کر لی تھیں اس لیے گھبراہٹ ہوئی۔

”سید! فوراً“ گھر پہنچو، اکی کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔“ وہ کائی پریشان لگ رہی تھیں۔  
”کیا ہوا؟ تو آئی بچہ بتائیں تو۔“ وہ خود بھی پریشان ہو گئی۔

”بھئی! کئی کمرہ پہنچو.... جلدی کرو، نہیں بلکہ اسپتال آ جا۔ ہم اکی کو اسپتال لے کر جا رہے ہیں۔“

اس کے لیے قیمت کا دن تھا۔ اسی دن دن اسپتال میں رو کر خاف خفقی سے چائیں۔

اس کو ایک ناک پر تھا کہ اس کے سر سے چھت بہت گئی ہے اور چھتا۔ ایسا ہی ہوا تھا۔ نہد گھر پہنچا پاتا تھا۔ اسے باہر جانے کے لیے پیسے چاہیے تھے۔

”میں کہاں جاؤں گی؟“ اس کے آنسو روک نہیں رہے تھے۔  
”تم آئی کے پاس روکو۔ میں رہیں پیسے پہنچا رہوں گا۔“

وہ حیرت سے بھائی کی شکل دیکھ رہی تھی۔ اس کے بعد اس نے ایک لٹکا نہیں کیا۔ اب اگر آپ کی زندگی جا چیں تو اسے ان کے گھر مستقل رہنا تھا۔ وہ

کوشش کی بجائے لے چکا تھا۔ تاپا یا بے سمجھا نے کی کوشش کی تو اس نے ان سے بھی کائی پر تیز کر لی۔ وہ بھی پیچھے ہٹ گیا۔ وہ اسے گھر نہیں لے جاسکتے تھے۔ کیونکہ وہ گھر اب ان کے بیٹوں اور بہوؤں کا تھا۔ ان کی اس کمر میں بالکل نہیں چلتی تھی۔

☆ ☆ ☆

آپ کی گھر میں منتقل ہونا آڈامشوں کا ایک نیا سلسلہ تھا۔ ظفر بھائی سے وہ پہلے بھی فاصلہ

رہی تھی مگر اب پروت ان کا سامنا۔  
وہ جتنی نیک کام کرتی تو اچانک جیسے آ کر کھڑے ہو جاتے۔ کئی جان بوجھ کر کھڑے ہوتے

گھومتے۔ وہ آپ سے بھی کچھ نہیں کہہ سکتی تھی۔ نہد لے آپ کی گھر میں کھڑے ہو جاتا تھا مگر چھوٹے چھوٹے کاموں کے لیے اسے پیچھے ہی رہنا پڑتا اور وہ تمام وقت کی آڈامش کے میں نہیں ہوتا۔

آپ کا وقت ختم ہونے کے بعد اب اس کا دل نہیں چاہتا تھا کہ جانے کا اس دن وہ جان بوجھ کر بریک نہ لگے۔ اسے اندازہ بھی نہیں ہوا کہ پورا آپ خالی ہو چکا ہے۔ گھبراہٹ میں ساری چیزیں سیٹ کر تیزی سے باہر کی طرف بھاگی کر کوئی باڑے سے بند نہ کر دے۔ اس تیزی میں

سامنے سے آپ کی شاہد صاحب ظفر نہیں آئے اور ان سے بری طرح ٹکر ہوئی۔ شہر دڑ کی نظر چمکا کے دوسری طرف سے لٹکا چاہا تو شاید وہ بھی اسی طرف سے لٹکی کی کوشش کر رہے تھے۔ ایک دفعہ پھر عداوت ہو گیا۔

”خیر تو ہے؟“ مس عید اکی پریشانی سے۔ شاہد صاحب کائی ڈسینٹ آئی تھے۔ ان کا نونہر دیکھا کہ وہ کئی پریشانی میں ہے۔

”بھئی! کئی کی بات نہیں ہے۔ بس دیر ہو گئی ہے اس کے لیے پریشانی ہو رہی ہے۔ پتا نہیں اب کوئی سوری لے گئی یا نہیں۔“

”آپ کا گھر کہاں ہے میں پھر دیر ہونا۔“ انہوں نے بڑے انداز میں اسے آخر کی۔  
”سیرا گھر۔“ زبان پر یہ الفاظ آنے لگے کہ وہ پھر آباؤ اجداد کو کوشش کے باوجود آٹو سو کو نہ دوک سکا۔

”ریٹیکس مس عید! اندر آئیے۔“ انہوں نے اندر بوجھ رہے ہوئے پویش کو سنبھالنے کے لیے اسے آپس کے اندر آنے کے لیے کہا۔

”بھئی! سیرا گھر دیر ہو رہی ہے۔“ جلدی بندھی فٹو سے آگئیں صاف تھیں۔  
”چلیں میں ڈراپ کر دیتا ہوں۔“

اس وقت وہ انکار کرنے کی پویش میں نہیں تھی۔ انہوں نے مزید کوئی سوال نہیں کیا اور قرعہ شاپ پر ڈراپ کر دیا۔

اس کے ہونہر کا وہ دن۔ بد دن خراب ہوتا جا رہا تھا۔ آپ کو تو اندازہ نہیں تھا یا وہ ظفر اندر کر رہی تھیں یا شاید مجبور تھیں۔ اب اسے شدید محسوس ہونے لگی۔

شاہد صاحب آج اڈوی تھے۔ عام حالات میں ان سے سامنا بھی ہوتا تھا مگر آپ کیونکہ وہ آپس سے دیر سے مل گئی تھی۔ اس لیے آپ کا کھڑا کر رہا تھا۔ اس دن ایک دفعہ چھوڑ دیا۔ اس دن ان کا کھڑا کر رہا تھا۔ اس نے بہت کر کے پوچھ لیا جس پر وہ چونک گئے۔

”کیوں۔ کس کے لیے؟“  
”مجھے جانا ہے۔“ منتقل آنسو روکے۔  
”کیوں خیر تیرے ہے۔ آپ مجھ پر اعتماد کر سکتی ہیں۔“  
اس کا خود بھی دل چاہ رہا تھا ان براہمتکار نے کو اس نے ساری کہانی ان کے کوئی گزار دی۔  
”دیکھیں، دارالامان کا تو میں آپ کو مشورہ نہیں دوں گا۔ آپ ایک کچھ بھی ملازمت پیش خانوں میں۔ عزت کی زندگی گزارنا آپ کا حق ہے۔ اگر آپ کچھ دن بہن کے گھر گزار سکتی ہیں تو میں کوئی انتظام نہ کرنا ہوں۔“  
”سرواے تو میرے لیے ایک ایک دن ہماری سے کچھ ان کوئی امید نظر آئے تو چند دن اور گزاروں گی۔“ وہ نے میرے پاس اس کے سوا کوئی راستہ نہیں ہے۔

اس کی شاہد صاحب کا ہے۔ یہ گاہے اس کی خیریت سے معلوم کر لیتے۔ انہیں اس کے چہرے اور کرنی صحت سے اس کے حالات کا اندازہ ہو رہا تھا۔ اس دن ابھی چھٹی کا وقت نہیں ہوا تھا کہ شاہد

صاحب نے اسے اپنے آفس بلا یا۔

”میں عید اچھے آپ سے کچھ بات کرنی ہے۔ آپ میرے ساتھ چلیں پھر میں آپ کو گھر ڈراپ کر دوں گا۔“

”شیو سرا! میں اپنا سامان لے کر آتی ہوں گاؤں میں بیٹھنے میں انہوں نے اپنی بات شروع کی۔ ”بیٹھا! میں نے کالی کوشلی ہے اور کالی سوچا ہے آپ کے مسئلے پر۔ میرے پاس ایک تجویز ہے آپ کے لیے۔“

”جی ہاں۔“

”میرے پاس ایک فلیٹ ہے اس میں کرائے دار ہیں۔ میں وہ خالی کروا دیتا ہوں، آپ اس میں شقت ہو جائیں۔“

”لیکن سر، میں اسکی کیسے ہوں فلیٹ میں۔“

”پاس یہ مسئلہ ہے اس پر آپ غور کریں۔“ ان کا انداز کچھ مختلف تھا۔

رات میں اس نے فرہ کو فون کر کے ساری بات بتائی تو اس نے جو کہا، وہ اس کے ہونٹ اڑانے کے لیے کافی تھا۔

”میرا خیال ہے، وہ تم سے شادی کرنا چاہتے ہیں۔“

”میں نے اس کی آنکھوں میں تھرا ہے لیے پسند کی دیکھی ہے۔ تم سے ذکر اس نے نہیں کیا کیونکہ تاکہ وہ نہیں تھا۔“

”تم نے نہ دیکھی ان کی دیکھی۔“ وہ چیخنے کے انداز میں بولی۔

”کہا تھا میں بی بی! ہم زنی چاہیے کہ پرمگن لیتے ہیں۔“

”میں یہ مانگ رہی ہوں۔ وہ شادی شدہ ہیں۔“

”میں ایسا سوچ بھی نہیں کرتی۔“

”خیر، راجی! انہوں نے ایسا کچھ کہا تو نہیں۔ تا۔ میرا خیال ہے لیکن ایک بات یاد رکھو، نہیں اس وقت ہمارے کی ضرورت ہے، جائز ہمارے کی یہ کہہ کر فرہ نے فون بند کر دیا۔“

فرہ کی بات درست تھی۔ اگلے دن انہوں

نے اس کو نکاح کی پیش کش کر دی۔

”مگر اس پر شادی شدہ بچوں والے ہیں۔“

”اس میں کوئی شک نہیں اور میں اپنی زندگی سے مطمئن بھی ہوں لیکن میں سمجھتا ہوں کہ آپ کو اس وقت ہمارے کی ضرورت ہے اور میں آپ کو وہ بہانہ اپنا کر تم کہتا ہوں۔“

”سر! میری ماں نے دوسری بیوی کی حیثیت سے زندگی گزاری ہے اور ہم جانتے ہیں کہ دوسری بیوی اور اس کے بچوں کی کیا حیثیت کیا اوقات ہوتی ہے۔“

”ہر کوئی آپ کے والد جیسا نہیں ہوتا۔ میں نے بہت سوچ سمجھ کر فیصلہ کیا ہے۔ بہر حال آپ سوچ کر مجھے جواب دیں۔“

”پاس تم کو درد۔“ فرہ کے اس مشورے پر وہ کھول کر رہ گئی۔

”تمہارا دماغ ٹھیک ہے۔ تم مجھے یہ مشورہ دے رہی ہو تم تو سب جانتی ہو۔“

”میں سب جانتی ہوں اس لیے یہ کہہ رہی ہوں۔“ اس نے انتہائی اطمینان سے کہا۔

”دیکھو عید! آئے والا وقت اس سے بھی زیادہ صابک ہو سکتا ہے۔“

”مگر! آپ کو یقین نہیں مائیں گے۔“

”کون! آپ کی جوت کو اپنے شوہر سے تحفظ نہیں دے رہی ہیں اور وہ دیکھ جائے کیر یہ زور استعمال کی خاطر تم کو یہ سہارا چھوڑ کر چلا گیا۔“

”وہ بھی مجھ تھا۔“ اس نے قہر کا کزور سا دناغ کیا۔

”تم مجھے مجبور ہو اور شاید صاحب اچھے آدمی ہیں۔ تمہیں ان کے پر دوپٹل پر غور کرنا چاہیے۔“

آئی سے تو بات کرنے کی بھی ہمت نہیں تھی اس کو خیال تھا کہ شاید صاحب کا پر دوپٹل کی طور پر قائل قبول نہیں ہے۔ ایسی صورت میں جب وہ اپنی ماں کی بے بسی زندگی دیکھ سکی ہے اور لوگوں کی جن جن نگاہوں اور جن باتوں کو اس خاندان نے برداشت کیا تھا، اس صورت میں تو اس کے لیے اس

پر دوپٹل کو قبول کرنا ناممکن تھا۔

اس دن وہ حسب معمول دیر سے گھر پہنچی۔

آئی اور بیٹے کی دعوت میں جانے کے لیے تیار تھے۔ منظر بھائی کا انتظار تھا۔

”آئی! آپ لوگ کہاں جا رہے ہیں۔“

اس نے پوچھا۔

”میرے سرال میں شادی ہے۔ تم گھر آنا نہیں، اندر سے دروازے اچھی طرح بند کر لیں۔“

آئی نے اس کو دلاسا دیا۔

”ای! پاپا کب آئیں گے۔“

”اپنی دیر ہو رہی ہے۔“

”چھوٹی خرید ہے جیسا ہو رہی تھی شادی میں جانے کے لیے۔“

”مگر وہ تمہارے پیپا کو فون کرتی ہوں۔ کہاں رو گئے ہیں۔“

”جی! کہاں ہیں آپ! ہم سب کے ساتھ ہیں۔ آپ نے منظر بھائی کے فون اٹھائے تھے گھر گیا۔“

”اچھا ٹھیک ہے۔“ درہ کی طرف سے نہ جانے کیا کہا گیا کہ آئی نے اچھا کر فون بند کر دیا۔

”جی! تمہارے پیپا گھر رہے ہیں تم لوگ کسی کے بیچ جاؤ، وہ وہاں بھی پک کر کریں گے۔“

”بچوں کے بچہ نما نہ آئے۔“ تاہم وہ دلچسپی سے ہی روانہ ہوئے۔ کھانے اندر نماز سے فارغ ہو کر اچھا وہ سونے کے لیے لیٹنے کی تیاری ہی کر رہی تھی کہ مین گیت کھلنے کی آواز سے چونک گئی۔

منظر بھائی اندر داخل ہو رہے تھے اور ان کے ساتھ کوئی بھی نہیں تھا۔ یہ دیکھ کر اس کا سانس رک گیا۔

منظر بھائی کی آنکھوں میں شیطانیات بالکل عیاں تھی۔ اب کیا ہوگا۔ اب وہ کیا یاس کا خدا۔

”عید اچھا! انہوں نے لاؤنچ سے ہی اس کو آواز دی۔“ یعنی انہیں پتا تھا وہ گھر میں اس کی نہ چاہتے تھے۔

”جی! میں اسے چاہتا ہوں۔“

”ذرا بی تو تانا تاغز پادول تھا۔“

”جی! اچھا! وہ پانی لینے بچن میں گئی تو وہ پیچھے آ

کر کھڑے ہو گئے ان کی نظروں میں نہ جانے کیا تھا کہ اس نے گلاس پھینکا اور تیزی سے بھاگ کر کمرے میں گھر کر دروازہ بند کر لیا۔

”دروازہ کھولو۔۔۔۔۔۔ وہ زور زور سے دروازہ بجا رہے تھے۔“

خوف سے اس کی جان نکلی جیسا تھی کہ کیا کر دوں کس کو بلاؤں اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔ پتا نہیں اس کے دل میں کیا آ یا کہ پرس اٹھایا اور دروازہ کھول کر تیزی سے باہر نکل چلا گیا۔ وہ کچھ دیر تک اس کے پیچھے آئے اور پھر واپس چلے گئے۔ اب اس گھر میں واپس جانے کی ہمت نہیں تھی۔ ایسے میں صرف ایک نام ہی اس کے ذہن میں آیا۔

☆☆☆☆

”تمہارا کیا ارادہ ہے،“ جاب جادی رکھی ہے یا چھوڑ دو گی۔“

شاہد صاحب سے نکاح کو ایک ہفتہ ہو چکا تھا۔ ان کی پہلی بیوی اور ان کے بیٹے بہت نہیں طبیعت کے تھے۔ پورے خاندان نے مکمل دل سے اس کو تسلیم کیا بلکہ تمام بچوں نے اپنی طرف سے تحائف بھی دیے۔

”جیسا آپ بھئی سناں ہے کچھ شرم کے ساتھ کہا۔ نکاح کے بعد سب سے ان کے بات کرتے ہوئے اسے بھگ محسوس ہونے لگی تھی۔

”میرا خیال ہے کہ کچھ دن آپ ریٹ کریں پھر دیکھیں گے۔“

اسے کسی شریک سفر کے ملنے پر وہ دل سے خدا کی گزرتی رہی ٹھیک ”کر۔“

اس کی زندگی کے ساتھ لگ گیا تھا جس کے ساتھ اس کو زندگی گزار لی تھی۔ اپنی اپنی جیسی نہیں اس سے بہتر لیکن بہت سارے کچھ وہ ماؤں کے ساتھ۔ مزید سونے کا وقت نہیں تھا۔ شاہد صاحب باہر کھڑے اس کا انتظار کر رہے تھے انہیں اسکی جلی ڈنر میں جانا تھا۔

☆

## مکمل ٹول

وہ ایک پھر لی روش۔ چلتی جا رہی تھی جہاں  
سڑک کے بچ اور کناروں پر بھی جا بجا پتھر اکڑے  
ہوئے تھے۔ جب وہ اپنے مطلوبہ مقام سے بھی  
آگے نکل گئی تو ساتھ چلنے والا شخص کا ضرور مگر  
خاموشی سے چلا رہا۔ راہ میں آئے لاکھوں اور چھوٹے  
بڑے اکڑے پتھروں میں سے وہ ایک پتھر اٹھانے  
کو نکلی وہ انگوٹھی ساڑ کا پتھر شاید بڑا تھا۔  
”تم اپنی چیزوں سے کتنی آسانی سے دست  
بردار ہو جاتی ہو۔“  
وہ جملہ سوال نما تھا جو کہ عام سے لہجے میں ادا  
کیا گیا تھا پھر بھی وہ اپنے پورے وجود سمیت غم کی لہی  
جیکہ وہ چیزوں کی بات کر رہا تھا۔  
وہ پتھر جسے وہ اٹھانا چاہتی تھی سبز تھا، نیلا یا  
فیروزہ۔ اس کی آنکھوں کے سامنے رنگ گڑب  
ہوئے۔ اگر وہ اس جملے کو اپنے احساسات کے معنی  
فرزادہ کر ل

## محبت پتھری کی جیسی





اگلے ہی بل اس شخص نے جبکہ رو ہی پتھر اٹھا لیا پھر وہ قدم پیچھے ہٹ کر اس کے مقابل آیا اور لڑی کے پیچھے بیٹھے سے چہرے پر نگہ جمائی۔ (بیشک کی طرح ان آنکھوں کو کھینچنا آسان نہیں تھا)

”اور جیسا کہ.....“ وہ لب کشا ہوا پھر بات اور دوسری چھوڑ کے لڑکی کے ہاتھ پر وہ پتھر رکھا اور لب پہنچنے کے رد میں لڑکی نے دیکھا۔ اس کی پیشانی کے کچھ ابھرنے والی سلولٹ لا پر اور لب بے نیازگی جیسے وہ اسے وہیں چھوڑ کے خود پلٹ کر جانے والا تھا اور وہ تو اپنا مطلوبہ مقاصد تک پہنچے چھوڑ چکی تھی۔

☆☆☆☆

”رواں سال میں سر دی بیلا نے مہمانوں کا سا ہی رد عمل ادا کر دی ہے۔“ اپنے والد خالات کا اظہار فرمانے کے بعد الوینہ زینا خبر پڑتے سرملین کے ساتھ ہلک گئی۔

”اؤہوں بڑی بات‘ مہمانوں کے لیے ایسا سوچتے ہیں بھلا؟“  
عجبت آیا پاک فوری اعتراض ہی بدمعہ گھوڑی کے اس بے ریبو کیا۔ جو کلام سے ہاتھوں کا سامان کر داری تھیں۔

”اب سر دی کا احساس دلائی دیا ہے تو یہاں بیٹھے کے بجائے جگن میں جاؤ۔ آج سڑے سے اور دس بیٹے سے پہلے تصور لی کر لکھنوں میں دیکھا جا سکتا ہے۔“ سرملین نے بہن کو کھم دیتے ہوئے شمارہ پاک ایک انجینیئر کی نظر ڈالی۔

”لو فو جن میں جانا کون سی بڑی بات ہے میں یوں گی اور یوں آئی۔“ الوینہ نے اٹھنے میں کچھ زیادہ ہی پھرتی دکھائی۔

”یوں سرور جاؤ گمراہ آتے ہوئے تمہارے ہاتھ میں جائے گا کپ ہوتا جا ہے۔“  
اس نے سگراہٹ دیا ہے ہوئے بہن گھوڑا جو انتہار دے گی کام چوری اور جسے سوچے کچھے جا بولنا اگر کھڑک پڑا جاتا تھا بہن حال وہ خود کو کئی گن میں جا

دی تھی۔

”او..... ہاں..... مہمان سے یاد آ رہا تھا کہ پچھو چھو کا فون آیا تھا۔ وہ اپنے آنے کا تاروی تھیں۔“

سرملین نے آپا کو پیخردیتے ہوئے دل دی ول میں بہن کا شکر یہ ادا کیا ورنہ یہ پیغام تو اسے بیجا پھو چھو کا سامنا کرنے سے ہی یاد آ تھا۔ پھر جو اس کا حال عجیب آپا نے کر تھا کر لالیاں۔

”ہش..... شاداشے تم مجھے بتا رہے ہو۔“  
ساتھ ہی آپا کی پیشانی شکن آلود ہوئی۔  
”اللہ دے آپا ارات اور اب منج کے کو بیچے درمیان میں کون سی صدیاں گزر چکی ہیں۔“

آپا کی دوسرے سہر والی بھائی روتی جمائیاں روئی کرے سے باہر آئیں۔ اب بیٹے کی حمایت میں ہونا تو لازمی تھا۔

”ہاں، ہاں جاتی ہوں، درمیان سے بار دیکھنے کی گزر رہے ہوں گے۔“ مگر بیبا کی کیا بات ہے، بس آنے کا پیغام دے دیتی ہے۔ نہ کوئی دن نہ تاریخ۔ ارے اس لڑکی کا کیا اعتبار کھٹلے ایک کھٹلے بعد یہاں سامنے کھڑی ہو۔“

ایک تو عجبت آپا اس مہمان کی سالہ پر ہنسنہر رہتی تھیں۔ اس بات تو سونے سے سہاگر بیبا ج عیسا مقدس فریضہ ادا کرنے کے بعد کوئی دن ہفتے پہلے ہی اپنے گھر (دین میں) لڑائی ہوں گی۔

اور آپا کے لفظ ”لڑکی“ کہنے سے پانی پتی روتی بھائی کو اچھو کر تھا۔ سرملین کے ہونٹوں سے بھی بے ساختہ سگراہٹ آئی کہ بیبا کی عمر کوئی پچاس نہیں کے لگ بھگ تو ضرور ہی کسی۔ اسے مسکراتا دیکھ کے شمارہ نے بھی شائیت بھرا سامنا لیا تھا اور آج کل اسے سرملین کے کڑے تیروں کی بدولت بھی بل جین و قرار نہیں تھا۔ اگر حساب بھی سامنے بیٹہ کر وہ اپنے سر انداز کرنے کی ہر گھن کوشش کر رہا تھا۔  
”ارے شعل.....“ بچے آج ناشہ لینے کیا

منڈی بھاؤ والد نر چلی گئی ہو؟“

قصر انوار میں آپا کی شیریں اور گونج دار آواز نے سب کو خیر خیر بے بخبود کر رکھا تھا۔  
”ایک تو اس گھر کی تینوں بیویوں کو وہ بہر میں خبر ہوتی ہے کچھ ہو چکی ہے۔“ چائے پنی شیر کی بھائی کی تھک دیکھتے ہی آپا کی زبان پھٹ گئی۔

”اللہ نہ کرے کہ بچیاں بیابنے کے بعد اگر یہ تینوں اپنے تئیں دن چڑھے تک سونے والی ہوئیں یا وہ لائیں تو مجھ بڑھیا کا کیا ہے گا۔“

عجبت آپا کی بڑبڑاتے ہوئے مشعل کے ہاتھ سے ٹانھے کی نرے پکڑی جبکہ چائے اور دی بنیم نے لا بار دوسری ایک دوسرے سے نظر چرائی تھی۔ سرملین فون پر کسی سے بات کر رہا تھا اور ندو بیاناں میں وہ لقمہ دیتا کہ ایک ننہ اور تینوں بھاد میں اب تک وہاں خوب ہی اتوار بازار لگ چکی تھیں۔

”شعل! تمہاری خالہ پر چھری نہیں، تمہارا فون کیوں بند جا رہا ہے۔“ آپا نے منہ میں پہلا نوالہ رکھتے ہی اس سے پر پھلا۔  
عجیز، جو ابھی وہاں آئی تھی، اس کا بیلا جالی کا سوٹ دیکھنے کے لائق تھا۔ مشعل اس پر سے مشکل لگا چیں بھائی خالہ کے ذکر پر فوری آپا کی طرف متوجہ ہوئی۔

”چائیں آ یا پانی۔ خودی بند ہو گیا ہے۔“ اس نے حسب عادت گول مول سجاوٹ دیا۔  
”مجھ کو شعل! تو اچھا بھلا کیسے بند ہوا۔“ آپا نگر مندی ہوئیں مشعل کی تعامیل عمل ہو چکی تھی مگر کہے اس کا باہر جانے کا جو معمول تھا اس سے رابعلی صورت تو فون میں تھا۔

”مجھ تو بھینٹا ڈونلڈ ٹمپ نے اپنے ہر کارے سے بھیج کر ہی صلہ کار کا جواب دیا۔“ اس کی سرگرمیاں بھر سے مشکوک ہو چکی ہیں۔“ چائے کے کپ کے ساتھ حاضر ہوئی الوینہ نے حسب عادت دوسروں کے کریبان میں تھکا کر خودی

سمجھا۔ سرملین نے اس کے ہاتھ سے چائے کا کپ لینے ہوئے بہن کو گھورا۔  
”تمہیں مشعل کے معاملات سے کیا لیا دینا عزیز؟“ کی طرح اسنے آپ سے ”دھیان رکھا کرو۔“

سرملین کی بھگی سرگوشی سے الوینہ نے منہ میڑھا کر کے مشعل کو دیکھا جو در حقیقت قصر انوار کے بیانیوں کے لیے سرور کی بلکہ دردی دردی سرگوشی سے عزیز کی طرح اپنا دھیان دوسروں کی ٹو دھکی تھی نہ عزیز کی طرح اپنا دھیان دھکی تھی۔

☆☆☆☆

بیبا کی پاکستان آنے کے بعد ان کے یہاں احمد اور فریڈ کا آٹھ مچی بیٹی تھا اور چٹائی کے مقابلے میں ان تینوں ویرانیوں کو اپنا معیار بلندی رکھنا تھا۔ بیکلے ان کے بچے کا کلاڑا ہوتا تھا (جو کہ ہوتا بھی تھا) حالانکہ وہ بس کھٹوں کے حساب سے حویلیاں آئی تھیں۔

کراچی میں احمد کا اپنا بڑا بڑا خوب چل رہا تھا۔ دوسری طرف دہلی میں بیبا کے شو بھر بھی انجینی پوسٹ پر لاکھوں کا، جسے یہاں تو یہ عالم تھا کہ انوار عیشی کے عہد سے رہنا کڑا ہوئے۔ مگر خیال ہے جو ایک پیر بھی حرام کا کلیا ہو۔ انوار کا بڑا بیٹا احمد پڑھتے لیٹھے کے بعد کراچی میں اپنے ایک دوست کے ساتھ مل کر کاروبار کرنے لگا تھا۔ اس سے چھوٹے دونوں احمد اور خادو ایف اسے آگے نہ بڑھنے کے سوا کچھ کے طور پر آئیں کھاتے کما نہ کویت بھیج دیا تھا۔ سب سے چھوٹا عیداری میں جب کرل کے عہد سے پہنچا تو شہید ہو گیا۔ عید کی بیوی شائستہ (نام کی حد تک) اپنی بیٹی عزیز اور بے منافق کے ساتھ حویلیاں شہر میں قصر انوار میں ہی رہنا پسند کر رہی۔

احمد خادو کا کویت میں لکڑی کا اپنا کاروبار تھا۔ دھون بھائی اچھا کھاتے تھے۔ سرور دی احمد اور سز چائے خادو کا شمار ان لوگوں میں ہوتا تھا جن کے

لے کر تھے اور محمدؐ سے دشمنوں سے بڑھ کر تھے۔  
 شائستہ کو شوہر کی پیشکش کے ساتھ ساتھ اپنے  
 بیکے سے کسی غلام میں ایک دو لکڑی والی دھن کی ہار پائی  
 کی صورت میں تھیں۔ سوان کا گڑھا ہر بیوی کی نسبت  
 کوئیں زیادہ اچھا ہو رہا تھا۔ ہاں شائستہ کو شکر کہ رکنی  
 کی جو جاکا جس کی ہار پائی تھی اس وقت میں  
 دو بیویوں سر جو کے بھی تھیں جس کی بنا پہ اس افتوار  
 کا وہاں خاص تاخیر سے آنے والی ملازمتوں کی  
 طرف بھی بھیجی گئی تھی۔ آپاں کے معاملات میں  
 ایک حد تک جو بھی کسی میں مگر اس وقت ان کے کان  
 ہوا کیوں کہ سر جو کو پہ لگے تھے پھر بھی نہ آنے  
 پہ لاپرواہی ہو کر انہوں نے سر جو سے نیچے پڑ نکالا جو کھانا  
 ملا رہا تھا۔

ہی کی خواہش پر نسبت اس کی زندگی میں شامل ہو گئی تھی۔ سال بعد شعبہ میں ان کی کوششوں اور کیا تو ان کی زندگی مکمل ہو گئی تھی۔ مکمل ہونے کے بعد اس کا کھڑوں میں بھر اٹھا چھپے ہوئے بیٹے کی ہلاکت اور پستے جوڑے سے چلے جاتے ہیں۔ ان کا مودہ بدلنے سے ہاتھ کے ہلکے سے ہلکے سے سب لٹ پٹ ہو جاتا ہے۔ اس سے محسوس کیا وہ درد مریضی کے سارے قصے میں شاید احمد بھی تصور اور انکس تھا۔ قہر کا مودہ ملا تھا اور وہ شاک کھینکے میں تم ہو گیا۔ نسبت کے ہاتھوں پہ لگی مہندی کی خوشبویری قہر نے سونگھ جونی بھی پھر وہ اس کے پیچھے اس قہر میں کیسے نہ قدم ہمتی۔ اس کی رات سوئے جا گئے ہی کر دئی کی پھر فجر کے وقت اس کی آنکھ کھلی۔ نماز پڑھنے کے بعد وہ ننگے پاؤں عریض کر لی تک بھی چلی آئی تھی۔ ننگے سے اندر میرے میں وہ کھرا سے خواب کی طرح محسوس ہوا۔ ”ہاشمی اور نسبت“ خواب ہو چکے تھے اس کے چنے پندہ گھر سے سانس لیے اور جو تے پہن کے چنے چلی آئی۔ اس بار بھی لاؤنج کی سیٹنگ فریج کے پورے آئینے کے ساتھ بیٹھ ہوئی تھی۔ وہ اس گھر کی آرائشی و زیبائش کو دل عی میں نہیں بلکہ زبانی بھی سراٹھائی تھی۔ نسبت آپا کا سنسلی جس کی جگہ بھی ہو چکی تھی جو نہ ہوتا۔ لاؤنج کا سب سے قدیم مال جس پر بھائیوں کا بس نہیں چلتا تھا جس کی وجہ احمد تھا جو بھائیوں کی غیر موجودگی میں انہیں کالی حد تک سپورٹ کرتا تھا، ورنہ بیباک لاپ اور تیا جی جی جی رہیں کہاں تھے۔ اپنے شاندار بھی ریکارڈ کی بنا پر آج بھی اپنے دادا پر ادائیگی کی طرح سر ملین اور مناف پبلک سروس کے عہدوں پر تھے۔ شعبہ اب اس خاندان کا حصہ کہاں تھا۔

احمد سے نسبت کی طلاق ہونے کے بعد جب اس نے دوسری شادی بھی کر لی تو انوار خان نے شعبہ کو اپنی چھوٹی بیٹی شہد کو سونپ دیا تھا۔ کیوں؟ اس کا جواب آج بھی کوئی نہیں جانتا تھا۔ بچہ تو نسبت ہی کی خواہش پر نسبت اس کی زندگی میں شامل ہو گئی تھی۔ سال بعد شعبہ میں ان کی کوششوں اور کیا تو ان کی زندگی مکمل ہو گئی تھی۔ مکمل ہونے کے بعد اس کا کھڑوں میں بھر اٹھا چھپے ہوئے بیٹے کی ہلاکت اور پستے جوڑے سے چلے جاتے ہیں۔ ان کا مودہ بدلنے سے ہاتھ کے ہلکے سے ہلکے سے سب لٹ پٹ ہو جاتا ہے۔ اس سے محسوس کیا وہ درد مریضی کے سارے قصے میں شاید احمد بھی تصور اور انکس تھا۔ قہر کا مودہ ملا تھا اور وہ شاک کھینکے میں تم ہو گیا۔ نسبت کے ہاتھوں پہ لگی مہندی کی خوشبویری قہر نے سونگھ جونی بھی پھر وہ اس کے پیچھے اس قہر میں کیسے نہ قدم ہمتی۔ اس کی رات سوئے جا گئے ہی کر دئی کی پھر فجر کے وقت اس کی آنکھ کھلی۔ نماز پڑھنے کے بعد وہ ننگے پاؤں عریض کر لی تک بھی چلی آئی تھی۔ ننگے سے اندر میرے میں وہ کھرا سے خواب کی طرح محسوس ہوا۔ ”ہاشمی اور نسبت“ خواب ہو چکے تھے اس کے چنے پندہ گھر سے سانس لیے اور جو تے پہن کے چنے چلی آئی۔ اس بار بھی لاؤنج کی سیٹنگ فریج کے پورے آئینے کے ساتھ بیٹھ ہوئی تھی۔ وہ اس گھر کی آرائشی و زیبائش کو دل عی میں نہیں بلکہ زبانی بھی سراٹھائی تھی۔ نسبت آپا کا سنسلی جس کی جگہ بھی ہو چکی تھی جو نہ ہوتا۔ لاؤنج کا سب سے قدیم مال جس پر بھائیوں کا بس نہیں چلتا تھا جس کی وجہ احمد تھا جو بھائیوں کی غیر موجودگی میں انہیں کالی حد تک سپورٹ کرتا تھا، ورنہ بیباک لاپ اور تیا جی جی جی رہیں کہاں تھے۔ اپنے شاندار بھی ریکارڈ کی بنا پر آج بھی اپنے دادا پر ادائیگی کی طرح سر ملین اور مناف پبلک سروس کے عہدوں پر تھے۔ شعبہ اب اس خاندان کا حصہ کہاں تھا۔

احمد نے دوسری شادی بھی کر لی تو انوار خان نے شعبہ کو اپنی چھوٹی بیٹی شہد کو سونپ دیا تھا۔ کیوں؟ اس کا جواب آج بھی کوئی نہیں جانتا تھا۔ بچہ تو نسبت

بھی پال سکتی تھی۔ نظام جو انوار خان کا بھانجا تھا۔ عماد کا بھتیجا اس نے خوشی کی گھڑی گھڑی لیا۔ یہ ایک مہم تھا۔ آپا نے بیباک کے چہرے پر رت چمکے رنگ بھانپ لیا تھا۔ رات کسی گڑبڑی آپا پر جھٹکا بے کار تھا۔ بیباک اپنی صحت مشکل کو چاہے لانا دیکھ کر جبران ہوئی۔ ہمیشہ کی طرح تڑتڑا اور پرسکون سی وہ لڑکی تھی کہ کراس کا نازکہ ننگے میں سٹ جاتا تھا۔ نسبت کی وفات کے بعد اس نے دو افسانوں سے بہت کچھ لکھا تھا۔ مشکل جو نسبت کے رشتوں کو تنکا، کھڑوڑی اپنا آشنائی تھکے کی مریضی کی اور اس نے اپنے محبوب کے محبوب سے محبت کرتا احمد انوار سے لکھا تھا جو مشکل کی اور خود نیکی کے مشکو میں نسبت کا ذکر دھوڑتا تھا۔ وہ اب صرف اس شوہر کے لیے مہینہ بھی۔ بچوں نے اس کا نام یوں لگا دیا تھا کہ اب اسے بڑے بھی زیادہ تر پیرایا کہتے تھے۔

احمد انوار کے لیے مشکل کی بے قراری آپا کے دل میں ٹھنڈی پھواری طرح برتی تھی۔ وہی بے قراری ان کی تمام بھائیوں کا دل سلائی تھی اور فیروزہ..... ان کو ان میں وہ اپنے بچپن پر سے خوشبو آہیز ٹشو کال کر اپنی خوب صورت پیشانی یوں پوچھیں جیسے اپنے دل پر کرتے آئیں تو پھر ہماری ہوں دو خود کو بے نیاز خانہ کر کے لیے کے خود خانہ کو پھر لڑکیوں سے غائب ہوئیں۔ ”عمیزو“ بھتیجا یا پادار جوں کا پوکا ہو گئے چمک رہی تھے۔

فیروزہ کے ہونٹوں پہ مٹلے والی مسکراہٹ اگر پہنچ سکتی ہوئی عمر لڑکیوں کی آنکھیں اپنی تانی کے چہرے پہ چمک جاتیں۔ اگر ان کا تیا بیوی دینے کے ہوتے ہوئے بھی اپنی عمر پر مرماتھا تو کچھ اٹھا نہیں تھا۔ وہی ہی ایسے ملوثی حسن کی مالک کہ مقابل کی نگاہیں نہیں اور انکس اپنی تھیں۔ وہ سن سحر کر دیتا تھا۔ ”اور دلاوینہ کو تو دیکھو سو کیوٹ یہ نسل گھراس

کے ہاتھوں پر کتنا سحر کر رہا ہے۔“ وہ اپنے گال کے ڈھیلے پانگی گائے سکرانے جا میں تو لونی اپنا ناز کی ہو کر اپنے ہاتھوں کو نکل کر دیتی۔ فیروزہ کے پاس دو لڑکیاں اور ان کی مائیں کیسے شاندار اور فخرانہ انداز میں کھینکے تھیں۔ مشکل اس قدر سادہ اور خود سے لاپراد۔ احمد بار بار انداز فحش دے دے۔ وہ ہر ماہ خاصی مہنگی رقم آپا کے ہاتھ پر رکھتے تھے، مشکل کی ذریعہ مہنگی تو بانی لڑکیوں میں ہونا چاہیے۔ ”وہ ہر بار انہیں جتانے کو کہہ مشکل کو کھلا کر چائیں دیتی ہوں گی۔“

”ایک تو اس کی تعلیم کا خرچہ بھی بہت ہے احمد! اور پھر وہ ان کی طرح ہم سنو کر رہے تو تمہاری بھاد جوں کو اپنے جوان بیٹوں کے لالے پڑ جائیں گے کہ لڑکیاں انہیں پانے کی کوششوں میں ہے۔ احمد کا چہرہ روشن جاتا۔ آپا کا کچ لڑا تھا مگر ج تھا۔ فیروزہ وہاں آ کر اپنے شوہر کی سٹلائی گاہوں سے دھیان ہٹانے کے لاکھ چٹن کرتی تھیں جوہر دقت مشکل کو کھاتی تھیں وہاں دل میں دل اپنی سوکن کو کھینکے۔

”نسبت! تم نے مجھ سے کیا ظلم دیا! احمد کی زندگی سے نکل کر اس کے دل میں رہنا شروع کر دیا۔“ عمر نہیں کسی تو فیروزہ کی بھول تھی۔ نسبت احمد کے دل سے کب اور کہاں نکلی تھی۔ احمد نے پوری زندگی اسی ایک عورت کو چاہا۔ فیروزہ وہ عورت احمد کی آنکھوں کی بددائی تھی۔ تقدیر کا سونڈ جس سونڈ سے اس نے نسبت کو کھنا تھا۔ اور فیروزہ دنیا کی وہ چھٹی عورت تھیں جو اپنی سوتلی کے دوبارہ سے شوہر کی زندگی میں واپس آنے کی منت کرتی تھی اور یہ دعا میں انہوں نے نسبت کی زندگی تک مامی تھیں چلو دو تو احمد کی محبت تھی اس کی زندگی میں آنے والی پہلی عورت۔ پہلی بے بی، پہلا خرخر یہ

مشکل یہ کہاں سے احمد کی بیٹیوں کی حق دار تھی۔ کاش وہ نسبت کے دوسرے شوہر سے ہی ہوئی نسبت کے وجود کا حصہ تو اس لڑکی سے محبت کا کچھ جواز بننا۔ وہ لڑکی رشتوں کے حساب کتاب میں تو ہوئی۔ اسے تو نسبت نے پانا تھا اور اس کی تربیت میں، مزاج میں اپنی ایک اک ادا پر دو کی گئی دنوں میں مشابہت تک نہیں تھی مگر بھی احمد اسے جانتا تھا اور فیروزہ سنی رشتیں۔ رشتیں تو اس سے حد نہ اور رات کا کوئی رشتہ بننا ہی نہیں تھا جیسے قہر انوار کے کینوں کا اس لڑکی سے محبت کا کوئی رشتہ نہیں بننا تھا۔

وہ لڑکی جیسے اڑتی ہوئی ریت تھی جو فیروزہ ہی کی نہیں تھی لوگوں کی آنکھوں میں چھپتی تھی وہ لڑکی ہاشمی بھی آپا کی اور اپنی، بیباک احمد اور شاید کی اور کے لیے کسی شہد کا عریض۔ اس قدر ملنے کے باوجود بھی فیروزہ کو اس سے سکرانے ملا دیتا۔ ابھی اسے آتا دیکھ کر ان کے شوہر کا درداں درداں تھا کہ آج بھی وہ جیوش قدی کرتے ہوئے اس تک پہنچا۔

”کیسی ہو مینو؟“ ایک ہاتھ اس کے سر پہ لگانے کے بعد اس نے مشکل کو ایک بازو کے حصار میں لیا۔ ”اور میری بیٹی ٹھیک ہے؟“ وہ دس قدر محبت سے پوچھ رہا تھا۔ وہاں فخرانہ ماحول میں بھی خواتین کا غرور جیسے چمکا کے تو زہر اپنا اور اورانی تقدیر قہر کے لان میں تالیاں بھار رہی تھی۔ ”کون سے جوائی کی محبت بھٹتا ہے گا۔“ اگر نسبت کا ہاتھ تیار سے ہاتھ سے چھوٹا تو لڑکی آنکھ کھولے ہی اس کی کوشش کیسے آئی۔ اگر نسبت کا ساماں سے نہ پڑتا تو اس کا شاندار قہر کے کینوں میں کیسے ہوتا۔ یہ احمد انوار کا دل کچھ پھر پانی۔ پھر جانے یہ کون سے رشتہ داروں کے برتن تھکے کے گزارا کر لی۔ اور اللہ جیسے جانتا ہے اسے سب کچھ عطا کر دیتا ہے۔“ (بے شک)۔

تھا۔ اصل موضوع یہ تھا۔

”تو جی ہے کہ جانے کب قصر انوار میں سونہر رچایا جائے گا اور یہاں کے ولی عہد اشعب ابن احمد کے انتخاب کے بعد کئی بجی لڑکیاں میرے اور مرسلین کے جسے میں آئی گی۔“

”لو کہ اچھے خدا ہو بھیجے۔“ جہانے بجاہویں کے قریب چرسے دیکھ کر اسے ہنسنے لگا۔

”جسے صرف اس گھر کی نہیں خاندان کی بات کر رہا ہوں۔“

”جسے تو میں نہت لوں گی۔“ ماں کے چہرے پر غم دھکی پڑا۔

”ہر ماں کا دل چاہتا ہے کہ اس بچی کے پاس دنیا کی ہر نعمت ہو۔“ جانیہ نے نظر کھانکے بات بدلی تھی کہ مناف نے بالکل بچ بچا تھا۔

”جس سے مراد ایک کل ٹماٹر ٹکڑے نصف درجن ملازم اور پونچ میں دو تین کاڑیاں تو ضرور ہوں۔“

آپائی کی واہی میں انداز بھی تجیدہ تھا۔

”آج کل کون ہی سب نہیں دیکھتا یا نہیں جانتا۔“ رومی بیگم نے بھی دلی کی بات بلاتاں کی۔

”میں کل لڑکیوں کی مائیں اشعب احمد کی اسید بیٹی تھیں۔“ جہانے صورت حال کو سمجھ لیا تھا اس نے پتھر لٹکائی اور بھری۔

”اس لڑکی کا بچہ پانچ فرامی کرنے کو کہا تھا اور لگتا ہے وہ اس کا دل چاہتی ہے۔“ جہانے بہت دواؤں بلند کرتے ہوئے اس گفتگو پر مٹی ڈالی تھی تب ہی مشعل چاند لے لے لاؤں میں آئی مناف نے ہیز پر بڑی چٹنی کی ہوں اپنی طرف مٹکا لی تو الوینہ نے جیبا کو خردار ہونے کا اشارہ کیا۔

☆☆☆

”لڑکیاں خوب صورت بھی ہیں تعلیم یافتہ بھی کد کاٹھ میں بھی ہزاروں کو پیچھے چھوڑتی ہیں پھر پیچھے اڑھنے کا انداز ایسا کر دیکھنے والے دیکھتے رہ جاتے ہیں۔“ آپا کی سسرانی آواز خاص بلند تھی کہ اندر آتے مناف نے کانوں کو تھک کر گرفتہ کر لیا۔

”یہ بھی تو جانتا تھا کہ ایک ایک اس قدر غناست سے کہ بیڑا کھارے کی دیکھتے رہ جاتے ہیں۔“ اس نے بیڑیاں اتار لی الوینہ کو منہ چڑایا۔ جو اس کے ارشادات پہ اسے کچا جانے کا ارادہ باندھ رہی تھی۔

”کوئی گھوٹے سے پوچھ کر یاد دیکھ رہے ہو۔“ اندھا جواب دے گا۔ سب اچھا۔“ جہانے مزید کہنا چاہا۔

”میں نے تو پوچھا تھا کہ دونوں لڑکے اچھی پوسٹوں پہ ہیں پھر ان کی شادیوں میں تاخیر کس وجہ سے ہو رہی ہے اور اس بات کا جواب آپ نے لڑکیوں کی توصیف و تعریف کی صورت دیکھ کر مجھے حیران کر دیا ہے آپا؟“ بیگم نے۔ بولی۔

”پھر دانت کھانے مناف کو ایک چھانچہ پڑ گیا۔“

”سید کی بات ہے۔“ مگر سید کا لڑکا لوگوں کو گھر کی لڑکیوں میں ذرا فرق نہیں۔ دونوں چپ کا روزہ رکھ کے اپنی کامیائیاں ماؤں کو کھلا رہے ہیں۔ آپا نے جیبا کے سامنے دل کا بوجھ کر لیا۔

”خاک ماؤں کو کھلا رہے ہیں۔ اسی مینے کی کہیں ہی بولی ہے کہ جیبا خالی ہونے کا رونا روٹے ہیں۔“ شائستہ نے آپا کو کھنا جانے والی نظر سے گھورا تھا پھر دبی بھلائی کی تائید کیسے نہ کر تیں۔

”تو اور کیا۔“ انہوں نے اپنا کبوتری مار کے پیچھے رہ گئی میں ہلکے ڈالا تھا۔ جانیہ بچی کی ماں کی سو خاموش رہی۔

”اور جیبا آپا! آپ ہم لڑکیوں پر الزام لگا رہی ہیں۔“ مناف جو آپا کی بات پہ اچھی تک تڑپ رہا

”خداوند کریم جنہیں بوند بوند میک اپ کو فرمائے اور ہم تبارہا اسکی چہرہ دیکھیں۔“ اس کے اشارے سے باختر مناف نے ہاتھ اٹھا کے یوں دماغی کلمات ادا کیے کہ بخاری الوینہ نے ہڑ بڑا کے اپنے دھلے دھلائے چہرے کو چھوڑا تو کھڑے قاصطے ہارنگ ٹیوٹیکس ٹماڑ اور سیزر کا قہقہہ سے ساختہ تھا۔ جہانے بھی جیسے ہوئے ان چروں کی سکرپٹ

کو جھٹکی کی عداوی میں کہ پیرل اٹھا میں کدھک کدھک میں لوٹنے والی قیامت کی خبر ایک دھک کدھک میں جس کی کرچیاں احمد کی آنکھوں میں آج بھی جھپتی تھیں جس کی لذت خالہ کی گود میں پلنے والا

اشعب احمد محسوس کر سکتا تھا۔

منہ پر زور خود کرب کی احتیاجوں کو چھو کے باج سال پہلے احمد کو صاف کرکلی تھی جب احمد نے اپنے لیے شعلے سے سخت کی تھوڑی بڑی کی۔

”کل شام کو رولہ سے بونے تو بیک کی اوپننگ ہے پھر تقریب دس بجے کا ایوارڈ شری کی تقریب بھی شروع ہو جائے گی تو میں سوچ رہی تھی کہ رولہ۔“

کدھک کی فلائینڈ کی ہلنگ کرالیں۔“

فیروزہ کا تعلق شریز سے نہیں تھا کمر ان کا بار بار اس قدر پیش تھا پر سے پوچھ اور کچھ ابرے میں، پھر ہیران ممالک سے تربیت یافتہ پیچھے کدھک

سلیپر پھر آ جانا بہت زیادہ تھا وہ رولہ سے رولہ کے تیار مٹی پینڈ لوٹن سے انھوں کا مساج کرتیں احمد کے خائف آئیں جہاں یہ قدیم ساروہ اور تین پہل ان کا

خوب صورت سراپا ہر قسم کے بلوسات کی شان پر دھا دھا تھا۔ جامد مٹی جیسے اس عورت پر خرمی۔

زور دیکھتے تھیں کہ سامنے تاجر کا رولہ احمد نے خود پہ آخری نظر ڈالتے ہوئے انہیں کھٹک کے دیکھا۔

”تم شاید بول رہی ہو کہ آج کے ڈر پہ میں اپنی خلی کو الوینہ پر چکا ہوں۔“ اشعب نے۔ ”دو ساٹ سے انداز میں اپنی یاد دہانی کروانے اپنا دال اور گاڑی کی چابی اٹھا چکے تھے۔“

”مگر میں تو کل کی بات کر رہی ہوں۔“ وہ بجاہو ان کے قریب آئیں اور ان کے کونٹ کا کار درست کیا۔

”ہوسکتا ہے وہ لوگ رات بیٹھی ٹھہرا جائیں مومس کا کیا اعتبار۔“ انہوں نے آہستہ سے جواب دے کر اس کا ہاتھ کار لے لیا۔

”میں بھی اپنے کچھ کمزوروں کو الوینہ کی رولی گی۔“ وہ انہیں اقدام کر رہی تھیں یا اجازت سے رولیں

تھیں وہ جھٹکا تھا۔

”یہ ایک خالصتہ فیعلی ڈر ہے۔“ بات ابھی فیروزہ کے منہ میں تھی کہ وہ لفظ لفظ چپا کے بولتے انہیں نظر نطروں سے دیکھتے دروازے کی سیٹ پر سے

وہ لہجہ فیروزہ کو اپنی ہڈیوں میں رینگتا محسوس ہو رہا تھا کہ ان کا ہمسفر چاہتا تو وہ چادر کبھی ثابت ہوسکتی تھیں کتنی کتنے وہ اپنے زخموں کو دکھاتی تھیں چاہتا تھا وہ

عشق کے مین تک ہی نہیں شاید۔ ”ش“ اور ”قی“

تک کی رسائی بھی چاہتا تھا۔

☆☆☆

وہ عجیب شخص تھا جس نے خود کو آدرا کرکھ بھی بے آباؤ رکھا ہوا تھا۔ مشعل اس گھر میں آ کر ہمیشہ حیران ہو جاتی۔ ”انہیں اسلام آباد احمد کے گھر آئے آدرا کھنڈہ ہو گا تو سب لاؤں میں جسے تنے

نے مغرب کی نماز بھی پڑھ لی تھی۔ کرے میں رکنے کا جواز بھی نہیں تھا۔

”اب کیا مشاء بڑھ کے باہر آؤ گی۔“ شامہ نے دوبارہ کرے میں جھانکا تو وائل خواستہ وہ اس کے مرہو ہوئی۔ سما کی زندگی میں اس شخص کا سامنا کرنا اس کے لیے مشکل نہیں تھا مگر وفات سے دو دس قبل ان دونوں کو باپس بٹھا کر نسبت نے جو گفتگو کی تھی اس کے بعد مشعل خود میں اشعب سے نظر ملانے کی ہمت نہیں پائی تھی کہ اشعب نے جیسے بے یقین سا ہو کر اسے پاں کا پھرہ دیکھا تھا۔ اک ٹکٹ، اک رنج، جبرانی کچا کھجواں کے چہرے پہ نہیں تھا مشعل کو لگا تھا کہ وہ اس کی پیچ پیچ پڑے گا۔

”اے! آج تو آپ مجھے میری ماں ہونے کا شرف بخش دیتیں۔ آج تو میرا سوچیں۔“ اس کے چہرے پر اتنی باریکی سے منتقل کا دل دلا دیا تھا کہ نسبت دارنے آج بھی دیکھو، اشعب انہو کو گوارا دیا ہے۔ کیا وہ کچھ بولنے کے قابل تھا؟ جس کی ماں کو زندگی کے آخری لمحوں میں بھی اپنی اولاد نہیں منتقل فرید کا دھیان تھا۔ اس دن کے بعد سے اشعب کا سامنا اس کے لیے مشکل ترین تھا۔

وہ سال میں پاکستان کے دو پار پکڑے ضرور لگا لیتا تھا اور وہ مکر کے مکر کے مکر میں پھنسی چکری اور بھی اپنے ماں کے مکر چلی جاتی۔

”دیکھو ذرا اس لڑکی کی روشنی، کیا غامضی لڑکیوں کے یہ رنگ دھنک ہوتے ہیں۔“

اشعب کے سامنے اس کا ذرا کن ہی الفاظ میں ہوتا تھا۔ ہمیشہ عرصہ گزرنے کے بعد وہ جب بھی پاکستان آتا تو اس میں چھین چھانی کے باوجود اس کا حوالہ ہو جاتا تھا۔ بچوں کے ساتھ وہ اس کے لیے بھی تنگ لگنے لگا تھا۔ بڑھتی عمر کے ساتھ کچھ تبدیلیاں منتقل میں بھی آئی چکی تھیں جیسے کہ وہ اب اسے نظر انداز کرنے لگی تھی۔ اسے اشعب کے ہونے یا نہ ہونے کی کوئی پروا نہیں تھی۔

جیسے اپنی تلاش کا وہاں ادھر ادھر دوڑا نہیں۔ ”یہ لڑکی اس کے بچہ ہے۔“ وہ سمجھتا کہ ساتھ اندرونی اور اس کے بچہ سے لگ کر بیٹھتی۔

جیسا نے اسے سبک کے دیکھا۔ اسے اشعب سے ملنا تو چاہیے تھا۔ آج وہ پورے چھ ماہ کے بعد پاکستان آیا تھا۔ جو پہلے نظام کی ولادت ہو گئی تھی اور اس کے کاروباری معاملات نمٹانے کی وجہ سے اشعب کا سارا وقت بے حد مصروفیت میں گزارا۔

”منتقل جیسا کیا پیار ہوئے گا کہ اولاد ہے؟“

اس نے اسے لگا سادہ پٹا اوڑھے دیکھا تو بے ساختہ ٹوکا۔ اخبار پڑھتے اشعب نے اسے ایک طرف سرکایا۔

”نہیں! اگلے دو، اسی ہی جلدی میں۔“ وہ

یوں گڑبڑائی کہ کچھ جواب ہی نہیں بنا پڑا۔ اشعب نے دیکھا بانی تینوں لڑکیوں کے شالوں پر شال ڈالنے سے منتقل اندر آتے ہی عزیز کو اشعب کے قریب ہونے پر بھڑا کھڑکی۔

”جلدی میں کون ہیں جیسے بیٹا؟“ اس کے سوال میں اب کئی تھری۔

”تو بے چینی۔“ اس کی بھڑا کھڑکی نے جڑ بھیں کے پھولنے لے۔

”بھائی صاحب! اس پہ کون سی گھڑیو ڈھ داریاں ہیں۔“ جانیہ نے زبردستی کی مسکراہٹ ہونٹوں پر بھجوا کر کہا۔

”کاشاں باکے لیے جو شانہ بنا رہی تھی۔ روٹی نے بھی کھلا دیا۔“

”بات جلدی یا پھر دیو سوری کی نہیں ہے۔ اس منتقل گری سر دی کی پروا وہ درام ہی کر لی ہے۔“ آ نے اشعب کو بخیر دیکھا جو ان ہی کی طرف متوجہ رہا۔

”جیسا میںوں بھر گھر آیا ہے اور باپ کس کا راکر الاپ رہا ہے۔“ آپا نے سر سر کی سائنڈ اور پتا کر دیا کہ تو منتقل پر سے ہٹ کر سب کی توجہ ادھر ادھر کی۔

”..... حالانکہ ان کی بھابیوں کا بے چلتا تو پرہیز میں بیٹھے شوہروں کی کامیابیاں ملازماؤں پر لڑائے سے ہے۔ وہ مکر کا تمام کام منتقل سے ہی کر رہا ہے۔“

”کسبت کی وفات کے بعد انہوں نے بے کوشش بھی کر دی تھی پھر ایک دن آپا نے ان کی غیر موجودگی میں اسے بات کی۔

”تھک ہے جہاں میں مناسب سمجھوں گی اسے مگر داری کھانڈ کی مگر اس طرح تو بچی کا پڑھانی کا جرم ہو رہا ہے۔“

”منتقل اس مکر میں نوکرائی کی حیثیت سے رہ رہی ہے۔ اس طرح کا کوئی بھی خیال آپ سب لوگو دل سے نکال دیں۔“ اس نے بات کا آغاز ہی خبی انداز میں شروع کیا۔ ”جب منتقل کے تعلیم اخراجات کے لیے آپا نے مجھ سے پوچھے تب سنا تھا اٹھایا تھا تو آپ کے شوہروں نے کہا کہ ہم حرام

مگر ہے جو اب میں نہیں دے لیتا ہے پھر میں۔ اس لڑکی ہائی بائی تک خرچ نہیں کریں گے۔ جب لڑکی سے کوئی غرض ہی نہیں تو پھر اپنی ذمہ داریاں بھی خود اٹھائیں۔ آپا اور منتقل کی وجہ سے ہی میں بچن کے بہت میں حصہ ڈالتا ہوں۔“

ان کا موڈ اتنا غراب تھا کہ کوئی ایک جواب بھی نہیں دے سکا۔ پھر جیسے وہ منتقل کی ذات سے لاپرواہ ہو گئے۔ چار دن اس کے ہوش چلتی رہنے کے بعد تمام غمیں کا وہ پہلے جیسا ہو گیا تھا۔

پتا نہیں تھا اس سے کیا مکر ہوئی۔ وہ ہر برا کے ان سوچوں سے باہر آئی۔ ذرا شروع ہو چکا تھا۔

”اس جگہ کھڑا تھا کہ وہ سب اسی کی طرف جانے کا نڈر اس میں منتقل نے قریب سے گزرتے ہوئے اس پر حاکمائی نظر ڈالی۔ حاکم کی نظر لیتا رہا ہے۔ وہ سوچ رہی تھی۔ مگر بعد وہ پورا گھوم کے اسی سمت ہوا۔ جس اتفاق تھا کہ وہ میننگ گاہوں کے سامنے اور اتنا قریب کہ وہ ٹھیک ٹھیک ٹکرا سکا۔ آج بھی ہمیشہ کی طرح پہلے اشعب نے کی۔

”کسی ہیں آپ؟“ اگلے جی دل اپنے احساسات کی سیٹھ کے سر لگایا۔

”منتقل کی پیشانی پر پینہ پھوٹ پڑا۔ اس شخص کو حال پتا تھا اس کا حال دریافت کرنا ایک مشکل عمل تھا اس لڑکی کی ساری دل کو ہونے لگی تھی۔

”جی بالکل ٹھیک۔“ وہ نظر جھکا کہ وہ قدرتی پیچھے ہوئی۔ ”آپ کیسے ہیں؟“ پچھتاہے ہوئے آج اس نے اسے نوکر سر کیا۔

”وہ جو کھانڈ کے رخ پڑے کو تھا اسے ایسے ہی دیکھا جیسے وہ لڑکی کے نوکی چوٹی پہ کھڑی ہو۔

”جی اسر مجھ کو حال ہو چھنے والوں کو حال پتا تھا۔“

”اتنا ضرور نہیں ہوتا۔“ تنبیہ دے رہا تھا وہ اس کے بڑھ گیا وہ شرمندہ ہوئی جیسے اس کے اطراف میں دیکھا ان کی جانب کو بھی متوجہ نہیں تھا۔

”خوشگوار ماحول میں ہی ذرا احتیاط پڑے ہو۔“

”سب عادت عمیرہ اشعب کے اگر دگر دلائی

رہی۔“ ٹھانڈی کہ توجہ کا مرکز سر ملین تھا جو اس کے بڑوس میں قائم کیوں نہ لڑکی اس خطا سے ہی ہمہ وقت باتیں بگھار رہا تھا۔

”دیکھا ہر بار اسلام آباد آئے ہر اسی لڑکی پہ لائن مانتا ہے اور مجھ سے محبت کا جواڑی کرتا ہے۔“ وہ منتقل کے کان میں بھڑک کے بولی۔

”پہلے تو منتقل نے اپنا کان پہلایا پھر جانے کیوں اشعب کو دیکھا جو جینوہ کی کب باتیں پر مسکرا رہا تھا۔ وہ اس پر سے نگاہ ہٹانا بھول گئی۔ ہونے جیسے مقابل ہووا کو چھوڑا تھا۔ اس کا سر لڑا اور بات کرنا ایسا ہی ہوتا تھا کہ کرنی جیسے آئینہ دیکھتی تھی وہ ایک ٹھنڈی آدھک نہیں بھڑکی کہ خود داری کو بھی گوارا نہیں تھا۔

”وہ ٹھانڈہ سے کہہ نہیں کی کہ یہی محبت ہے برف کے جیسے قنداق۔ وہ دستان ہو جاتا۔

”دل کی اپنی ایک جلیو ہوتی ہے ٹھانڈا تمہیں تو ان دونوں پر دوسری نظر بھی ڈالتی نہیں ڈالتی چاہیے۔“

”وہ اسے سچ کے دوسری جانب لے آئی جہاں اولیہ اور منافق کی ٹوک جھوک کر دین چکی۔

”وہ لوگ جو حیلان پلے پھرتے تھے بارہ بجار ہی تھی۔ کمرے میں آئے کسے۔“ ٹھوڑی رور اور اس کے دروازے پر دستک ہوئی۔

”جیسا ٹھانڈا ہوئی کیونکہ پتا کو وہ ان کے کمرے میں گونڈا نٹ کھا لیتی تھی۔

”آ جاؤ بھی۔“ اور وہ کھجور سے کس بھر کے ٹاپچوں نے سہرے کاٹوں کا کیا مشورہ دیا ہے۔“

”دروازہ کھلی آئی بہت کے ساتھ کھلا تھا مگر وہ پہلے ہاتھ روک ہوئی تھی۔

”کیا ٹھانڈا اسے ہاتھوں کی ہٹک نہیں کرے؟“

”جی جی تو وہ اس کے بیڑم میں کھڑے کھڑے ہی حال ہو پھنسی کہ دھت کر لیتا تھا۔ وہ پتا درام کے بڑھا۔

”میں سمجھی ٹھانڈہ ہوگی۔“ اس نے جیسے پ کے دوا در دست کیا۔

”میں پہلے کون لایا تھا۔ کچھ دن پہلے سر ملین

سے بات ہو رہی تھی تو شاید ہی آپائی کو بڑے فون  
 خراب ہونے کا بتا رہی تھیں۔ "خلاف حادث آج وہ  
 اس کی آنکھوں میں دلچسپ بات کر رہا تھا کہ لفظ  
 شاید نے مشعل کے دل سے خوشی کی تمام چیزیں  
 اڑا دیں۔ "کس قدر احتیاط رہتا ہے یہ بندہ کون کون  
 سا خوشی ہے بے ہوش ہو جاتی کروں یہ بات کس  
 سے ہو رہی کہ اور دھیرا میری آواز نہ ہو۔"  
 وہ فون باندھ کر اچھال کے اسے موقع  
 دینے بنا جا چکا تھا۔ "دل کو یہ اشقات رہیں گستا  
 تھا۔ (دل بزدلانہ تھا) مگر حقیقت یہ تھی کہ اس کا کلمہ  
 بھر کبھی پاس نہیں جانا منزل پہ پہنچ کر دم لیتے جیسا  
 تھا۔ جس سے وہ دانہ نظر لاکے بات نہیں کرتی تھی  
 جس کے پہلو سے وہ اکثر کرا کے گزر جاتی تھی۔

\*\*\*

"ایک تھا دشا دھرت بہت مفروضہ اس اپنی منوانے  
 والا۔ اس کی دو دنیاں ہیں۔ وہ دونوں مٹنے لگتی  
 ہیں باتوں میں ہاتھ ڈالے یا دونوں پہ عمل پایا کرتی  
 تھیں جس میں شہزادے رہتے تھے جس کے گھوڑوں  
 کا رنگ سفید تھا پھر ایک دن ان کا گھوڑا زمین سے سڑ  
 آ گیا اس کا سوا ہر شہزادہ تو نہیں تھا۔ میں گھر کے کسی  
 حصے میں چھپ کر کسی مگر مشہور گھڑی لگتی۔ آپ کی  
 سیدہ کیون نہ تھیں تو چھوڑی تھی۔ گھوڑے سے خواہ اس  
 نے اسے دیکھا تو اس کی محبت میں گرفتار ہو گیا اور میں  
 .... میں نے۔"

"بہنیں! ہمیں تمہاری کہانی نہیں سنیں ہمیں عشق  
 کی کہانی سناؤ۔" لڑکیوں نے اسے زور دے کر  
 دیکھا۔

"سنو لڑکیوں! عشق کی کہانی میں شہزادہ نہیں  
 ہے۔ اس کے باپ نے اس کی شادی اپنے دادا بزرگ  
 بھائی سے کر دی تھی جو بیادری سی اٹھارہ سالہ مشہور  
 سمندروں کے ساحلوں کے اور پھولوں کے قلعوں  
 کے گہر کی لے کر چلا گیا تھا۔ اتنی چھوٹی سی عمر میں  
 عشق مجھ سے بچھڑی اور میں۔"  
 "تم اپنی بات مت کرو بڑھیا!" لڑکیاں

چلا گئیں۔  
 انہوں نے گہرا سانس لیا اور انہیں دیکھ کے  
 سرگوشی کی۔

"عشقم! اسے سچ کچ کا بادشاہ سمجھنے کی تھی۔ وہ  
 اپنی لمبی گلائی لمبی پتلیوں میں تمام کمر اس آدمی کے  
 ساتھ کچ کچ کی کرکڑیوں پہ چلتی ہوئی سورج چھوئے  
 لگتی خود کچ کچ کی مکھڑی تھی۔ اس نے عشق  
 کے لیے کئی کشتیاں خریدیں اور کتنے ساحل اس کے  
 نام پر خریدے۔ دت کے ساتھ وہ شہزادی گلاب کی  
 طرح رہنا چاہتی تھی۔ وہ کیا جانتی تھی کہ اس کی اپنی چھوٹی  
 تھی۔ اس کا دل چاہنے لگا تھا کہ اس کی اپنی چھوٹی  
 لمبی کونٹھا مٹا سا ہاتھ اپنی نرم ٹھیں میں پیچ کے  
 اسے اپنی طرف دیکھنے کا کہے۔ اس کے سفید لباس  
 پہ چاکلیٹ اور ساحلی ریت کے نشان ہوں۔"  
 "آپ! اہی قصہ کو کہیں تھیں۔" وہ کہانی

اور دوسری چھوڑ کر جانے لگیں۔  
 "محبت کی داستان سنو کی؟" انہوں نے انہیں  
 آواز دی۔  
 "اس میں شہزادہ بھی ہوگا؟" وہ رک کے مڑ  
 کے دیکھنے لگیں۔

"مجھے یہ پاس اور بھی قصے ہیں۔" آپائی کا  
 ہاتھ اپنے سینے پہ پڑا۔ "پڑ بڑا کے جا میں۔  
 انہوں نے کسی چھوٹی طرح لاف کو دور کیا۔ گھر میں  
 معمول کی چھل پھل ابھی کہاں تھی۔ سب سوئے  
 ہوئے تھے۔

"ارے مشعل! کیا ابھی کوئی گھوڑا بیٹا باقی  
 ہے۔" ان کی نرم آواز بچھڑا ہٹ کا شکار تھی۔  
 "آ! میں تو نام پہ جانے بنالائی کسی مگر آپ  
 خلاف معمول جانے کیوں ہو گئیں۔"

امرد گرد سے بے نیاز وہ جانے لیے حاضر تھی۔  
 آج اس کی ٹرس میں جانے کے تین گھنٹے تھے۔  
 اشعب نے اپنے تیل فون کی اسکرین سے نگاہ ہٹا کر  
 اپنے کمرے کے دھما پھول آپا کے گھوڑے سے آ  
 چکی تھی۔

"جانے کون دو تین فارغی کی لڑکیاں ہیں جو  
 روز مجھ سے کہا یا سننے جاتی ہیں۔ مجھے کسی ڈاکٹر کو  
 دکھا دینا اشعب! " آپا دانگی پریشان تھیں بیا اور  
 اشعب کا قبضہ مضطرب تھا۔

"مشعل نے اسے تھپکے کا گھونٹنے ہوئے ان  
 کے سامنے آئے تھیں سے کپ نہ گئے۔

"تمہارے ہاتھ کی جانے میں جو بڑی کی تھی سی  
 ہوتی ہے نا نعل! اسے کچھ پورا سال یا دو تھی۔" بیا  
 نے اسے ہاتھ سے پکڑ لیا۔ "کے تھپکے تھپکے تھے۔"  
 "اور تمہارے وجود میں سرسری ہوئی تھی  
 میرے احساس کو خوش کہاں ہوئے نہیں دیتی۔" اس  
 نے صوفے کی پشت پہ سر رکھ کر بیا کی پشت کے  
 عقب سے اسے دیکھا کہ جیسے مدتوں بعد دیکھا تھا  
 "اس کی گردن کے گرد دھڑے لپٹ جانے کے پیچ چمک اس  
 لڑکی کی طرح اٹھتے ہوئے تھے۔

"آج پو پو سے بات کر لینا۔ کبھی مجھ سے  
 جھگڑی کر آئی ہے بات ہی نہیں ہو رہی اور مجھے  
 تم سے ایک بات بھی کرنی ہے۔" بیا کا کبجہ یکے لخت  
 سنجیدہ ہوا۔ "کیا تمہارا ذہن کے گھر جاتی ہو؟"  
 اشعب ایک دم سیدھا ہوا تھا کہ مشعل نے درخ

بیا کی جانب مڑا تھا۔  
 "ہاں! اکثر جلی جلی جاتی ہوں۔ آپ بتائیں،  
 ناشتے میں کیا کھاؤں؟" مشعل کے پون موعود سے  
 بچت جانے پہ آپا کے پیٹ میں گرہیں سی پڑی  
 تھیں۔

"مجال ہے جو کبھی یہ لڑکی سیدھا جواب  
 دے۔" انہوں نے محل کے سوچا کہ انہوں نے تو بیا  
 سے اشعب کی موجودگی میں یہ موضوع چھیڑنے کو کہا  
 تھا۔

"میں جانتی ہوں ہماری مشعل بہت راجعہ  
 ہے۔ اپنی حفاظت کر سکتی ہے مگر تمہارے بارے میں  
 اس گھر کے باہر کے لوگ خواہ مخواہ قصے گزریں۔ ہم  
 میں سے کوئی بھی یہ نہیں چاہتا مشعل!"  
 وہ چوڑی کا خالہ نے اسے لفظ "ماری" اور

"ہم" کے حصار میں لیا تھا۔ اس نے فوری طور پہ  
 گھونٹ کھونٹ جائے بیٹے اشعب کو دیکھا۔ خالہ نے  
 اس کا سر دبا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا۔ وہ اپنی خالہ کے  
 ہاتھ کو ہیکارہ جو کبھی لالہ مال ہاتھا۔

"آپا بچی بہتی ہیں۔ ذرا جو کہیں اپنا چٹا ہوا،  
 کمر دھو بیٹھیں جو۔"

وہ کٹیفز ہوئی کہ خالہ کے ہر سے تھیرے پہ  
 بجا اٹھا کر اچھا تھا۔

"مناف تار تھا کہ اماں ذہن کے گھر کا اوری  
 پورن کرانے پہ چا رہا ہے، جہاں پہ لڑکے مونیقی  
 وغیرہ سمجھنے سکھاتے ہیں۔" اشعب نے سامنے ان  
 باتوں کا کوئی جواب نہ دیا۔

"ابھی کچھ دیر پہلے آپ نے کہا ہے تاکہ آپ  
 کو مجھ پہ اعتبار ہے تو پھر بات ختم ہوئی نا؟" اس کی  
 بیٹیاں ہی کو پوچھتی تھیں آ کر دھکا۔

"لوسنہ کی اچھا ہے۔ کیا یہ کافی ہے پھر دوسری  
 ہے۔ جب دیا میں رہتا ہے تو دنیا داروں کی پروا کرنا  
 پڑتی ہے بی بی! انہم ان سوئے کو توں کو کتنی بھی ہوا اور  
 سناؤ یہ بھی ہے کہ کسی ماموں کے گھر سے بھی ذہن  
 کے بچن میں ہانے کر ان کی خدمت میں پیش بھی  
 کر لی ہو اب لوگ باتیں کریں تو بڑے۔ آپا کے  
 لیے کی پیش اور انداز میں ہے اشعب کے انداز میں  
 ایک واضح جھوٹ کر دے آئی تھی۔ اس نے مشعل کا سرخ  
 چہرہ دیکھا۔

"نزدہ سب غلط ہیں نہ میری نیت خراب ہے  
 اور مناف ہے کہہ دینے کا میری جاسوسی کرنے کے  
 بجائے اپنا دقت کہیں اور ضائع کرے تو بہتر ہوگا۔"  
 وہ چھوٹی لڑکیوں کے ساتھ ہوئی ان تینوں کو خاموش  
 چھوڑ کے دباں سے اٹھ گئی۔

"ابھی بچی ہے پھر تمہاری تو ہے۔ اسے بھی اپنی  
 مرضی کی سائیں چاہئیں۔ اسے بھی کھلا آسان  
 جانے چاہیے تم نے مجھ سے یہی کہا تھا نا۔ اب دیکھا  
 کہ بچی ہاتھ سے نکل چکی ہے۔" کافی وقف کے  
 بعد آپا نے دل کا غبار خراب نکالا۔ بیانا نگاہ چمائی







سو جو دگی سے بے خبر تھی۔ وہ اس کی بات پر اچانک رکھا۔

”قوت نہ جاؤ بھر۔“ آپا کا لہجہ دہانسا ہوا ہے۔  
”نیک کے ساتھ لڑکیاں ذرا اداہارت کی گئی ہیں۔“ اگلے ہی لمحوں وہ خوش گواری سے گویا ہوئی۔  
”یعنی کزوری؟“ آپا نے فوری تر جبر کیا۔  
”ہو۔“ وہ جھنجھائی۔

”وہ سر جھٹکا، سکر اہٹ دیتا مگر کڑی درداز سے  
کی طرف بھاگا کہ مشعل نے اس کی ذرا سی جھٹک  
دیکھی۔“  
”میں گرم پانی کا فلاسک آپ کے کمرے میں  
رکھ آتی ہوں۔“ وہ درداز سے بے فکر ہمارے کمرے کی  
طرف بڑھی۔

جب اپنا کام ختم کیا کہ باہر آئی تو اشعب کی  
کاڑی نکل چکی تھی جیکر سر لین کی کاڑی میں اس کا  
ختم تھا۔ فرنٹ بیٹ پر تھامہ تھی۔ مشعل کا دل کسی افتاد  
میں اتر آ گیا تھا۔ اگر وہ میرا انتظار کر لیتا تو میں ہی  
بلا جاتی۔ وہ مجھے والوینڈ کے ساتھ بھیجتی۔

”جس شہر لوگوں کے لیے کون بڑھ کے نیسے لگتا  
ہے۔ انہیں اکثر بھی لڑکیوں کی کھینچی لگا کر جتنا پڑتا  
ہے۔“ مشعل نے فریاد تم تو میرے بھائیوں میں ہو۔ اس نے  
پہلی خوش رویہ کر کے اس فقیر کے دلی بھد کی مقرر  
”لوگوں میں تم جس کڑی لڑکی کی بھی لگتا جانتی ہو۔ اس  
لفظ کی پاس یادداشت میں سے نہیں کون سا دن،  
دن کا کون سا لمحہ اور کس کی آواز، کون سے الفاظ  
جانتیں، دل نے نہ زوئے میں سے پہچان، وہ خاموش  
رہی۔

”دہریہ کی دھند اگر کنارہ سے لٹکے گی تھی۔“ اسے  
اماں ذیک کے گھر بیٹے والی دھن یاد آئی۔ وہ دیکت یاد  
آیا۔

”تجہاری کڑیوں کو کوب  
عزائی دھوپ چوٹی ہے  
تجہاری اواز مٹی کی  
کہاں روئی سنائی ہے۔“ (محرکی داستان)

تجہار سے نرم کبروں میں کہیں اس کا مگر دہریہ  
ہے۔

”کس کی خور و آکھوں میں ماہ جون ہستا  
ہے۔“

تجہاری مٹی میں جو مٹی ہوئی سرگوشیاں سی  
ہیں۔

تجہار سے سرد جاؤں کی وہ ساری رازوں کی  
ہیں۔

تجہاری آکھ کے موسم میں نیلی تیرگی ہے۔  
تجہاری روح سے لٹی محبت، جنوری کی ہے۔  
وہ یوں خود میں کم ہوئی کہ سفر تمام ہونے پہ سے  
چوٹی تھی۔

☆ ☆ ☆  
”پتا ہے آپا کیا کہیں ہیں؟“ مناف چٹکی دیتی  
لڑکیوں کو کچھ کے مقرر کیا۔

”آپا ہمارے لیے اچھا کدہ ہی نہیں ستیں۔“  
الوینڈ نے اپنی گول مولی کی ہانگ کیلری۔

”اچھا تھی دو۔“ ٹھانہ کے دل میں کھد بادی  
ہی۔

”جس طرح عقیدت مند اپنے پیروں پر مشد کے  
عرس کے لیے سال بھر تیار کیا کرتے ہیں تو لڑکیاں  
بھی اشعب احمد کے ڈر کے لیے کچھ ایسا ہی۔“

اس نے بات اور صوری چھوڑ کے قہقہہ لگایا۔ بیانی کا  
قہقہہ فلک و صاف تھا مگر مشعل سسکا رہی تھی۔ البتہ  
اشعب کے کھل کے سکرانے پہ صبر کا چہرہ جاسنے  
خفت سے یا شرمندگی سے سرخ ہوا تھا اس لمحوں وہ  
مشعل کو بہت خوب صورت لگ رہی تھی۔

”تجہاری طبیعت تو نیک ہے نا؟“ بیبا سے ہم  
صم ساد کچھ کے فکر مند ہوئے۔ اشعب بھی اس کی  
طرف متوجہ ہوا۔

”مجھے صلا کیا ہونا ہے۔“ وہ کندھے اچکا کے  
یوں غصے سے ہونے لگے میں بولی کہ وہ دیکھا رہ گیا۔  
محبوب تیری بکوں کے جھگل میں  
یہ کیا کا کچھ موسم ہے

”میں اس کی بھی جیسے عام انسان کی بات نہیں  
سنا جاتا۔“ سب انہیں یوں سنا جاتے ہیں جن کی  
کلا کیوں میں میرے بڑے سگن ہوتے ہیں۔“

اس کی خالی خالی آنکھیں اونچی سوچی کلاہیوں پہ  
ہیں۔

”مگر جب وہ میری زندگی میں آتا تھا تو میں  
عام کی لڑکی نہیں تھی۔ وہ بھی کوئی عام شخص نہیں تھا  
اس کا اپنا کلاہیوں کا باغ تھا۔ وہ ایک ریاست کا  
مالک تھا تب ہی تو اس کی دستکوں پہ بادشاہ نے قلعہ کا  
گیٹ کھولا دیا تھا۔ اس شخص کے کھوڑے کی کانچیں۔  
سرخ گرد میں اور بادشاہ کا کل پر سیدہ تھا۔ اس کا کھوڑا  
دیر تھا اور مگر شادشاہ کدہ کدہ کی عورتیں جسے سخت  
سے دیکھتیں۔ اور وہ میرا بھی تھانہ اپنی نو عمر لڑکیوں کی  
پیشانیوں پر رقیں کو میں بزر بخت جو ہو چکی تھی۔  
جائے کیوں چرب شیم ہو گیا۔“

☆ ☆ ☆  
اس کی آواز بھر گئی۔  
”قلعے کے دروازے، بھڑو دیے گئے۔ وہ ٹاچیں  
معدوم ہو چکی ہیں میرے ہاتھوں کا کس ان عورتوں نے  
لڑکیوں کی پیشانیوں سے دھوا کیا تھا۔“

اس کی اداس آواز نے آواز نے قہر سنی لڑکیوں کی  
سارنوں کو سنانا لیا۔ سارنوں نوٹ چکا تھا نہ کوئی  
بادشاہ نہ وہ شہزادی تھی۔ وہ جگہ تھی۔

”میرے میری ادا میرے لیے رنگ برنگے سوت  
کا تھے گی۔ چنے کی آواز اور سوت کی خوشبو میرا دل  
بند کرنے لگی تھی۔ میں مگر کی دیواروں پہ شادی کے  
گیت گانے والے پرندوں کو اڑانے لگی تھی۔ ہنس  
ہنس۔“

”اور ہے آپا؟“ جہیں کیا ہوتا جا رہا ہے اس ہال  
کمرے میں کون سے پرندے اڑا رہی ہو؟“  
ٹھانہ نے بے ذار سے سر دایا میں انہیں  
جھکا۔

آپا کی ہلکی دھیر سے سے دایا ہوئی۔ وہ کہنی  
کے تل پہ زرا سیدی ہو گئی۔ ملازمین میں حرکت نہیں  
ہی تھی۔ خوشبو میں بھی انتہام میرے جیسے انہیں

☆ ☆ ☆  
”میری بھی ایک کہانی ہے تم لڑکیاں وہ دیکھو  
نہیں سنا جاتی ہو۔“ وہ اٹھا بیٹھ ہوئی۔ ”اب میں  
بورسی ہو چکی ہوں مجھ پہ کوئی بھی رنگ نہیں چٹا۔ مگر  
جب میرے نیسے کا غلاف سرخ ہوتا تھا تب میرے  
خوابوں میں بھی ایک شہزادے کا مگر تھا۔“ وہ جیسے  
جلا میں۔

”تجہارا خواب کیوں سنیں؟“ لڑکیوں کا انداز  
اکٹا ہوا تھا۔

”میں نہیں۔“ وہ خواب کی تھا حقیقت تھی۔  
سنو! دو مگر کی رگ جاؤ۔ یہ کہانی تب کی ہے جب  
میری کلاہیاں چڑیوں سے بھری ہوئی تھیں۔ جب  
میں ہر شام لباس پہ لگاتی دو چادڑ صحتی تھی تو اس نے  
مجھے سرخ کلاہی دے تھے۔

”مگر تم تو مجھ کو۔۔۔۔۔۔ اک عام کی لڑکی۔“  
لڑکیاں پلٹ آئیں۔ ان کی آواز نرم آواز میری۔  
”میں مشعل کی کہانی سناؤ۔“ وہ کھٹک کے  
محبت کے قریب ہو گئی۔ ”میں جس کے پاس گئی  
تھا۔ جس کے پاس کشتیاں تھیں۔ ساحل تھے جن کی  
ناؤں کلاہیوں میں آج بھی میرے جڑے کھٹن  
ہوتے ہیں۔ جس کی ادویہ نیکی کی گلابی ڈور میں ساحلی  
ہوا آج بھی اڑاتی ہے۔“

لڑکیاں جاوولی قصوں کی تجسس تھیں۔ ان کی  
آوازوں میں ٹھانہ کے سے بھید کسمار ہے تھے۔  
وہ کدہ کو پائیں ہوئی۔

☆ ☆ ☆  
آپا کی ہلکی دھیر سے سے دایا ہوئی۔ وہ کہنی  
کے تل پہ زرا سیدی ہو گئی۔ ملازمین میں حرکت نہیں  
ہی تھی۔ خوشبو میں بھی انتہام میرے جیسے انہیں

باد آیا آج احمد کو آتا تھا۔ انہوں نے چار اطراف نظر دوڑایا، آج ان کی تینوں بھابیہاں جانے کیوں سر جوڑ کے نہیں بیٹھیں تھیں۔ انہیں افسوس ہوا آج روز قیامت نہیں تھا پھر بھی ان خواتین کو اپنی اپنی پڑی ہوئی تھی۔

آج احمد کے ساتھ فیروزہ نہیں آئی تھیں سو کھانا کھانے سے لے کر چائے کا تک ماحول میں بے تکلفی چھائی ہوئی تھی۔ آج کتا سٹیک کے ساتھ خاصے بے تکلفی کی ساتھ بات چیت کر رہے تھے۔ سو بھیجی دینی کے لیے انگلیوں کی تلاویں کھرا کر دیا چکی کی انہیں سر ملنے سے کیا وعدہ بھی نہایت تھوڑے بے چینی سے انداز نشست بدل کر انہیں دیکھ لیتا تھا۔ وہ پھر دھڑکی تو سر کی پچھاور بڑھ گئی۔ مشکل نے بیٹھا احمد کی دو ٹوک ٹوک کی جب سے چنگ شال اوڑھ لی تھی۔ اس کی آنکھیں نمایاں ہو رہی تھیں۔ آج وہ مناف کے چنگوں پہ خوب مسکرا رہی تھیں۔ چھوٹے بڑے ڈرائی فروٹ سے لطف اندوز ہو رہے تھے مگر انہیں آج سہول سے زیادہ عجیبہ تھا۔ آج احمد بے وجہ نہیں آتے تھے جس کا اندازہ اس کھر کی بھڑوں کو تھا۔ منیبہ نے ان بیڑوں پہ بغور نگاہ ڈالی۔ جن کے انداز میں ان کے لیے ایک دھنکچکا تھا کر گڑھ روز اس کی ان کے ساتھ گفتگو دوستانہ ہرگز نہیں تھی۔

”تباہی نہ کچھ فیصلے انتہائی غلط کے تھے۔ انہیں، احمد بھائی اور خاد کو کمانی کے لیے پر دیں نہیں بھیجا جائے تھا۔“ بیباکی اس بات پہ تھی دونوں بھابیوں نے جنہیں پیش ہو کر پہلو بدلتے تھے۔

”جیہاں ایک شادی میں شرکت کے لیے مجھے کویت جانا پڑا تو میں اور خاد خاد سے بھی کسی دونوں کو بھیجے ہوئے تھے اور کروڑوں محسوس ہوئے۔ تیس سال بہت ہوتے ہیں۔ اب انہیں قوت کی آرام کی ضرورت ہے۔“ انہوں نے بات ختم کر کے ان دونوں کو دکھایا تھا۔

”اب تو ماشاء اللہ سر ملنے کی کتا ہے اور شامہ

کے جیز کے لیے بھی رقم جمع ہو چکی ہوگی۔“ انہوں نے بے بات کرتے ہوئے خاصا سہجیل کے جائیداد دیکھا تھا۔

”اگر پردیس میں اسے ہی دکھ میں بیٹا! تو تم لوگ دہی میں کیوں رہ رہے ہو؟“ جائیداد بھڑا سا بھی لگاؤ ایمر نہیں تھا۔ مگر وہ اس کے سکرانی جیسے نظر انداز کیا ہو۔

”ہم تو ہاں پورے خاندان سمیت رہتے ہیں میرے شوہر کو بیوی بچوں کا سکسٹر ہے۔ جب میں محسوس کر دوں گی کہ تم جھٹکتے ہیں تو واپس لو آئیں گے۔ مگر بھابیوں پر دیں میں بڑھایا بہت مشکل سے کتا ہے۔“ (مجھ کو شوہروں پہ ترس کھاؤ) انداز ایسا ہی تھا۔

”اس قدر بھگائی ہے یہاں بھی تو منیبہ مشکل سے کتا ہے۔ چکی کی پہلی کتنے ہی غل میں چڑا رہے ہوتے تھے۔“ دوسری طرف منیبہ کے لیے لاکھوں کی کیشیاں ڈالی تھیں اور بھی کی اخراجات ہیں ہم کون سا یہاں کون ہیں۔“

اب کے یہ جواب روئی کی طرف سے آیا تھا۔ جس کی جائیداد بھی بھر پور نہ تھی۔ ”سر ملنے بھی ماشاء اللہ سے کتا رہا ہے۔ مگر بھی نہ صرف اب ہے بلکہ پریشیں اور شامہ بھی ہے۔ سر ملنے کا رشتہ شامہ سے ہو جائے تو لاکھوں مسائل چنگوں میں منت جا میں گئے۔ نہ برکی کا جھنجھٹ نہ روئی کی جھنجھٹ کی ڈیخاڑ اور اور خاد بانی زندگی پوری بچوں کے ساتھ کرنا نہیں کیا یا اب بھی ان کا حق نہیں جتا۔“

روا کی ہی تھیں جب حق کی بات شروع کر دیتیں ہر قسم کی صورت حال میں متقابل سے پسپائی اختیار نہیں کر لیں گی۔ روئی کو چپ لگ گئی تو جیسے ان کی بات نے جائیداد چلتے تو ہے پہنچا دیا تھا۔

”الوینہ کچھ خیر مزاج کی ہے۔ مناف اس کا خراج بکھتا ہے۔ زندگیوں کی بونی چوئے بڑے سکھ جو ذر سہل ہو جاتی ہیں۔ جنہیں ہم نے اپنی بڑی بڑی

خیرہوں کے عوض مشکل بنا رکھا ہے۔“ اب ان کی دونوں بھابیوں انہیں یوں دیکھ رہی تھیں جیسے سامنے کوئی باطل بیٹھا ہو۔ بس شائستہ چمن سے جھک کر بیٹے کا بیڑا لے کر بھیجی بیباکی نے کتا سے لگا دیا تھا راسی بیٹی تو ڈش بھتا تھا۔

”لو کیوں کا کتا اراب ابی تھو! ہوں میں کہاں ہوتا ہے۔“ روئی کندھے کاڑا کے بوش۔ اندھ خور کی جی کوکلوں میں بٹھاری ہے اور میری الوینہ ایک گھر سے دھست ہو کر دوسرے میں چلی جائے۔ ”آپ کچھ دن اور درگ جا میں تو دیکھیں کہ شامہ کو کیسے چلو آ رہے ہیں اس قدر شامہ چلی ہے۔“ ان کا پتا نہیں ہے۔

بھابی کے شیریں لہجے میں لیا خاد و سامت آیا تھا کہ کیا کیا کارزار دروں میں پھر۔ جس میں عی یہ سوچ لے رہی تھی میں کچھ دن کا کتا اراب بیباک ساتھ جزار تھو! میں کہاں ہوتا ہے تو بیٹیاں تو بھر لاکھوں کتا کے والوں کی راہ دیکھیں گی اور پورے باپ پر دیں میں کتا ہوتے ہیں سر مکت جا میں گئے۔ زندگیوں سے جہاں سادگی رخصت ہوئی تھا۔ تھو بھی کتا کتا کر گئی۔ متبادل میں نہ سکون سمیت زندگی کا بارسا حسن بھی غارت کر دیا۔ منیبہ نے ان کی سوچوں کو جھٹک کر وقت رواں میں آگ مگر اس کا گھر سا لیا۔

انہوں نے آج صبح جائیداد کا جواب سر ملنے کے سامنے رکھا تو نامہ خاموش رہنے کے بعد احمد سے بات کرنے کی راہ انہیں سر ملنے نے لے کر دکھائی تھی۔ ”میرا انصر اسلام آباد ہو رہا ہے اور میں واقعی اب شادی کرنا چاہتا ہوں۔ تمکب ہے میں مانا ہوں شامہ اب ان کی ہم خیال نہیں ہے اس لیے ہرے پر پوزل کے لیے ماں سے پندہ بدل کا اظہار کر رہا ہوں۔ آپ تباہی کے آنے سے پہلے یہ بات شامہ سے کر لیجئے گا۔ جیسا کہ آپ چاہتی ہیں اس کھر کی عمر میں سہ قافلے بازی کا کشاکش میں پھر میں یا مناف ان کے لیے کاپے کیلنڈر چوں گی۔ اچھی طرح کتا بھابوں مار لینے کے

بعد محض کتنے کا سہارا۔۔۔۔۔ مگر چچی نے تباہی کو بھی انکا کر دیا تو پھر جس قصور وار تھیں ہوں گا۔ آپ کتا سے یہی بتا دیتے گا۔“

سر ملنے نے جس طرح دو ٹوک لہجے میں قطعیت سے بات کی تھی۔ بیباک دل کا پتہ کہ وہ سمجھا۔ اب وہ بے خبر تھیں کہ شامہ نے ماں سے کس طرح اور کیا بات کی ہوگی مگر اپنے لیے سر ملنے کے پر پوزل کا کتا اس کے پیچھے سے تباہی کی کیفیت پر بھی۔ جس کا جیسا بھی موڈ تھا احمد بات کا آغاز کر چکے تھے۔

پچھ دیو اپنی بیباکی کا جواز اور جواب سن کر بھی وہ مایوس نہیں تھے مگر باتی سب کے لیے وہ رات ہی اور پورے کتا کی احمد کے جانے کے بعد بیباک نے سر ملنے کو بل کتا سے نکلے دیکھا تھا۔

☆☆☆

مشعل جب جانے لے کر کمرے میں آئی تو وہ دونوں کسی بات پہ الجھ رہے تھے۔ اس نے انہیں کے سنہ سے لفظ آنا سنا تھا۔ اسے دیکھ کے خال اور بھانجا خاموش ہو گئے۔ سونے سے پہلے اس نے بیباک کے کمرے میں شامہ کی کتا کے جانے کا پتا چڑھا تھا۔ ”اس میں تھو دن سے ڈھیروں بات کرنا چاہتی ہوں۔ لہذا ہم تینوں کی جانے لے کر شامہ کے بیڑوں میں آ جانا۔“ وہ کچھ بھی کہے بھابوں مڑ گئی۔

وہ انہیں کے بیڑوں میں اس کی غیر موجودگی میں آئی تھی تو اس کی مخصوص منک اسے اپنے حصار میں لے کر گئی آج تو وہ خود بھی موجود تھا۔ اندر قدم رکھتے ہی اس منک نے بے تکلفی سے اسے چھوا۔ ”ادھر میرے سامنے بیٹھو۔“ بیباک اس کے ہاتھ سے ٹرے کی لے لے کر سر ملنے پہ بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ اب وہ سائینس ٹیکل کی دراز کھال رکھا تھا۔

”شامہ کیسی ہے؟“ وہ جھٹکے تو بیباک نے دھمی کی آواز میں پوچھا۔ ”بے ڈوف ہے۔“ وہ سر جھٹک کے

مسکرائی۔  
 ”ایک تم ہی مجھ دارو۔“ اس نے مشعل کی پٹھ کو گھورا۔  
 ”لو بھلا کیا جواب ہوا۔“ چپا ہنس دیں۔  
 ”درو کے بے حال ہو رہی ہے مجھے وہ اسے چھوڑ دے یا چکا ہو۔ ہند!“ خاصا پٹ کے بتایا۔ کسی نے اسے دوبارہ گھورا۔  
 ”اور اگر ایسا ہی ہو تو۔“ چپا نے ایک بے بسی سا گہرا سانس بھرا۔

”جو آپ کا ہوتا ہے وہ آپ کو بھی حال میں نہیں چھوڑتا۔“ وہ گہرے کی کردہ اس کے سامنے آ کر بیٹھ گیا تھا۔

”خیر چھوڑو۔“ بس آج تم دونوں مجھ سے اپنی باتیں کرو۔“ انہوں نے ان دونوں کو مسکرائے دیکھا۔ مشعل کا اعتماد ہوا ہوا۔

”چپا ہے اشعب! انتہار اور مشعل کا رشتہ بہت اونگھا سا ہے۔ صرف احسان سے بندھا ہے۔ ہند اس گھور کو بتا رہی ہیں) میں چاہتی ہوں تم دونوں جہاں بھی رہو ایک دوسرے کے ساتھ رابطہ اور واسطہ رکھو۔“

(یہ مجھ سے واسطہ رکھے گی جو پہلی بات کے بعد ان کے آپ کے ہاتھ میں دے دیتی ہے) اس نے اس گہری کی لڑکی کی نظر ڈالی۔  
 ”اشعب! یہ لڑکی ہے جس میں اس کی ذرا بھی پرواہ نہیں۔“

چپا نے اچانک ہی مشعل پر ہم چپکا۔ اس نے تیزی سے اسے دیکھا جو خالی کپ تپاں پر رکھ کے سنجیدہ ہوا تھا۔

”میں نے کہا کیوں پر اپنی بات یاد رکھو! جب تمہارا اینڈیکس کا آرہیں ہوا تھا تو کیسے اشعب راتوں رات مجھ سے بھی پہلے آ گیا تھا۔“ مشعل کا چہرہ تپا۔  
 ”مگر اس پر بھی اسے شکایت ہے۔“ چپا صوفے کی پٹ پر سر کر کے مسکرائیں۔  
 ”اب کیا ساری باتیں باتیں کی۔“ مشعل

نے خاموش سا گھوک دیا۔  
 ”کتنے کی ہاں آ یا تھا مگر ان میں دونوں میں میرا حال تو کچھ بس ایک باری کمرے میں آ یا تھا۔“  
 ”میں نے مشعل سے کتنی سے خالہ کو دیکھا جگہ۔ ہنوز مطمئن سا بیٹھا اسے سنا۔ پھر صرف تھا۔“ مشعل کا خیال ہے کہ تری میں تمہارا کسی لڑکی سے ضرور رابطہ چل رہا ہے۔“  
 ”اف!..... خالہ نے یہ بھی بتا دیا۔“ اس کا رنگ اڑا۔

اشعب نے دیکھ کے خالہ جھیر لی۔ وہ اس سے بہت خفا تھا۔ وہ خالہ کے سامنے اس سے بات نہیں کرنا چاہتا تھا۔

”میں تم دونوں سے بس اتنا کہوں گی کہ کسی بھی وقت میں اور مجھ سے کسی بھی شے میں اس احساس کو کم نہیں ہونے دیتا۔“ چپا کی دھکی اور سنجیدہ آواز نے دونوں کے دل پر اثر کیا تھا۔ ”ہر حال میں تم دونوں کو ایک دوسرے کے حال کی خبر ہونی چاہیے۔“

اشعب نے سنا کہ پہلو بدلا۔ وہ ستارہ چھو لے بیٹھی بات سمجھی۔ وہ گنگا نہیں اٹھا گی۔ چپا نے جو گہرا سانس دوسری جانب کا دل رسیو کر لی گی۔

”پہلو..... ہاں!“ اب ان کا رنگ باہر کی جانب تھا مگر مشعل کو ان خود بخود انھوں کا جوں کی توں سنا تھا۔ اسے اپنی جگہ میں کسی سرگوشیاں اس کی سماعت کی نذر کرنا نہیں۔ اس کا چہرہ پٹ کے سرخ ہوا۔

”تم سے کس نے کہا ہے کہ تری میں میرا ایک لڑکی سے رابطہ چل رہا ہے۔“ اس نے خشک بیجا اختیار کیا۔ وہ چپا ان انھوں کے تاثر کے برعکس تھا۔

”تو کیا نہیں چل رہا؟“ وہ بھی برف اوڈھ کے لاہروانی سے بولی گئی۔ اسے روہی (محبوب کے گیت) سنائی آنکھوں کا اعتماد نہیں کرنا تھا۔

”تم بے وقوف ہو مشعل!“ وہ سکون کے ساتھ بولا۔  
 ”مشعل نے اس سے عزتی پر میرا کڑوا گھونٹ بھرا اور تیزی کے ساتھ کھڑکی کی بولی کر اس کی مثال کا

کونسا شعب کے چہرے سے لگا۔  
 ”تری میں کی ایک سے نہیں میرا انتہار جانے کتنی لڑکیوں سے چل رہا ہے۔“  
 ”کیا ہے تری کی وہ جو پتھر ہو گی۔ مگر اس بے لطف کر نہیں دیکھا۔ اس بات سے کیا فرق پڑتا تھا۔ دروازہ سکون سے بند کیا۔  
 ”مگر فرق تو پڑتا تھا۔“  
 ☆ ☆ ☆

چپا اس کو پھر سے اداسیوں کے چہرہ دکھ کرے جا چکی تھیں۔ ایک نئے ٹیک اشعب چلی جاتا تھا۔ وہ اور کلین ایئر پورٹ تک پہنچی گئی تھیں۔ الونہ جی کی وجہ سے بہت ڈسٹر بھئی۔ وہ بھی گھر پہ رہی تھی۔ وہ اور وہ مناف کے ساتھ واپس آئیں کہ اشعب ایئر پورٹ کی حدود سے نکلنے ہی کی دوست کے ہاں جانے کا کہہ کر ان سے الگ ہو گیا تھا۔  
 ”میں نے اتنا خاموش اور تڑاؤ کا سامنا کیا تھا۔“  
 ”اے..... سب اب اسے منہ لٹکانے کیوں پھر رہے ہو۔ گھر کا مسئلہ ہے۔“ لیٹی کے دوبارہ سوچیں گے اور اس کی بات سے۔

”مشعل! مناف اور میری کے بعد الونہ کے منہ بھی بار بار تیرے دیکھ کے آئے ہیں۔ اپنے انداز میں کھلی رہی گی۔ اس وقت وہ سب بچ کے لیے کھانے کے کمرے میں جمع تھے۔ آج گھوڑے لگھا اچھا بنایا تھا۔ آج آپ نے جب چھوٹا کونٹہ میں ڈالا تو مشعل کو لکڑیاں۔“

”پچھلے کے ہیں۔ بس بھی کریں۔“  
 ”چپا کے ہوں تو یہ کہہ کر روک دیتی ہو۔ بے فائدہ گوشت یوں لی کھائے جارہی ہیں۔ بڑے گوشت کے ہوں تو اعتراض..... پچھلے کے کوٹنے کھاؤں؟“ آج آپا پڑی ہی ہو رہی تھیں۔

تب ہی مرسلین کھانے کی میز پر آیا تو پھر ہر کو سب خاموش ہو گئے کہ موصوف رات کے بعد اسے نظر آئے تھے مگر جب کونٹوں کو دیکھ کے اس نے سانس ماریہ مڑ میں واڈ کھا تو گہرے اور ان سب کے چہروں

پہ رات سے چھانے ادا کی کے بادل چھٹ سے گئے اور سب پٹ سے مسکرا دیے۔ اس کے سوز کی خوش گواری بھی ہی لوئی تھی سب کچھ پہلے چپا ہو گیا۔  
 ”مشعل! بھانک کے سب کے لیے کائی بنالائی۔“  
 ”رات کو گھر کا طوطہ بنائیں گے۔ یہ اشعب جانے کہاں رہ گیا۔“ حمیزہ نے داخلی دروازے پر گنگا ڈال تو روٹی سے ترش اور پتھر نظروں سے گھورا۔  
 ”تمہارے کمرے سے نہیں آئی گی مگر جاہل سے وقت معمول کے مطابق ہی گزارا تھا۔“

”آج رات کو اشعب کے ساتھ چل کر کہیں سے آؤں گی کہ کم کھائیں گے اور پھر گھر آنے سے پہلے رٹو کا کائی بارے کائی بھی ہیں گے۔“ الونہ نے پھر اپنا پیچہ کمرے سے اشعب سے منہ لٹکانے میں ملا۔  
 ”اب سب کے لیے میرے پاس ایک کچی خبر ہے۔“ مرسلین نے انہیں اپنے جانب متوجہ کیا۔ تیزی سے موگ چلی کھائی مشعل کے ہاتھوں کی حرکت سست پڑی۔

”مجھے چپا سے کوئی گھوک نہیں۔ جو وہ اس ہوا میں سے فیصلہ کر لیا ہے۔“ آواز ذرا سا لڑکھڑا گئی۔ اب اس کا چہرہ پٹا کی طرف گھوما۔ ”پاپا! میں جلد شادی کرنا چاہتا ہوں۔“  
 اور جب اس نے لڑکی کا نام لیا تو سب بیٹھی آنکھوں اور کھٹے منہ کے ساتھ بے چینی کے عالم میں پتھر کے بت بن گئے تھے۔  
 ☆ ☆ ☆

مرسلین کی جانب سے لشکر کی جانے والی دھماکا خیز خبر نے قہر انوار کی دل کھایا تھا۔ گھر میں ایک بے کسی اور بے چینی کا سامنا تھا۔ وہ آکا کو شام کی جانے دینے کے بعد معمول کے مطابق کمرے سے نکل آئی۔

وہ دروازہ سے اس پورٹیک میں جانب کر رہی تھی۔ آج اسے معمول کی چکل پچل سے انجمن ہو رہی تھی۔ اس نے پہلی گلاس وال سے باہر بھانکا۔ وہ دھک سے رو گئی۔



”شعب! اڑا ڈانگ نیلی سے فروٹ  
 باسکٹ اٹھا لاتا۔“ آپ کے کہنے پر دو دو ٹوٹری کے لیے  
 ڈانگ روم میں آتا تو اس کی گھر حاضری کی ان ہی  
 دو گھڑیوں میں دو ٹماٹر کو کھیلنے بولے لاؤ گھڑی لے  
 آئی گی جہاں مریض صاحب کچھ پہلے سے موجود تھے۔  
 ”جیسا کہ تمہارے صاحب کو ابھی نہیں کے صمدانی  
 گھر میں دندتا ہے پھر بے چین تھی مگر اب اپنی دو ٹوٹریں  
 آجاؤ۔“ وہ چار جانا تیروں کے ساتھ بولی کہ  
 ”مرئیں سے لڑے جڑ کے ساتھ مرئیں سے لگاؤ۔“  
 ”تمہاری قلعی ہے جڑ کے ٹماٹر کہ تمہیں ہاں کے  
 سامنے ڈنٹ جانا چاہیے تھا۔“ اس نے شور دیا۔  
 ”کس!“ آپ نے شعل کو کھڑا  
 (یہ سا شور دے رہی تھی)

”جیس۔“ وہ جیسے تڑپ ہی اٹھا تھا۔

ایک بے حساب درد سے نسبت کو کاٹ ڈالا۔ کوئی غمزدہ جنازہ نہ اٹھا، کچر میں ڈھلا وہ شخص ایک ہی تھلے سے انقار کے تمام مراحل طے کر چکا تھا۔ وہ حشرے سے کھڑے نہ ہوئی۔ اس امر ہی غصے کا پٹا تھا جو ظالم سکرانوں کی طرح گوار میاں سے باہر دھکے کیٹھنے لگا تھا۔ وہ اپنا سفری سامان ساتھ لے کر بیڑ دروم سے باہر آتا تھا۔

”غلام فاطمہ! اتھار پٹا اس عورت کے ساتھ اپنی مون مٹانے جا رہا ہے۔“ وہ بچے کو گدگدائیں سے سمجھو رہے تھے سکون کے ساتھ ہنکام ہوئے۔ ”غلام فاطمہ! بھگت، روتی ٹیکہ جیسے سانس تک دھکے کے گھڑی جیسے اور نسبت وہ تو سانس سے بھی بے خبر تھی۔

”تھمارا بیٹا ایسے پیرس میں حسین خوب دکھائے گا۔ اور میری۔“ نیم بچی یہاں خون کے آنسو رانے کی۔ تڑپے کی بات کر کے کی۔“ انوار کے لیے میں کرب تھا۔“ جب اس نے رونا ہی سے تو دوسری صورت کیوں نہیں۔“

تایا کی آواز میں راک ہولناک گونج تھی۔ ”اس کا ہاتھ تمام کے لیے۔“ واپس اپنے کمرے میں لوٹ جاؤ! اور ایسا پھر اس سے ہر رشتہ ختم کر کے اس کمرے پر ہیشہ بندش کے لیے نکل جاؤ۔“

انوار نے نسبت کو کالانی سے تمام کے ٹھہرتے ہوئے بیٹے کی جانب دھکا دیا تھا۔ عورتیں ہر خمر کے رو تھیں اور احمد لڑکھائی ہو کر کوسٹھالے کے بجائے وہ قدم بدک کے پیچھے ہٹا جیسے وہ ناختم ہو۔ انداز کچھ ایسا تھا کہ وہیں جاؤ۔ جیسے وہ نسبت کو چاٹنا ہی نہیں تھا۔

کاش وہ زمین میں سانسکتی۔ کاش وہ اس کی زندگی کا آخری پل ہوتا۔۔۔۔۔

”مجھے دیہ ہوری ہے۔ میں آ کر بات کروں گا۔“ اس نے رخ پھیر لیا تھا۔ وہ اس کی پشت کو گھورنے لگی۔

”تمہیں جانے سے پہلے نسبت کو قلاتی دیا ہو گی۔“ انوار کی آواز میں ایک دھکی تھی۔ روکنے کا کاک بہانہ تھا ایک آخری خوشی تھی۔

تایا کی بھڑکی آواز نے نسبت کے تڑپے دل کے لیے گھرائی ایک راہ دکھائی تھی۔ ”نسبت زوار کا تمہارا جدائی میں رونا پٹنا، ماتم کناس ہوتا رہتا ہے تمہارے انتقام میں ہرگز نہیں اچھا۔“

تایا نے کیسے اس کے دل کی بات کی تھی۔ مجھ میں کیا تھی کی محبوب کے دوسری عورت نے نہیں پایا اور تم اس کے ہو گئے وہ جیسے پھر سے جڑنے لگی تھی۔ وہ تیری تیزی سے پٹا تھا۔ اس نے یوپی کی مٹی آنکھوں میں چھپتی نظر ڈالی جس کی آنکھیں بائبل خاموش تھیں۔

”مجھ سے کیا چاہیے انتظار یا پھر؟“ قہر انوار کی پختہ ایشیں تڑپے اس پر سے نکل گئیں۔ بخت کا غمرو مٹی ہوا اور وہ اسی مٹی میں ٹپ گئی۔ وہ دوبارہ بھی زندگی میں اس کی جانب ہاتھ بڑھا تا بھی تو ہاتھ میں نسبت زوار کے ہتھکے تھے اس کی آئی۔ وہ چاند کھینچے سر کی۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ وہ نسبت کے ساتھ کیا کر رہا ہے۔ وہ اپنے ساتھ کیا کر رہا ہے۔

”دیکھنا اور انوار نہیں کرنا چاہتی۔“ اس کا ٹھنڈا اٹھار پٹا بھی مٹی ہوا۔ وہ کھجور کو بے یقین ہوا۔ دکھ، عدم، بے اعتباری۔۔۔۔۔ نسبت آ کی آنکھوں میں بے سبب ٹپکے تھیں۔ بس ایک ہو کا سالم تھا۔

اس دن کے بعد جب تک غلام فاطمہ زندہ رہی۔ شوہر کی جلد بازی ی بین ڈالنی رہی۔ دونوں میاں یوپی کا قصد راجا جاتا تو خود بھی شہنشاہی پر جاتی۔ ”نسبت نے وہ فیصلہ تمہاری جھپ کیا تھا۔“ اس دن کے بعد انوار خان جیسے بہرے اور گھٹے ہو گئے تھے۔

عدت گزرنے کے بعد نسبت نے دوسری

شادی کر لی تھی۔ لیکن اس بار شادی کے تین سال بعد وہ بیوہ ہو کر دوبارہ زوار باؤس میں واپس آئی تھی۔ اس بار وہ اپنی بیٹی لولی تھی۔ اس کی گود میں بھی مشعل تھی۔ وہ ماہ کی بیٹی کو نسبت کی گود میں ڈال کر مشعل کے ماں باپ میں ٹھوڑی دیر کا کہہ کے گھر سے نکلے تھے اور موت نے انہیں راستے میں ہی اکٹلا لیا تھا۔ یقیناً قسمت نے نسبت کو مشعل کے لیے ہی اس کی جگہ میں بھیجا تھا۔

بچی کے دوبارہ اجڑنے نے انوار خان کو بیڑوں میں غم کیسے کر دیا تھا۔ باپ کی وفات کے بعد بھگت نے نسبت کے ساتھ زوار باؤس میں رہنا شروع کر دیا تھا کہ مشعل کی شادی کے بعد وہ بائبل آگیا ہو چکا تھیں۔ احمد نے نسبت کو اپنی زندگی میں دوبارہ شامل کرنے کے کیا کیا نہ جتن کیے تھے۔ خود فیروزہ کی بابت نسبت کے سامنے گڑباز مٹی تھی۔

”میں نے اب نہیں چاہنا چھوڑ دیا ہے احمد۔“ اس کا لہجہ صراحتاً تھا۔ احمد اس کا سر چڑھ سکتا رہ جاتا۔ اس کی وفات کے بعد بھگت مشعل کو اپنے ساتھ کھیرا اور میں احمد کی ایما پر ہی لے کر آئی تھیں جو اس لڑکی کو اسٹوب سے بڑھ کر چاہتا تھا اور بھگت کے لیے مشعل کی تھی آہ خود کو بھی سمجھائیں کی تھیں۔

☆☆☆☆

انہوں نے کر دیت بدل کے دیکھا۔ فیروزہ گہری نیند میں تھیں۔ وہ جانے تھی دریاں کا خوب صورت چہرہ دیکھتے رہے۔ جانے کب اس کا چہل حسن انہیں اوجھرا لیتے لگا تھا شاید رات سے کل سے وہ نسبت سے رشتہ ختم کر کے ان کے ساتھ چلے گئے تھے۔ انہوں نے بے چینی سے سینہ سلا اور بستر چھوڑ دیا۔

وہ بے باؤں ٹیکس پر آئے۔ اسی پل آسمان پر ایک تار اسانو ٹا تھا۔

”تم میری زندگی میں واپس آ جاؤ نسبت!“ انہیں اس کی منت بھری آواز یاد آئی۔

”عورت! جوج سے مجھے نہیں کرتی، وہ مجھے چاہتی ہے اسے چھوٹا اس کی خواہش میں نہیں ہوتا۔ وہ

محبت کو خواب کی طرح دیکھتی ہے جو کچھ کھل جانے پر بھی یادداشت میں رہتا ہے۔“ وہ جیسے صدیوں بعد بولی تھی۔

”محبت میں بیکانی نہ رہے تو چاہئے والے پرندوں کے طرح اڑنا چاہئے جس احمد!“

اس کی نرم آواز کبھی ساعت کے بہت قریب سے ابھر کر گئی۔ انہوں نے ٹیکس پر موجود ایزی چیئر سے الگ لگے آنکھیں موند کر کو گھنے پانی سے بھر گئے تھے۔

”میں اب بھی تمہیں چاہتا ہوں۔“ انہوں نے آنکھیں بند کر کے جیسے اٹھائی۔

”میں نے اب تمہیں چاہنا چھوڑ دیا ہے۔“ تم بھی مجھے چاہنا چھوڑ دو احمد۔“ ان لفظوں نے احمد کو سار کا پٹا دیا تھا۔

”جو تیرے قہقہے میں ہی نہیں آتی۔“ جسے شائدیں کیا سا کسا! اس کو ہم کی طرح نصیب کر سکتے ہیں سو محبت میں آسمان کے تمام ستارے کی ایک ہی ہستی کے نام کر دیے جاتے ہیں۔ کرنا ہوتے ہیں۔“ زندگی نے انہیں سمجھا دیا تھا۔ اب وہ دوسروں کو سمجھا جاتے تھے مرلین انبساط کو کیسے پرچوڑ کر سکتے تھے جبکہ وہ محبت ٹما رہے تھے۔

وہ آج اس کرب کو محسوس کر رہے تھے جو بھی ان کے باپ نے محسوس کیا ہو گا وہ اپنے خاندان کو بچیوں کی طرح ادھر لے نہیں دیکھ سکتے تھے۔ وہ آج سمجھ رہے تھے کہ درد ایک ایک دگ میں کیسے اترتا ہے۔

”بھگم اور محبت میں بہت فرق ہوتا ہے۔“ دوف انسان۔“ انہوں نے مرلین کو ایک خدائی ٹھٹھر لگایا تھا۔ شاید اس کی ایک لمحے کی محبت کا مقابلہ انبساط کا برسوں کا کلن نہیں کر سکتا تھا۔

انہیں ہر حال میں ٹما رہے کا دل آ بار کرنا تھا۔

☆☆☆☆

”لڑکی اس قدر افس ہے نادان ہے کہ تم اندازہ بھی نہیں کر سکتے۔“









اندھ سرکار ہاتھا۔

ملوں بعد آج اس نے گلہ کیا مجھ سے  
منصب دلہری پر کیا مجھ کو کھال کر دیا  
سرملین کی آواز بھی اُڑا اس نے شہر کو اک  
انداز کے ساتھ ساتھ کٹا کٹا چہرہ دکھائی پر کیا۔  
”یہ بحالی مشکل کی سرہون منت ہے۔“

ایک دفعے سے اس نے سرملین کے سر پر  
احسان رکھا۔ جس نے ہاتھ کے اشارے سے مشکل کو  
ٹھیکس کہا تھا۔ وہ سرکاری تھی۔ اشعب خاموش تھا  
جیسے مشکل میں جبراً بیٹھا ہو۔ اسے مشکل سے بات  
کرنے کا سوچ نہیں مل رہا تھا۔ وہ محسوس کر رہا تھا کہ  
مشکل کے چہرے کا اطمینان معنوی تھا۔

☆ ☆ ☆

”ایزپرٹ کون کون جا رہا ہے۔“ مناف نے  
گرا گم سوپ سے انصاف کرتے ہوئے سب پر  
سوالیہ نگاہ ڈالی۔

”آج بہت سر دی ہے۔ میں نہیں جا رہی۔“  
عینہہ ہنر کے چٹا اور زرد یک ہوئی۔ جو نے کے  
تے ہاتھ سے اشعب نے اسے چمک کے دیکھا۔ آج  
سے پہلے اس کی اور اور وادی پر کوئی ہونہ و مومیر و ضرور  
ہوئی تھی تو کیا شہر صرف غریب کا ہوتا ہے۔

”میں اور شادہ تو ضرور جائیں گے۔“ ہاتھ میں  
ڈیگر لٹکانے الوینہ لاؤنج میں آئی۔ ”آج کل کی  
سر دی کے لحاظ سے مجھے کچھ مناسب نہیں لگتا۔ ہاں“  
”کیا میں تمہارا ایک سوٹ کھوں۔“ الوینہ

نے مشکل سے پوچھا۔  
وہ مطلب کے وقت مشکل سے خوب دوستی کا تھ  
لی تھی۔ اشعب نے الوینہ پر سادہ سی نگاہ ڈالی۔  
آپا نے تودریاں چڑھا کے اسے گھورا۔ ”کل  
فیروزہ نے مشکل کے لیے سر دیوں کے کچھ سوٹ اور  
ڈشوارٹس بھیجیں۔“

مصانے میں بیٹھ پر پڑے ہوں گے۔“ جائے  
چنی مشکل نے کال سے نیاز کی سے کہا جیسے وہ اپنے  
پاس بچو کی نہیں رکھنا چاہتی تھی۔

آپا کی بھابیوں کے تعلقات بالکل پہلے جیسے  
رہے تھے۔ آپا کی زندگی کی مقابلہ بازی میں شاپک کی  
حد تک تھی۔ اشعب کی کوال ملانے ہوئے باہر آ  
گیا۔ چند منٹوں بعد اشعب نے اسے اپنی جانب  
بڑھتے دیکھا اس نے سفید گرم جرسی پہ بیرون شال  
لی ہوئی تھی۔ وہ اس کے لیے کی ایزپرٹ نہیں جانی  
تھی۔ اس کی یہ عیادتیں بس چپا کا تک محدود تھیں۔  
اب وہ ملوں سے بات نہ کر چکا تھا۔

کوئی بھی راستان نہیں ہوتی۔ کہیں کوئی کی  
رد جانی ہے اور کوئی ایسی ہی کی مشکل کی آنکھوں میں  
بھی تھی۔ وہاں کی اجموری راستان کا دروہ لکھوے  
لے رہا تھا۔ پھر جس اس نے جانے والے کو سرکار کے  
دیکھا۔

”میں ماموں کی طرف جانے لگی تھی سوچا  
آپ کو خدا حافظ کہہ دوں۔“

وہ لب مجھے اسے دیکھتا رہا۔ کچھ ہل کر گئے  
وہ نگاہ چمڑا کے پلٹ گئی۔ وہ کسی بھی سوڑ پر اس  
اجموری کہانی کا رخ بدل سکتا تھا۔ اسے کسی کی پرواہ  
نہیں تھی۔

تماز جی ڈھونڈنے سے مل بھی جا نہیں تو دقتی  
آس ہوئی۔  
کہ لاؤ چھوڑ دینے سے سر دی پھر سے آپ

کے ساتھ چلے گئی ہے۔  
تماز جی ہمارے وجود میں ہوئی ہیں۔  
کہیں مٹھیں کے اندر سے نکلی ہیں۔

وہ دلچسپی کیوں سے ہوئی ہوئی ماموں کے گھر  
جلد پہنچ جاتی تھیں آج اس کا دل کھینکے گا اور ہا  
تھا۔ وہ تھوڑا سا چلنے کے بعد واپس ملوں سے نکل  
آئی۔ اس کی مٹھوں سے جیسے تمازت اڑی تھی۔  
تمازت آکھ کے پانی میں بھی تو ہوئی ہے۔ وہ ہاتھوں  
کو باہر پھینکا کر لی۔ اب وہ دیکھ کر لی کے گھر کے  
بالکل پہنچے۔ اندر موسیقی کا شور تھا۔

تو وہ جا گیا۔ ”سنو، وہ مجھے چھوڑ کے جا رہا  
ہے۔ وہ بوڑھوں کے گرد و دوں ہاتھ رکھ کے زور سے

چلائی۔ لیکن آواز شور میں دب گئی۔ سر دی اسے پھل  
گر رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں گرئی تھیں۔  
”سنو! لایو!۔۔۔ ایسا نہیں ہوگا۔“

گیت کے بول اس کے فکھ نہ سون سے لیے۔  
”ہاں میرے نرم کہوں میں اس کا گور بھی  
ہے۔ اس نے اعتراض کیا۔ وہ اس کے بڑھنے لگی۔  
وہ تیری تھی تھی جو تھی ہوئی سرگوشیاں ہیں۔  
”اب بھی نہیں ہوں کی تودہ اس گیت نگار کو  
جواب دیتی جا رہی تھی۔

سنو! لایو! نہیں ہوگا  
محبت رانچ کے موسم میں  
اپنے کچے جھسوں کی  
ذرا ہی باس تھی

اے مل کو پھونپنے نہیں دے گی  
کراہا ایسا نہیں ہوگا  
سکی کی تھلائی کو بہت اوزہ دینے کی

کراہا ایسا نہیں ہوگا  
محبت آنے جھسوں کے ہاتھ لگ کے دروہو گی  
محبت جنوری کی جیسی اب اس کے سنتر ہو گی

وہ دیکھ کر لی کی کی تھی سنو! دیکھ کر لی کی  
اب کہیں پیچھے رہ گیا تھا۔ اب اس کی آنکھ کے  
پانی میں بھی تمازت نہیں تھی۔ وہ ایک پھری رہی پھر  
چلتی چلی جا رہی تھی۔

اس نے دیکھا وہ ایک پتھر چلی روش پر جا رہی  
تھی اس کے قدموں میں برقی سی پھری۔ وہ پیچھے  
مشعل فریڈ کے پیچھے بھاگ رہا تھا۔ وہ بڑا تھکوں  
مالک لڑکی کا دور گئی تھی۔

نسبت دینا سے چلی آتی تھی۔ وہ نہیں جانتی تھی  
کہ اس کے جانے کے بعد مشکل سے محبت کرنے  
دالوں چار لوگوں میں اپنا سواں حصہ بھی شامل ہو چکا  
ہے۔ اس نے چند قدم پیچھے رک کے اپنا سانس بحال

کیا۔ وہاں تک کی پھر مڑ کے دیکھا۔  
نسبت دینا سے چلی آتی تھی۔ وہ نہیں جانتی تھی  
کہ اس کے جانے کے بعد مشکل سے محبت کرنے  
دالوں چار لوگوں میں اپنا سواں حصہ بھی شامل ہو چکا  
ہے۔ اس نے چند قدم پیچھے رک کے اپنا سانس بحال

کیا۔ وہاں تک کی پھر مڑ کے دیکھا۔  
نسبت دینا سے چلی آتی تھی۔ وہ نہیں جانتی تھی  
کہ اس کے جانے کے بعد مشکل سے محبت کرنے  
دالوں چار لوگوں میں اپنا سواں حصہ بھی شامل ہو چکا  
ہے۔ اس نے چند قدم پیچھے رک کے اپنا سانس بحال

کیا۔ وہاں تک کی پھر مڑ کے دیکھا۔

جا رہی تھی۔ وہ عطا شدہ ہوئی۔ بھلا کیا کہاں ہوتا ہے  
گر خوشی کی اور کیا کیا۔ ہوں ہی تو جبر پر بھر کے  
مارے پورا نہیں لکھ دلاتے۔

وہ در سالار کو لڑائی کی نہ رک کے بچ اور کاروں پر  
بھی جا باہر اٹھ کر سے تھے۔ وہ دے دھیانی میں  
آزادی سے اس کے فکھ نہ سون سے لیے۔  
ہل رہا تھا۔ اس نے آواز دیاں، بستیاں، روفیں پیچھے  
چھوڑ دی تھیں پھر بھی کئی زمانہ اس کے ساتھ قہم کا اٹھارہ  
تھا۔ وہ پتھر بڑھتا ہے وہ اٹھانے کو بھی۔ کہ اس سر کی

اور نیلے موسم میں آج بڑے گھر میں فرم تھا۔  
”تم اپنی چیز دل سے نکلی آسانی سے دستبردار  
ہو جاتی ہو۔“ وہ جملنا سوال دیتی تھی۔

(مشعل) اشعب احمد آج سے تمہارا ہے۔  
کو سے میں اتنی کسی عورت نے اس سے یہ آخری  
بات کی تھی) تو کیا اسے یاد آتا ہے۔

اس کی آنکھوں کے اٹھنے لگنے ہوئے وہ  
پتھر اٹھاتا بھول گئی۔ اگر وہ اپنی اسے یاد دل رہا تھا  
جس نے وہ جملہ بیٹیاں یاد رکھا تھا۔ اس کے ہنسنے کے مستحق  
میں وہ آج بھی گرفتار تھی۔ اف کیا! وہ وہاں ہوئی

۔ وہ پہلا آسان چھوٹی تھی وہ سیدھی ہوئی پھر گردن کو  
خفیف سے سوڑ کے اسے دیکھا۔  
وہ ضرور اور پیچیدہ تھا۔ وہ ایس ہوئی۔

کیا اسے یاد نہیں ہے۔ اس عورت نے  
آکھیں بند کرنے سے پہلے اسے دونوں کے ہاتھ  
قاسے تھے پھر اس نے مشکل کا ہاتھ اس کے خنڈے سے  
ہاتھ میں دیا تھا۔ (اشعب احمد مشکل فریڈ آج سے  
تمہاری ہے) کیا وہ لرزتا ہاتھ آج بھی اتنا ہی سہا ہوا

اور مضطرب ہوگا۔  
یہ لڑتی آئی ہے تو پوچھ لیا ہے۔ اگر دل  
سے وہ لفظ مانگے تھے تو ران میں تو سوں کے جیسا  
کہ۔۔۔ سوچنے کے ساتھ ہی لڑکی کے لبوں سے جھنش

کی۔ اس کے سانس ہزار کی گینات کے ساتھ سینے سے  
باہر آئی تھی۔  
”کیا مشکل فریڈ بھول چکی ہے کہ اشعب احمد

”کیا مشکل فریڈ بھول چکی ہے کہ اشعب احمد

”کیا مشکل فریڈ بھول چکی ہے کہ اشعب احمد



# چاند ڈھنگیا

مجھے بڑا دلچسپ لگتا تھا آگاہیں بڑھنا۔۔۔ مگر جب سے ان پرئی نہیں آگھوں کی دھشت میرے وجود میں سہلی ہے۔ آگھیں پڑھنے سے گریز کرنے لگا ہوں۔

وہ خوبصورت آنکھیں جن کے گہالی ڈوروں میں نسوں کی وجہ میں بن گیا۔ کونٹے دیکھتے ہی مسکرائے لگتیں۔ چمک چمک مہرا ہوئیں۔ پھر مردہ ہو کر مجھ میں زندہ ہو گئیں۔ کبھی نہ بچنے کے لیے۔ لوگوں کو نہیں دیکھنے کا شوق ہوتا ہے۔ چہرہ شناس لوگ چہرے سے سامنے والے کی شخصیت کا اندازہ لگا لیتے ہیں۔۔۔ چہرے پر لکھی خبر پڑھ لیتے ہیں۔

مگر میں۔۔۔ میں ہمیشہ لوگوں کی آنکھیں پڑھتا تھا۔ داخلی آنکھوں کی بجائے ایک داستان ہوتی ہے۔ ہتھ چروں پر کئی اداس آنکھوں کی داستان بھی آپ سمجھ لے سکتے ہیں۔؟؟

اور تو اور کبھی کبھی اداس چہرے پر مسکرائی، کلکھلائی آنکھوں کا بھی کھوج لگایا؟؟

یہ جو آنکھیں ہوتی ہیں نا۔۔۔ یہ کبھی ان کبھی تمام داستان سنا دیتی ہیں۔ بے تمنا شائستہ ہوئے انسان کے اندر مجھے دکھ کا پول کھول مچتی ہیں۔ مجھے بڑا دلچسپ لگتا تھا آگھیں پڑھنا۔۔۔ آنکھوں کی زبان بڑی صاف گوارا دیتی ہوتی ہے صاحب۔

مگر جب سے وہ بچ بولی آنکھیں پہلے مجھ پر مریں پھر میری وجہ سے مریں۔۔۔ جب سے میرا شوق مر گیا۔

یہ اس وقت کی بات ہے جب روزانہ قریبی

پر پھر دکھ کر اوپر سے بچے تک بغور جائزہ لیا۔۔۔ آنکھوں میں حیرانی کا تاثر اور شناسائی کی

لی جلی کیفیت در آئی۔

"آپ۔۔۔ آپ وہی ہیں نا نعمان احمد۔۔۔ افسانہ



بری جانب سے تقدیق کے بعد تودہ گویا  
اجھل پڑی... آہو چشم میں تجھ پھلا اور پھر یکدم  
اسکے بیوں میں خوشیوں کے دیے جگلا گئے۔  
"میں آجکی بہت بڑی فین ہوں۔" آپ  
کی تحریریں کمال ہوتی ہیں... بہت دل جواب  
اب دوا اپنی پہلی حرکت پر کسی معذرت کے بغیر ہی  
پڑ پڑ بری کر رہوں گے کہ گا رہی گی۔... کچھ دیر  
لگا تا رہے گئے بعد اور دوبارہ ملنے کی تمنا ظاہر  
کر کے وہ دھکتے ہی دیکھتے جس آندھی طوفان کی  
طرح آتی تھی دیکھنے والی سرگزی اور میں اسے  
دیکھا وہ کیا۔  
معمولی سی تو لڑکی تھی۔ مگر کچھ خاص تھا تو اس  
کی آنکھیں۔

گندی چہرے پر ہادائی آنکھیں... عجیب نین  
تھے اس کے خاموشی پر ہے پر مسلسل باتیں کرتے۔  
اب روز کیا اس سے۔ سنا سنا ہوا جاتا۔ بھی  
وہ بوڑھی دادی کے ساتھ ہوتی۔ بھی اپنی پہلی  
کے ساتھ۔ بھی اپنی پارک میں بچوں کے ساتھ  
خوش گپیاں کرتی ہائی جاتی۔ مجھے دھنسی تو کچھ ہی  
دیر میں میرے ہم قدم چھل قدمی شروع  
کر دیتی۔ اور ساتھ وادیوں باتیں بھی۔ میرا کوئی  
ایسا انداز نہیں تھا جو اس نے نہ پڑھا ہو۔  
اکثر میں نے دیکھا تھا جس دن وہ بہت  
باتیں کرتی۔ اونچے اونچے قہقہے لگاتی۔ اس  
دن اس کی خوبصورت آنکھوں میں کھنور سے لیتا  
حزانہ اس کے دلکیر ہونے کی کہانی سنا دیتا۔  
"کیا وہ کلمہ سمجھتی ہے؟" پوچھتی ہوں۔۔۔ اس  
وقت اس کی آنکھوں میں ایسی ہتھکڑیاں چمک ہوتی  
جیسے ان آنکھوں کے طعنے سے دوراڑے خواہوں  
کے جگنوؤں کو قید کر لینا چاہتی ہو۔  
بہی بچوں کے درمیان بیٹھ کر جب انتہائی  
خجید و چہرہ لپکی باتیں کر رہی ہوں تو میں گوروں

میں نقصان شراوت صاف دیکھی جا سکتی تھی۔  
عجب آنکھوں کی مالک کی دودھ کی حیرا بھی  
روا۔۔۔ بھی برائی سی دھشت۔ کسی بھی مضمون سے  
چہرے پر ہائی آنکھیں۔ اور کسی کی سکرانے میں۔  
میں چونکہ ایک خطاط انسان ہوں۔ سناپ  
سڑی کے کیل جیسی محبت مجھے اپنے بس کا روک  
نہیں لگتی تھی۔  
میں اپنی کیفیات کو خود تک رکھنا پسند کرتا  
ہوں۔۔۔ ان سب کے باوجود جس مخالف جانے کیوں  
بات کرنے کے بھانے دھونڈتی ہیں۔ میری گہری  
سیاہ۔ خواہوں کے شور سے جاگتی آنکھوں میں آنکھیں  
شاید کوئی کشش محسوس ہوتی ہو کہ میرا یادیا انداز انہیں  
جلدی مایوس کر دیتا۔

ان سب کے باوجود ان یادای آنکھوں نے  
مجھے گھال کر دیا تھا۔۔۔ اور غواں پھول جیسی  
لڑکی اپنی آنکھوں سمیت بہت عرصے سے منتقل  
ہوئے میرے دل کی منڈ پر اپنا حق جما کر بیٹھ گئی  
تھی۔ میں لاکھ پچھرا چھرا چاہتا۔۔۔ مگر وہ جیسے  
مجھ میں رچ بس گئی تھی۔  
وہ مجھ سے بات کرنے کے بھانے  
دھونڈتی۔ میں گریہ پالاسی کی باتوں کا شہنشاہ  
جواب دیتا رہتا۔  
جس دن اس کی آنکھوں میں بہت واضح اپنی  
تصویر دکھائی۔ میں ڈر نے لگا تھا۔  
کاش کہ ان حسین آنکھوں کا نور دھڑکن میں ہی  
رہتا۔ جیسے چاہتا ہوں کہ اس کے نیوں میں بھر  
دیتا۔  
لیکن ضروری نہیں کہ خواہشوں کی تمام تتلیاں  
اپنے آگے جا سکیں۔ تنہاؤں کی کچھ تتلیوں کو اگر ہم اپنی  
آنکھوں میں قید کر لیں تو وہ دھپنے پھرے رنگ جاری  
نہیں کی میں چھوڑ کر خود مر جاؤں گی۔ رنگوں  
سے خالی۔

خزاں رت آہستہ آہستہ چھاری تھی۔ ہرے  
مجرے درخت ننڈ منڈ ہونے لگے تھے۔ اس وسیع  
پارک میں چاہل قدمی کرتے ہوئے شہر پہلے  
پتے بیروں کے پیچھے کر جب چہرے آتے تو ان  
کی تانقدی پر میں دل ہوس کر رہ جاتا۔ مگر مرکز رک  
جاتا ہی نہیں ہوں کے اوپر سے۔۔۔  
آج ہوا کا ذی خیر بھی۔۔۔ چوں کو زمین سے  
اڑانے لے جاتی۔ بھی کہاں بھی کہاں۔۔۔ آج  
پارک کا کافی حصہ چوں سے صاف تھا۔ آج ہوا نہیں  
اپنے بازوں میں جھولا جھولتی محسوس ہو رہی  
تھی۔۔۔ زور سے زمین سے اٹھائی۔ پھر کہیں دور  
دینی۔۔۔ پھر اپنی آغوش میں اٹھائی۔

میں ہوا اور چوں کا کیل دیکھنے میں موقتا۔ جانے  
کب وہ آنی اور میرے ہم قدم لگنے لگی۔ یکبارگی میرا دل  
چاہا میں اسے ہوا کی طرح آغوش میں اٹھاؤں۔۔۔ بھی  
نزد میں پر۔۔۔ بچنے کے لیے۔  
آج کچھ اضطراب اور ہیجان تھا اس کی  
آنکھوں میں۔۔۔ باتیں کرتے ہوئے وہ مجھ سے  
نظریں چرا رہتی تھی۔ مجھے اپنا دل بیٹھنا ہوا محسوس  
ہوا۔۔۔ اردہ ہونے سے جواب میں محبت کا لہو  
کیا میں اسے دے سکوں؟؟؟ میرا دل زور زور  
سے دھڑکنے لگا تھا۔ میں تیز تیز قدم چلنے لگا جیسے  
مجھے کوئی کام یاد آگیا ہو۔ وہ وہ دوڑنے ہوئے  
میرے سامنے کھڑی ہوئی۔ اس کی آنکھوں میں  
میں نے اپنی بات پڑھ لی تھی۔  
"میرا"  
"جی!"  
"اگر میں آپ سے کہوں کہ مجھے آپ  
سے محبت ہوگئی ہے تو آپ کا دل رول ہوگا؟" بظاہر  
وہ انجان بنی عاصم سے انداز میں پوچھ رہی تھی۔  
"نہیں" تمہاری ایسی کوئی حوصلہ افزائی کی  
اور نہ ایسا کر سکا کہ۔۔۔ ظاہر ہے بری طرح  
ذانت وہں گا۔ اس کے کرب کو اپنے دل میں  
محسوس کرتے ہوئے میں نے سخت لکھے میں جواب

دیا اور تیز قدموں سے آگے بڑھ گیا۔ مگر میں دیکھ  
رہا تھا براہ راست کی شدت سے سرخ ہوئی آنکھوں  
کی کمی۔۔۔ جیسے کسی شے پر آہوں کی بھاپ اٹھتی  
ہوگی۔  
گھر پہنچ کر جانے کب سے رکے آؤ سے  
اجھوے کا دل کو پھلا کر بیٹھ گیا۔ کیا آؤ  
اجھوے کی تحریریں اپنے عمل ہونے کے انتظار میں  
تھیں۔۔۔ سوچا کہیں کھل کر لیا جائے۔۔۔ مگر کوئی بھی  
کام نہ ٹھاکل ہی تھا۔  
ہر طرف دھرم دھرم ہوتی بارانی آنکھیں۔ خود  
سے جبکہ لڑے شام تک اندر کی صحن نے بخار کا  
روپ دھار لیا۔۔۔ جسم تپنے لگا۔ میں اپنی ہی آگ میں  
جانے کتنے روز جلتا رہا۔  
پھر طبیعت بہتر بھی ہوگئی۔ مگر جان پر پھر کراس  
پارک میں جانے سے گھرا۔۔۔ زیادہ وقت اب  
کچھ رہی کر تا۔ کچھ بیٹھے اب صفحات پر صفحات  
کالے ہوتے۔  
میرے ہر افسانے میں اس کی چشم حیراں میں  
پوشیدہ وہ درد وہ دکھ لایا ہوتا۔ ہر تحریر میں اس کا نمونہ بن  
جاتی۔  
کچھ دن اور گزر گئے۔۔۔ کی کوئی نہیں پچھیں  
صدیوں پیچھے دن تھے شاید۔۔۔  
☆☆☆  
آج ہلکی ہلکی بارش تھی۔ مجھے وہ پہلے طرح یاد  
آئے گی۔ بارش اسے سے شام پڑ پڑتی۔  
جانے کیوں آج اس کی صرف ایک جھلک  
دیکھنے کے لیے دل چلنے لگا۔ کچھ ہی دیر میں  
میں پارک کی جانب رواں دواں تھا۔  
پارک تک پہنچتے پہنچتے دل بے ترتیب انداز  
سے دھڑکنے لگا تھا۔  
اس دن ذانت دیا تھا۔۔۔ جانے اب کسی  
ہوگی۔  
جیسے سے ہر طرف نظر دوڑاں گی۔ وہ نظر نہ  
آئی۔ میں مایوس سا ہو کر ایک بیچ پر بیٹھ گیا اور میں

گیٹ پر نظر میں جمادیں... شاید اس نے آپ آنا چھوڑ دیا ہو... دل میں دوسرے پیدا ہو رہے تھے۔ دماغ' خیالات کی پرواز میں کہاں کہاں کا سفر طے کر رہا تھا۔ مگر دل ایک ہی ضد باندھے بیٹھا تھا۔

اسی اثناء میں مین گیٹ سے ایک لڑکی داخل ہوئی... چاروں طرف بے چینی سے نظر دوڑاتے ہوئے جب مجھ پر نظر پڑی تو حیرتوں سے میری طرف آنے لگی۔

"یہ؟ خیر... یہ تو اس کی سہیلی ہے۔"  
"سر! کتنے دنوں سے آپ کی تلاش میں یہاں آ رہی ہوں..." اس نے دوف کے فاصلے سے ہی بے صبری سے مجھ پر کار کر کہا۔

"کیوں تجھ پر؟" مجھے اپنی آواز کی انجان اندیشے میں ڈوبی گئی تھی... جیسے ابھرتی گولج کا کوئی ٹھکانہ نہ دے۔

اور جب اس نے اسکی طویل عذات کی اطلاع دی تو سب سے پہلے میرے بے بس دل نے ایک درو کی لہر محسوس کی۔

وہ مجھ سے ملنا چاہتی تھی... اگر وہ یہ نہ دیکھتی کہ میں اس سے ضرور ملتا اور کہتا... وہ تمام ان کی کیا باتیں... وہ اعتراف... جنہیں سن کر وہ کھل اٹھتی... زندگی کی طرف لوٹ آتی۔

میں اسکی سہیلی کے ساتھ چل پڑا اور سستے میں معلوم ہوا...

"وہی ڈس آرڈر کی وجہ سے ہسپتال میں داخل ہوئی تھی... اب ڈاکٹر کے بقول دل کا عارضہ بھی لاحق ہے..." میرے دل میں اندازہ درو میری آنکھوں میں جلن سی پیدا کر رہا تھا۔

کب ہسپتال آیا، کب ایم وارڈ میں داخل ہوئے میری آنکھوں میں جمع ہوئی بھاپ نے شاید مجھے سر اٹھانے نہ دیا تھا۔

اب وہ بیڈ پر میرے سامنے تھی... وہ ہی... جسے میرا دل متاع حیات مانا تھا... جیسے کی قیمت ادا کر رہا تھا۔ یوں لگتا جیسے بیڈ پر بس کپڑا پڑا ہے۔ ابھی تک لڑکی کا جسم مکمل گرا پے کپڑوں میں

بہیں کھوسا گیا تھا۔ ان بڑیوں کے ڈھانچے میں جو چیز اب بھی زندہ تھی... وہ تھیں اسکی آنکھیں... صبرا کی مانند پیاسی آنکھیں... جیسے کسی خواب کے شور سے اٹھ گئی ہوں... تعبیر کی تلاش میں سانس لیتی آنکھیں... مجھے دیکھ کر جیسے پکڑیں۔ میں ایک لمحے کو نظریں چراگما... اسکی آنکھیں اسی دن کی طرح غمگین ہوئیں اور پھر کسی جھیل کی طرح لبالب بحر گئیں... میں ان موتیوں کو گالوں پر لڑھکنے سے پہلے جن لینا چاہتا تھا... مگر آنکھ کے صحرانے یکفخت اس جھیل کو خود میں ہی جذب کر لیا۔

نہیں... آہ... وہاں تک جو تو نے کبھی پہنچائے بھی وقت کی مار کے باعث اس کے ٹیکر کی چھال جیسے ہاتھ...

ان دنوں کو میں تھا سنا چاہتا تھا۔ اسکی آنکھوں میں محبت کا سون پھونک کر اسے دوبارہ زندگی کی طرف لانا چاہتا تھا...

مگر یہ کیا... وقت بے رحم چال چل گیا۔ اسکی آنکھیں مجھے دیکھنے دیکھنے مجھ پر ٹھہری گئیں... کی بات کی مانند بے حس و حرکت... زندگی کی رمتی سے خالی...

بے بسی کی کیفیت میں میں نے اسے جھنجھوڑ ڈالا...

آس پاس رونے کی بلند ہولی آوازیں اس پر جیسی وحشت بھری آنکھوں کے ساکت ہونے کا مطالبہ سمجھا رہی تھیں۔

آہ... کاش وقت ذرا دیر کو رک جاتا... مجھے اعتراف کرنا تھا۔

مجھے اسے جانا تھا... کہ وہ میری روح ہے اور میرے سکڑانے کا سبب بھی... مگر وہ اعتراف میں اپنی آنکھوں میں لیے ہی لوٹ آیا۔ لوٹ تو آیا... مگر وہ رنگ برنگ کے احساسات کو بیان کرتی اور بالآخر روم روم وحشت بھری آنکھیں مجھ سے چٹ گئی ہیں۔ اب آپ آنکھوں کو پڑھنے سے میں ڈرنے لگا ہوں۔



## محبت ٹھہرائے سنگ

”ایسا خیال رکھئے گا وعدہ کرو اور یہ کہ اپنا یہ وعدہ ابھی نہیں بھولو گے۔“

”اور اپنے لیے دلی وعدہ نہیں لو گی؟“

محبت کو وراغ کرنے کے لیے وعدوں کی ضرورت نہیں ہوتی نہ ہی محبت کے پورے کو ہر دو زپال دیتا ہوتا ہے یہ سب پالی پروان چڑھتی ہے سب زندہ رہتی ہے جب تک ہم میں اور اس کے بعد بھی میں یادوں میں

”گاندوں میں پاتوں میں گھس میں آج تمہیں چپے دل سے سنبھالنا۔ اپنا پورے کا پورا دل اور کچھ۔“

گاندھ محبت کے بوجھ سے بھاری تھے اس نے صفحات کھگا لے۔

”محبت کی کمالی کے صفحات ابھی جتنے نہیں چاہئیں۔ کتنے بغیر یہ کمالی پر جسی چاہیے۔“ وہ صفحات کھٹے ہوئے رک گیا۔

”تم اس لڑکی کے بارے میں کچھ زیادہ سی حساس ہو؟“ وہ مسکرائی۔

”اس کی کمائیوں کا انتظام ہمیشہ نوٹ پھوٹ کا شکار ہو آئے۔“

”اس سے پوچھو۔ اسے ابھی محبت کی کمالی لکھنا بھی آئے گی۔“ وہ رخ تھا۔

”تم چاہتے ہو میں اس سے کسوں کو اپنا قلم دوڑ دو؟“

”تم اس سے پوچھو کہ کیا وہ تلخ حقائق کے علاوہ بھی کچھ لکھ سکتی ہے؟“

”ایک لڑکی کی زندگی میں ستنی کھٹائی ہیں ہوتی ہیں، تمہیں کچھ اندازہ ہے ضرب؟“

”ایک لڑکی کی زندگی میں کچھ خواب بھی ہوتے ہیں۔“

”یہ لڑکی انوشہ۔ تم یقین کرو یہ بہت خوب صورت شخصیت ہے۔“

”مجھے چاہے منازا یہ بہت عمر لکھنا چاہتی ہے مگر اس سے کہو کہ میں ایک محبت کی کمالی چاہیے۔“

”جو کمالی تمہارے ہاتھ میں ہے ضرب! وہ بھی محبت کی ہی ہے۔“





”اے سگنی ہوئی، سستی ہوئی، اے ہامی۔“  
 ”اے ٹھیک کہتے ہو۔ اس کی زندگی جیسی اس کی  
 ڈھیلوں کمائیوں پر دوڑ چکی ہوں۔ مجھے ہے۔ ہے۔ ہے۔ اس کی  
 طرف سے جیسی کئی آخری کمائی ہے۔ اگر یہ نہ چھپی تو  
 اس نے مجھ کو قلم توڑ دیا۔ میں نہیں چاہتی ہوں اپنا نام  
 توڑ دے۔“  
 ”جیسی بات سنو ممتاز! اس سے کوہں ایک کام  
 کرے۔“

”لورڈ وہ بھلا کیا؟“  
 ”وہ یہ کہ اس سے پورے انجام بدل دے۔“ وہ پورا  
 دست میز پر چکر کندھے لپکا کر اٹھا۔  
 انہوں نے دست اٹھایا۔ ہمارے سنبھل کر ایک  
 طرف رکھا اور فون نکھاروا۔ ان کا دل پہلے بارڈو تھا۔ وہ  
 باؤس ہوئی تھیں۔ کس قدر مشکل ہو رہا ہے یہ کہ ان کا  
 محبت کی کمائی نکھو بیٹے آپ کی کو کہہ رہے ہوں کہ  
 محبت کرو۔ اور اس سے بھی زیادہ مشکل یہ کہ محبت کی  
 کمائی کا انجام بدل دو۔ بھلا ایسا ممکن ہو گا تو کیا آج  
 شریس فرما دیکھ نہ ہوتے۔۔۔ تمہارے انہوں نے آج یہ  
 مشکل کام کر دیا۔ اور کسی کے سرب محبت کی تلوار لٹکا  
 دیکھی۔

کمائیاں ملنے کے خون سے کبھی جاتی ہیں اور دل  
 کے خون سے کبھی جانے والی کمائیاں صرف کمائیاں  
 نہیں ہوتیں زندگی ہوتی ہیں۔ پر کچھ بدلوانا تھا۔ وقت  
 کی سوئی کو موڑنا تھا یہ جانتے ہوئے بھی کہ سوئی  
 موڑنے کی ابو احمد کو عیش وقت کے لمحات کو توڑ  
 دیتی ہے۔ وقت پیچھے نہیں جاتا۔ بس پیچھے رک جاتا  
 ہے۔ سانس ایک جا رہا ہے۔ سانس جمتے جا رہے ہیں۔  
 کائنات آدھرتی سے اور محبت کی آنکھوں سے ایک  
 قطرہ گر جاتا ہے آنسو کا۔

”محبت کی کمائی بدلی نہیں جاسکتی۔ ہرام۔“ اس نے  
 کانڈوں کے پلٹے سے کوڑکھا اس پر ہاتھ پھیرا۔  
 ”میں آخر تک تمہاری ناکام کمائیوں کے

لٹخوں کے ہوجھ اٹھا کروں گا فائوش لیل۔“  
 ”ہرام! آخر تک مجھے ہو؟“ وہ اس کے سامنے  
 کھڑی تھی۔ ”تو میرے بارے دوست تھے۔“  
 ”دوست۔ ہوں۔ مگر تھک چکا ہوں۔“ آج وہ پھر  
 اپنی نوکری کے لیے فاصل تیار کر رہا تھا۔ کانڈوں کو بیچ  
 کر کے دی کر تہیہ دینے والا مرحلہ سرب تھا۔ کتنی  
 بار سرب آیا اور گر گیا۔ ہر طرح کا فلوٹا نہیں  
 ”دیکھو فائوش! کمائی کا انجام بدل دو۔ ان کی بات مان  
 لو۔“

وہ یہ جانتے ہوئے بھی کہ رہا تھا کہ اس کے لیے  
 اسے اپنا پورا ہاتھ نکھانا پڑے گا۔ یہ بار نہ ہو گا۔  
 بہت بار روکا تھا۔ سسرال میں چھپی ہوئی کئی  
 کمائیاں نکھائیں گی۔ کب تک آخر تک نہ ہوگی  
 ”نکھو ایک ہمارے بنے کلوم کے عیش نے توڑ  
 دیا۔“  
 ”اور میں نے اپنا قلم توڑ دیا۔“ انوش کا قلم وہ  
 حصول میں سب سے بڑا تھا۔

”تم نے مجھے کیا انوش؟“ وہ انوش کو بیٹھ گیا۔  
 ”تم نے وہ سب مجھے کیا جو کرنا مشکل تھا؟“ وہ انوش  
 سوال لے کر آئی۔  
 ”اے ایک ہی فائوش۔۔۔ جو مجھے نہ بھانجے نہ بالآخر  
 پس خمی۔۔۔ اے کسی سے محبت ہوئی اور پھر کسی کو ان  
 سے اور اس نے اپنا دل جوڑنے کے لیے کسی کا دل توڑ  
 دیا۔“ اسے سب سے سسرال کا دل توڑ رہا تھا۔  
 ”اس سے پہلے وہ میرا پسند کر لی تھی۔“ اس نے  
 ہرام کو غور کر دیا۔  
 ”وہ اور کمائیاں کتنے کتنے ہمارے۔“ وہ فاصل تیار کر  
 چکا تھا۔  
 جانتے دو ہرام! (جوئے تھے مت گھڑا کر۔) وہ بڑا  
 گئی۔

”جھوٹے تھے تمہارا تمہارا کام ہے ڈیزیزن! آخر ہماڑ  
 کمائیاں نت نئی۔۔۔ فم اور اس سے فم جہاں کاسز۔۔۔ حق  
 ہے۔۔۔ وہ فاصل سہمی کر کے اٹھا۔ ”تمہاری محبت میں جو  
 رکھتا ہے وہ ہے نوکری جو ہمیشہ محبت کرتے ہیں

آجاتی ہے۔ وہی نوکری جس کی تلاش میں ہم نے  
 جو تیاں کھائی۔“  
 ”اب (ہماں) رکھنا۔۔۔ محبت کے حصول کے لیے  
 نوکری بہت ضروری ہے۔ ایسا نہ ہو کہ نوکری میں دیر  
 ہو جائے تو محبت ڈھانچے کے تھک چکی طرح۔“ وہ ہاتھ کا  
 ہوا کی جھانڈا اور کروی تو صفحتا جو کتنے ہی ہے تہیہ  
 تھے اب بے راہو کر اور آواز آنے لگے۔  
 بس اس کے ہاتھ اٹھائے کی دیر تھی، دسترس سے  
 لٹکے کے بعد جیزس ایسے ہی ڈھانچا کر رہی تھی۔ یہاں تک  
 کہ دل بھی چپ ہو تو اس کے ہاتھوں کی گرفت بیش  
 مضبوط رہی تھی صفحتا بھی اور مکمل پر تھی۔  
 ”وہاں لائیے چوک سٹاپ۔“ اس نے خود سے  
 سوال کرتے ہوئے کر کے کوئے تھکے سے میرے کے  
 نیچے شایان کے پیچھے اور بیڑ کے نیچے سے چند  
 کائنات نکلتے ہوئے خود کلائی لی۔ ہرام اپنی فاصل  
 لے کر کب کا کرے سے جا چکا تھا۔

”کچھ عرصہ پہلے تک یہ سوچ سکتی تھی تھی کہ  
 لڑکی اپنا تعصب خود لے کر آتی ہے۔ ابانے شادی کی تو  
 یہ روزگار تھے۔ پھر جیتے ہی دیکھتے اہل کے تعصب کا  
 پھل اٹھنا شروع ہوا۔ یہ یہ یہ اور یہی تھی۔ تو وہی  
 سب نے کمایا ہے اپنے لئے کاروائی لائی ہے۔ میں پیدا  
 ہوا تو یہ جینا شروع ہوا۔ ہمارے لئے کہ کہیں تک کا  
 سفر اتنا سنا تھا اور اب شادی سے پہلے لڑکے کا گھر ہو،  
 گھر میں تین شادی کرے ہوں گا تو وہ (انکھی) نوکری  
 ہو جس سے لڑکی خوشحال زندگی بسر کرے بعد میں میں  
 ہوں تو وہ بھی سستی ہوں، ”اسودہ دھان“ اور پیدا ہونے  
 ہی انکھی (احسان) ہو کہ ہم ایک خوشحال گھر لے رہے  
 پیدا ہوئے ہیں۔ اور اس کے حصول کے دوران  
 اگر وہ ہو اگر لڑکا تھک جائے اگر شادی سے پہلے وہ  
 اپنی قابلیت ثابت نہ کرے تو سب سے سودہ سب  
 بچوے کے کار۔“ وہ بڑا ہوا اور دلی کے تحت یہ آجیلا  
 دوا لی سے تسبیح پڑھتے ہوئے اس کے چہرے پر باؤسی

دیکھی تو فکر مند ہو گئیں۔  
 ”نوکری کے لیے چاہے ہو؟“  
 ”جی ہاں اہل۔“  
 ”دعا چاہیے؟“ دست شفقت سرب رکھ کر پوچھنے  
 لگیں۔  
 ”پانسیس کیا چاہیے؟“ وہ جھٹلا ہوا اٹھا اور باہر  
 نکل گیا۔ اہل چننے سے چائے لے کر باہر آئیں تو وہ  
 غائب تھا۔ ”یہ ہرام کھائی گیا؟“  
 ”چلا گیا۔“ وہ اسرارہ تھیں۔  
 ”بہتر بحث کے ہی چلا گیا۔“ اہل تھیں لاکھ تھا  
 سہی گھریشان وہ تھیں۔  
 ”جس طرح چنے کے ناشتے کے لیے پریشان ہوتی  
 ہو اسی طرح اہل پر دم کیا کرو۔“  
 ”میں نے کیا ہے رچی کی ہے اہل؟“ وہ چائے کا  
 کپ اٹھاتے ہوئے بولیں۔  
 ”جو انجانے چہ مرض سے شادی کرنا چاہتا تھا۔  
 آراسے رچی ہو جاتے چنے کو کھانا دھریں دے  
 دے کر۔“ عیش اپنی منوانا چاہے تم اپنی۔۔۔ حد ہو گی۔“

”اب اہل! سوچنا ہے فک میری بھانجی سے گھر کیا  
 رہائی ہے اس میں آخر۔“ اخلاق کی چھپی ہے، ”لیفٹ  
 مند ہے۔ پورے ٹھکر کا ذمہ داری اٹھارہ تھی اس سے  
 نے۔“  
 ”ماتی ہوں، ہوسب ماتی ہوں۔ سو بیاری نہیں  
 ہے۔ بری انوش میں نہیں ہے۔ گھر کی بچی ہے چچا  
 کی بچی۔“ اچھی ہوئی با اخلاق کیا ہوا جو بہتر مند نہیں  
 ہے کیا ہوا جو کھانے پکانے میں کچھ کوئی ہے گھر ہے  
 تو کچھ شادست زبان تو کچھ ”مجھے نرم“ بھی جوں کے  
 ساتھ کوئی بد تیزی کی ہو اس نے، ”مجھے جو آپ کے  
 سامنے تھڑی ہوئی تھی۔ یہاں تک کہ تمہارا اور تحقیق کا  
 بھی اتنا احترام کرتی ہے۔“  
 ”میں نے اسے بڑا کر کہا ہے اہل۔ سو بیاریا زامہ  
 پھٹے گھر کی بہت اچھی ہے۔“  
 ”چچیاں سب ہی اچھی ہوئی ہیں ہوں۔ گھر یہ بھی تو

دیکھو کہ ہر دم کس جگہ خوش ہے۔

”ہاں تو راضی تو ہو گئے ہیں عشق اور کیا کریں۔ لڑکی کے کھر تک تو چنے گئے رشتہ لینے۔“ ان کا منہ طلق تک کڑا ہوا گیا۔

”بے شک مجھے کئے مگر کس طرح چار سال بچے کو کڑا کر پریشان کر کے ٹیڑھا کر دیا۔ غصہ کر کے کھر سے نکال کر پراہلا کر۔“

”رہے ہیں اہل بی بی کب جو بھی ہے۔ پتہ تو پھر بھی اسے باپ کے کھر میں ہی۔ باپ کھٹے لڑکھا تو بچے نے پلڑا چھوڑ دیا یہ کہہ کر مایاں باپ کے کھر جاؤ۔“ مگر بھی جوان بچی والے ہیں۔ تب تک لکھا جب تک امید رہی کہ ان کے رحم کے جذبے سے متاثر ہو کر وہ فطیہ سے شادی کرنے کے لیے راضی ہو جائے گا۔ تب تک خوب آؤ بھگت کی، کھر پر دھکا لکھایا پایا، مسمارا دیا۔ جب یہ یقین ہو گیا کہ کلکھو غم نہ ٹھوگو جو اس نے بنا ہے نہ کبھی تیس لاکھ روٹا روٹا نہ کھول دیا اسے کھر کھا جاتے ہو۔

اسے بھی چاہی ہی کیا کہ مایاں باپ ہی ساری زندگی باز غصے پر اڑتے رہ سکتے ہیں۔ اب ہوش آ گیا۔ عشق بتاتا تھا کہ مگر بی بی پراہلا تیس گھر سے نکل جائے گا کہیں مگر مار دیتا ہے اتنے اڑتین کرتا ہے تب بھی یہ نہیں کہ باپ سے پوچھ لے کر کہہ کر دیا کیا جا رہا ہے۔ مگر آپر ہاتھ ہی مٹا دے۔

”تب رہے ہو۔ ہوا پراہلا کھلا اس لیے نہیں کی ہے کہ کر پڑے کہ دکھن پر بیٹھ جائے۔ یہی کرنا تھا تو پراہلا کھلا کیوں پھر؟“ ”حقیقت تو یہی ہے کہ اہل کے پہلے خود عشق نے اور اس کے بعد باپ نے ہی اس کا باغ خراب کیا ہے۔ کسی کو خاطر ہی نہیں ملتا آمد۔“ ”عجب ماں ہو سو تو بہ۔“ انہوں نے کہہ کر پھر سے تھپتھپا اٹھائی۔

”ہاں عجیب ہی ماں ہوں تب ہی تو اس کے کئے پر لڑکی کے در پہ چلے گئے اور انہوں نے کیا کیا یہ کہہ کر بھگا دیا کہ جب لڑکے کو ملازمت ملے اور اپنا انگ

پورن بھالے تو آجائے تک کاتب مگر لڑکی کے لیے کوئی اور پھانسی آئی تو ہم کہاں کر دیں گے۔ یہ ہونا ہے سلوک جو۔ انہوں نے ہمارے ساتھ کیا یہ عزت ہے اس کی کلکھو بی بی کی نظر میں اور اٹھا کر مایاں کو لڑکی جو کھٹ پر ہے۔ تب تک کھر میں تین تین آؤ لیں۔ چلو سو یا تمیں آؤ شہ سے کر لیتا آؤ شہ نہیں تو قصہ بھدی کھی چھپی کی چٹی تھی آخر مگر کہاں آؤ شہ تو وہیں ڈولی پہاں تھیرے آؤ آسرا ہی نہیں۔“ آؤ باؤ آؤ لڑکھو تو کوئی چلی گئی۔

اور اوھر ان کی ساری آواز سن رہی تھی مگر ایک کان سے سن کر دوسرے سے بیشک کی طرح نکاتی ہوئی اپنے کھٹے ہوئے صفات سینے سے لگے بستر پر وہ پ سے بیٹھ گئیں۔ آؤ شہ لیا!

اور آؤ شہ صراحت کرتی ہیں ”عجبت کی کہاں کھو عجبت کی کہاں“ کھر کیوں کہ آئی کھلی کھڑی سے ہر کھٹا کھٹا دوھپ کھی آؤ کھلی کی طرح گرم ہوا کے خچیرے برساتی ہوئی اس سے آؤ کھلی تو اس نے کھو کر کوئی کاہت تیزی سے بند کر دیا۔ بستر پر اہواہل فون لکھی دھم آؤ شہ سمیت کھر کھڑے ہوئے چلنے کا تو اس نے بھی بی بی ساسن بھر کر صفات میں رکھ کر فون اٹھا کر کھلی ہوئی ساسن پر فون ہاتھ لگاتے ہوئے مگر ہر ایک چیز سنا کر ہوئی۔ کائنات جیسے سنا کر ہو گئی۔



پہلے پہلے سب کی کمائی میں راوی چین لکھتا ہے۔ اس کی زندگی کی اٹھان بھی یہی تھی۔ یہی خوب صورت بچپن کی بھاری بھاری یادیں۔ اسی لایا کھیر مارا چار اور آؤ شہ نے چین کاغذ مارا یہ لیے ہوئے وہ مطمئن خوش اور چٹکی ہوئی۔ لڈائی آؤ شہ سے بی بی ساری باتیں تجویزے۔ تجویزے اس سے شروع ہو کر اس پر ختم تھے۔ پتھما کراس سے پوچھ کر کہا تو اب اس ایک محبت ہے پوچھ کر کہا تھا۔

اس دن وہ اس سے خفا تھی جس دن ہر دم کلکھو سے لے کر کلکھو تک کا سبق پر دستا ہوا تھا چہرہ آہستہ

آہستہ اس کی محبت کے اٹھتے اہل کو دلچسپی سے لئے گئی۔ وہ باقاعدہ کلکھو کی باتیں اس سے پوچھنے لگی تھی۔

اس وقت وہ دونوں میں آج تھے۔ نئے نئے کالج میں آئے تھے۔ انہیں ان ہی دنوں جب اس کی پہلی دور اس کے باپ کے درمیان میں جانا ہوئی چل رہی تھی۔ وہ فون کرتے تو آؤ شہ سے بات کرتے اور رکھ دیتے۔ پھر جاتا کہ اس کے باپ نے باہر شادی کر لی ہے اور ساتھ بہت سارے سوال پر اٹھانے لگے کہ وہ تو کبھی کبھار کے لیے گئے تھے۔ انہیں یہاں تو کبھی نہیں لکھی تھی۔ کدو بار میں خشاہ پر ہوا تھا آؤ شہ نوسل لکھی تھی۔ جب باپا نے اسے کدو میں چڑھا کر لکھا تھا کہ انو ہے بی بی بابا کو اجازت دیتے۔ پلڑا باپ کے ڈھیر سارے پیسے جمع کر کے لائیں گے۔ باپ کی ہر بات بہت آسانی کے ساتھ میں جایا کرتی تھی یہ بھی مایاں۔ اسے اٹھو تھا کہ بابا کو کھتے ہیں ویج ہو نا ہے۔ یہ بیٹا اس کی راوی کی پراہلا ہوئی تھیں۔

شروع شروع میں ان کے جانے سے وہ تیار ہو گئی تھی۔ بڑی شکل سے اس نے بابا کو راوی پر لڑکتی تھی۔ پھر اسے اپنی عادت تبدیل پڑی۔ فون وہ پانچ دنوں سے کرتے تھے۔

وہ تھی کبھی اس کی ماں فون پر اس کے باپ کو برا بھلا کہہ رہی ہوئی کبھی مٹیس کر رہی ہوئی کہ لوٹ آؤ۔ کبھی پریشان ہو جاتی۔ کدو سالوں سے یہ تہذیب آئی کہ اس کی ماں نے پہلے کی طرح اس لانا پکڑا تھا اور چپ ساہلی کی تھی۔ یہ پہلے کبھی خوب صورت نہیں رہی تھیں۔ وہ تیزی سے اپنی ماں کو کھر کھانے پر کدو کدو رہی تھی۔

اور جب باپ کی وہ سری شادی کا چچا کا تو نہ تو میں پہلی بار اس نے پورے دل سے چاہا کہ ان کو برا بھلا شروع کر دے۔ اس نے انہیں فون لکھا کہ لڑنا چاہتی تھی۔ انہیں مورد انزام ٹھہرا لانا چاہتی تھی مگر اس سے پہلو پھول پڑے۔

”تو یہی سی بات۔“

ہونی ہکس کا تیار کردہ

# سوہنی ہیر آئل

SOHNI HAIR OIL

- کرے 150 روپے
- 100 روپے
- 50 روپے
- 25 روپے
- 10 روپے
- 5 روپے



سوہنی ہیر آئل 150 روپے

سوہنی ہیر آئل 100 روپے

سوہنی ہیر آئل 50 روپے

سوہنی ہیر آئل 25 روپے

سوہنی ہیر آئل 10 روپے

سوہنی ہیر آئل 5 روپے

سوہنی ہیر آئل 2 روپے

سوہنی ہیر آئل 1 روپے

سوہنی ہیر آئل 0.5 روپے

سوہنی ہیر آئل 0.2 روپے

سوہنی ہیر آئل 0.1 روپے

سوہنی ہیر آئل 0.05 روپے

سوہنی ہیر آئل 0.02 روپے

سوہنی ہیر آئل 0.01 روپے

سوہنی ہیر آئل 0.005 روپے



و گھر میں داخل ہوئی مہرمان ہوئی۔ دادی کی باتیں  
 بچا کی نصیحتیں یا پھر سلاوے بہرام کا کھٹوم نامہ،  
 چچا کی پرحال کی مصلحتیں پوچھ بچھ۔ کالج کی لڑکیاں  
 باتیں، گلہ خندانیاں، کچھ کچھ اس کے لیے نہیں بڑا  
 تھا۔ کہیں دل نہیں لگ رہا تھا بس دل کو اٹکانے ہی  
 رکھا تھا پرچہ۔  
 صبح کالج جاتے وقت دادی سے دھماکے کر جانے کی  
 عادت تھی مگر اب وہ جاتے وقت ماں کو ایک ٹیکسٹ کر دیتی  
 تھی کہ کالج جا رہی ہوں۔ پھر ان کا پوچھنا کہ کتنے کرایا  
 ہے۔  
 کئی کرایا۔  
 کپڑے پر پیس کر لیے تھے، چوتھے پالش کے بغیر تو  
 نہیں بنے۔ بڑا بین انماری کئی کئی بار میں ہی رکھا  
 کر۔ کچھ بدلو کی تو بھول چاؤ کی۔ فون دھیان سے  
 رکھا۔ کس کس کے دوران بند کرنا نہ پھرنا اور دھمکی کے  
 ساتھ کھولنا نہ کھینچ کر تار کا کہ بیچ بھی ہو۔ کھانا یاد  
 سے کھانا یاد پر کو میو۔  
 ایسے چھوٹے بڑے کی ٹیکسٹ بھی باتیں۔ پہلی بار  
 یہ احساس تھا آقا تھا کہ محبت بھی الگ الگ قسم کے  
 راستوں میں الگ الگ طرف سے آتی ہے۔ بے رنجی میں  
 جاتی ہے۔ اندر کی کیوں کیوں کو دھونے کی خوش  
 باتیں دیتی ہے اور کیوں کبھی نہ دھکا دیتی ہے جو کیوں  
 مسئلہ نہیں ہوتا۔ محبت ہی تو ہوتی ہے جو کیوں  
 کیوں سمیت قبول کرتی ہے اور پھر وہ کیوں کبھی  
 حویلوں سے نوازدہ عزیز ہو جاتی ہیں۔ سبہ صورتیاں  
 خوب صورت ہیں سب مل جاتی ہیں۔  
 جیسے بہرام اور کھٹوم۔ جیسے اس کی دادی اور اس کا  
 باپ۔ جیسے وہ اور اس کی ماں۔ جو رشتے تھے منہ بولا  
 تھے۔  
 ایک محبت نکال دو تو بالکل دے جیسے وہ پہلے ماں  
 کے ساتھ انہیں کی طرح ہی تھی۔ جیسے اس کی ماں  
 ابا سے ایک دوسرے کے ساتھ۔ جیسے بہرام نے  
 اچھی کھٹوم کو اس نظر سے نہیں دیکھا تھا۔ جیسے زندگی  
 میں کوئی حال نہ تھی۔ کوئی احساس نہیں تھا۔ نہ ہی



اس نے مانو کے گھر جانچوڑا تھا۔ وہ اپنی ماں سے  
 باہر نکلے تھی، ہر ہفتے کی شام بہرام اس گھر سے  
 ایک گھنٹے کی دوری پر چھوڑا آتا تھا۔ عصر سے مغرب  
 تک وہاں کس کس کی ہوتی تو کبھی مغرب سے عشاء تک  
 صبح شپ کرتی۔ ان سے کچھ بھی کچھ سنا۔ دہی  
 بے وجہ کی باتیں مگر عجیب ہی سکون تھا۔ بلدی پورا ہفتہ  
 بہرام اس کا بل بھرانے کی پوری کوشش کر رہا تھا، شام  
 کی چائے بنانے کی ذمہ داری اس کی تھی۔ شام کی  
 چائے بہرام ہوتا وہ ہوتی۔ وہ دہی کی باتیں کرتی، باپ  
 کی کرتے کرتے کہ جانی۔ نوویں سال پہلے کی باتیں  
 رہتی تھیں۔ اسے فرسودہ یاد دہانی تھیں۔  
 باپ ہفتے میں ایک کال کرتا۔ گھنٹہ بہرام سے  
 بات کرتا تھا۔ وہ صرف آپ جیسے ہیں میں ٹھیک ہوں  
 ایک دو صحت کے علاوہ نہ تھرتی۔ مجھے سو ہو کر کرنا  
 ہے۔ بلکہ کالج کا کام ہے، کچن کا میو کہہ کر ہٹ جاتی  
 تھی۔ دادی کی دہی نصیحتیں کہ باپ ہے یاد کرنا کہ ہے  
 بات کرنا کرنا۔ پوچھتا ہے، فکر نہ رکھتی ہے اسے  
 مہرمانی۔

اور وہ اب یہ باتیں ایک کان سے سن کر دوسرے  
 سے نکال دیتی۔ دادی اس کی ماں کو اپنی پرچہ جاتی تھیں۔  
 مگر کوئی نہ دیکھتے تھیں کہ کئی کئی اس لیے بچت ہو  
 جاتی تھی۔  
 رات کے کھانے میں ماں بنانے کی ذمہ داری بھی  
 اس نے خود ہی اپنے سر لے لی تھی۔ اس کے بعد  
 عشاء بڑھ کر کوئی نہ کوئی کتاب اٹھا لیتی تھی، پڑھنے  
 کے لیے یا پھر لکھو اور کھتہ وہ جانتے۔ بے سرو پا لکھتی  
 جاتی۔ جو سمجھیں آتا۔ وہ کاند پر منتقل ہو جاتا اور جو  
 سمجھ میں نہ آتا۔ مگر۔  
 بہرام نے اس کی ایک دو کتابیں اٹھا کر سامنے میں  
 بھجوا دیں جو چھپ بھی گئی تھیں۔ بہرام سامنے لے  
 آیا تھا وہ خوش حال مگر اس کی سمجھ میں ہی نہیں کیا کہ

اسے خوش ہو جانا ہے یا نہیں۔ لکھنا اس کے لیے  
 شہرت کی چادر نہیں تھا نہ سناٹاں کا باب۔ بس وہ لکھ  
 دیتی۔ بعد میں جبر سے پھرے۔ مگر وہی لکھنا پھر  
 پڑھ کر سناٹا لگے اٹھا تھا۔  
 ان ہی دنوں وہ یونیورسٹی میں داخل ہوئی تھی۔ اور  
 اس کی مثال سے فون کر کے اسے بتایا کہ وہ لوگ اس کی  
 ماں کی باتیں شادی کر رہے ہیں۔ اس کے لیے یہ ایک  
 حیرت کا لمحہ تھا۔  
 اس کی ماں سے فون رکھنے سے پہلے اس سے کہا  
 "نوٹ! ابھی بھی کتنے سے پہلے یہ ضرور سوچنا کہ  
 تمہاری ماں کی آؤمی جونی تمہارے باپ کی ماں والی کی  
 مذہب ہو گئی تھی اور اب عمر کے آؤمی سو سال میں  
 جب وہ جونی کو پوری طرح پیچھے چھوڑ دی ہے تو تم  
 کا ضرور مت کھن کا اور کیا لوگ۔  
 اس نے سوچا کہ غلط کہہ جائے کہ ہم نے تو سوچا تھا  
 کہ ہم بے خوف ہیں ایک کراٹے کا گھر لے کر بیٹھے رہیں  
 گے میں نے کالج کے اسٹوڈنٹس کو بڑھانے کے لیے  
 سوچا تھا۔ میں اپنے اچھے ریکارڈ کی بنیاد پر ایک دو  
 پرانی اسکول میں ہی دی دے کر آتی تھی کہ کہیں  
 نہ اس اتنے اخراجات مل سکیں کہ میں باند کر لیا اور  
 کر سکوں تاکہ میں باقیہ عمر اپنی ماں کے ساتھ محبت سے  
 بسر کروں۔  
 مگر مہرمان تو کہا ہی پلٹ گئی تھی۔ وہ اس روز دوکانے  
 گھر گئی تھی جس شخص کو دیکھنے کے لیے۔ وہ پچاس  
 برس بھائی بھائی خوش کو اور طبیعت کا لالک لکھا تھا۔  
 پھر غلط کے ساتھ جا کر اس نے اس آؤمی کا گھر دیکھا  
 تھا۔ اس کی چھوڑ چھوڑا ڈھانچا بزم خانہ کھانے کی جگہ  
 تھی جو عمر میں اسے چارچہ سال بڑی ہو گئی۔  
 شادی شدہ مگر بیوی رکھانی سے نہ ہو۔ وہاں  
 سے کوئی توہن کو ساری تفصیل ایسے ستانی جیسے چھوٹی  
 بس بڑی بس کا رشتہ ہونے پر چھان بین کرتی ہے۔  
 "اتھا ہوا ہی اس لڑکی کی شادی ہو گئی ہے  
 ورنہ وہ آپ کو تنگ کرتی۔ عجیب بڑا زور قسم کی لڑکی  
 تھی۔" ماں اس کی بات پر ہنس دی تھیں۔

"اور کس سے ملیں؟"  
 "بپ کا مطلب ہے کون سے؟" وہ خوشی سے اٹھ  
 کر بیٹھی۔  
 سنیو کا چہرہ مہرمان تھا۔ کتب خانہ لکھا تھا شہابی ماں  
 سے سوال کرے۔ چھوڑے کہ تنگ کرے۔ انہیں لی  
 انفراساح اس ہو کر ہے مگر فون کی بیٹی کے ہے کسی کے  
 بارے میں سوچنے کی۔ پوچھنے کی۔ شہابی لکھنے،  
 جتانے کی۔ بپ کچھ کتنا عجیب سا ہو رہا ہے۔ ماں کا بل  
 جیسے پیچھے سا لگا لکھنا۔  
 "بپ کیوں بھائی ان ہی اڑھ اچھے ہو دیسے وہ  
 بتا رہے تھے کہ وہ یونیورسٹی لائف سے پہلے آپ کو پسند  
 کرتے تھے۔ پھر آپ کی شادی ہو گئی۔ انہوں نے بھی  
 شادی کر لی۔ ان کی بیٹی مجھ سے بڑی ہے۔ اگر میری  
 پیدائش چھ سال بعد نہ ہوتی تو میں بھی عمر کی برابر  
 ہوئی اور میری کئی شادی ہو چکی ہوتی۔" وہ بے ساختہ  
 کہہ گئی۔  
 "تمہارا بپ بھی شادی ہو سکتے ہے مگر۔" انہوں  
 نے اس کی بھائی سے بلی بھانے ہوئے کہا۔  
 "بہرام! کیا لگتا ہے تمہیں انوش؟"  
 "وہ بس پڑی۔" بہرام تو سیر دوست ہے اچھا ہی  
 لکھنا۔  
 "اس کے بارے میں کیا سوچا ہے تم نے؟"  
 "اچھی۔ نہیں نا۔ وہ کھٹوم کو پسند کرنا ہے۔"  
 "تم اسے کرتی ہو؟"  
 "نہیں ای! کیا ہو گئی۔ کئی ہونے مگر ایسے نہیں۔  
 وہ سیرا کر کے فوٹ سے فوٹ ہے۔ بلکہ وہ دوست ہے۔"  
 "وہ اچھا لگا ہے۔ انو۔ تمہارا خیال رکھنا۔"  
 "وہ دینے ہی خیال رہتا ہے ای! بھیر کی لالچ  
 کے۔" اب آپ پھر کئی بات نہیں کہنے لگا۔ دیکھیں  
 اچھی تو میں نے یونیورسٹی لکھ کر لیا ہے۔ اچھی نہیں  
 پلین۔  
 "اتھا۔" ایک کوئی معاملہ ہو تو مجھے ضرور بتانا اور  
 فوراً بتانا۔  
 "ٹھیک ہے بتاؤں گی۔ بس قسم کریں یہ بات سیر

جائیں شاپنگ پر کب پائیں۔“

”شاپنگ کیوں کر؟“

”میں بس ہفت ہونگی ساڑھی۔ لب آپ کو خوش رہتا ہے۔ اپنا خیال رکھنا ہے۔ وہ مدت اگلے ہیں اور وہ چاہتے ہیں کہ سب اچھا ہو۔“

”کی ایک بات پوچھوں؟ آپ بھی انہیں پسند کرتی تھیں۔“

”انہو؟“ وہ ناگوار سی دیکھنے لگیں۔

”اچھا نہ تائیں۔ حالہ ہے پوچھ لوں گی میں۔“

”انہو کچھ تو عقل سے کام لو۔ میری اب عمر ہے ان باتوں کی۔“

”آپ اب بھی جوان لگتی ہیں۔“

”بھلاؤست مجھے۔“

”میں بی بی جے۔“ آئیں آئیں میں آپ کو آئینہ دکھاؤں۔“

”رہے نہ انہو۔“ وہ گڑبڑا گئیں۔

انوشہ انہیں بھیج کر آئینے تک لائی۔ ”اب دیکھیں آپ زیادہ باری ہیں یا میں۔“

”یہ تو جھکا کر ان کے چہرے کے نقش و نگار تھے۔“

”مخت و ملتی ہوئی ٹیکسٹس مٹھی مٹھی آنکھیں ہاتھوں میں۔“

”سیدھی بالک۔ سواری مگر اب بھی خوب صورت لگتی تھیں۔“

انوشہ کی رحمت و دلی ہمتی، انہیں دوسری ہفت ہونگی ساڑھی کے نقش و نگار نہ چھوٹی نہ زیادہ تھی۔ مناسب نہیں نکلتے تھے مگر جلد بستر، مہر جلد تھی۔

”میں کیا کہ اصل خوب صورت کیا ہوتی ہے۔“

چلو پھو ذرا اب نکھو۔ میں تھک گئی ہوں۔ تھوڑا آرام کروں گی۔“

”اب بتا دیجی کہ کیوں تھک جاتی ہیں اہی!“

”اٹو نکھو۔ میری بات سنو۔ نکھو میں یہ چھوٹی نہ اپنے ارہن پورے کرنے کے لیے نہیں کر رہی۔ تم لیڈر اکو مت کر دینا اچھے رہا اکتا ہے۔“

”ہی انوشہ! سب کا حق ہوتا ہے اور اس سب کی کوئی خاص غم نہیں ہوتی۔ اور آپ مجھے مت روکیں۔ دیکھیں میری بی بی، میں بھی تو نہیں ہے۔“

میرب تو مجھ سے سارے کچھ کی سی چھوٹی سی عمر میں شادی کر کے بیٹھ گئی۔ نیز کچھ اچھا لگے گا۔ آپ کے ساتھ۔“

”آپ تو مجھے مت روکیں۔“

”وہ بے بسی سے اسے دیکھتی رہ گئیں۔“ انوشہ جیسے کون سمجھا ہے۔ وقت بہت اڑ رہا تھا۔ ہموں پر۔“

”انسانوں پر۔“ وہ ہنسنے لگیں۔

پورے مینیٹ بعد وہ کمر لگی۔ ”وادی اس سے خفا تھیں۔ ہر دم بہت خوش تھا کہ وہ انوشہ اور اب کا اندازہ تھا کہ اس کے وہاں جانے کا بہانہ ختم ہو جائے گا۔ اس کی وادی نے پہلی بار اس کی ہاں کے لیے کچھ گوارا کرنے کے لیے ختم نہیں ہوا۔“

”آپ کی مرضی آپ جو سوئیں مگر میرے سامنے میری ہاں کو عزت نہیں لی۔“

”بس کھٹے گئے پر۔“

”آپ کی مرضی آپ جو سوئیں مگر میرے سامنے میری ہاں کو عزت نہیں لی۔“

”بس کھٹے گئے پر۔“

”اب دیکھو آپ کی کتنی کھانی کے گھر کے سبق اگر ایسے ہوتے تو اس کی ہاں نے ان کے عرصہ خاموشی کی نذر نہ کر دیا ہوتا۔ وہ خاموشی سے اٹھ کر آئی تھی پھر اس نے ہر دم کو گھٹا کر کے اس نے شادی کی تیاری کی کہ وہ کسی گھ گھ کی تھیں کس رنگ کے کپڑے پہنے تھے وہ میوہ دیکھو۔“

اس نے خود تصویریں کھینچی تھیں۔ انکل عمر بکتے زبان میں تھک رہی تھی۔

”جی ہاں ہاں ہاں۔“

”کب سے پورے ہوئے سن رہا تھا۔“

”میں کیا کہوں گا۔ میں خوش ہوں۔“

”اب اسکا اندر سے ان سکپور ہوا۔“

”یہ کیوں بل کر خوشی کا اظہار کر رہے؟“

”کسی چیز کا ذوق ہے۔“

”کسی چیز کا ذوق ہے۔“

”کسی چیز کا ذوق ہے۔“

دل میں کوئی کانسا سا جھجکا تھا۔

”ہر دم۔“ وہ اسی کو خوش رہ گئیں۔“

”وہ اگلے روز تو نہیں گئی۔“

”وہ اگلے روز تو نہیں گئی۔“

”وہ اگلے روز تو نہیں گئی۔“

”وہ اگلے روز تو نہیں گئی۔“

”وہ اگلے روز تو نہیں گئی۔“

”وہ اگلے روز تو نہیں گئی۔“

”وہ اگلے روز تو نہیں گئی۔“

”وہ اگلے روز تو نہیں گئی۔“

”وہ اگلے روز تو نہیں گئی۔“

”وہ اگلے روز تو نہیں گئی۔“

”وہ اگلے روز تو نہیں گئی۔“

”وہ اگلے روز تو نہیں گئی۔“

”وہ اگلے روز تو نہیں گئی۔“

”وہ اگلے روز تو نہیں گئی۔“

”وہ اگلے روز تو نہیں گئی۔“

”وہ اگلے روز تو نہیں گئی۔“

”وہ اگلے روز تو نہیں گئی۔“

”وہ اگلے روز تو نہیں گئی۔“

پوچھ رہا تھا۔“

”اب یہ خدشہ تو ہے ہاں ہر دم۔“

”اب یہ خدشہ تو ہے ہاں ہر دم۔“

”اب یہ خدشہ تو ہے ہاں ہر دم۔“

”اب یہ خدشہ تو ہے ہاں ہر دم۔“

”اب یہ خدشہ تو ہے ہاں ہر دم۔“

”اب یہ خدشہ تو ہے ہاں ہر دم۔“

”اب یہ خدشہ تو ہے ہاں ہر دم۔“

”اب یہ خدشہ تو ہے ہاں ہر دم۔“

”اب یہ خدشہ تو ہے ہاں ہر دم۔“

”اب یہ خدشہ تو ہے ہاں ہر دم۔“

”اب یہ خدشہ تو ہے ہاں ہر دم۔“

”اب یہ خدشہ تو ہے ہاں ہر دم۔“

”اب یہ خدشہ تو ہے ہاں ہر دم۔“

”اب یہ خدشہ تو ہے ہاں ہر دم۔“

”اب یہ خدشہ تو ہے ہاں ہر دم۔“

”اب یہ خدشہ تو ہے ہاں ہر دم۔“

”اب یہ خدشہ تو ہے ہاں ہر دم۔“

”اب یہ خدشہ تو ہے ہاں ہر دم۔“

”اب یہ خدشہ تو ہے ہاں ہر دم۔“

کرتی تھی۔  
 ”آپ غلط فیصلہ کر رہے ہیں۔“ وہ پہلی بار بولی۔  
 ”تم کبھی ٹھیک اور غلط کو نہیں سمجھ سکتیں۔“  
 ”آپ سے زیادہ سمجھنے لگی ہوں۔“ تجربات نے  
 سمجھا دیا ہے۔  
 ”تم یہ کس طرح بات کر رہی ہو انو بیبا کے  
 ساتھ۔“  
 ”ہمت کیلے اس طرح کر لینی چاہیے تھی۔“ اس  
 نے کمر کر فون رکھ دیا تھا۔ اس کی داد کی اسے ہکا بکا  
 دیکھتی رہ گئیں۔  
 ”یہ تم نے باپ کے ساتھ اس طرح بات کی  
 ہے۔“  
 اس نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ نہ جیتنا، مجیب  
 خود آگے تھے ایک ہفتے کے اندر۔  
 ”مطلب یہ کہ آٹھ آٹھ آٹھ تھا۔ اور وہ جان بوجھ  
 کر ہمیں نالتے رہے تھے۔ وہ ناراض لڑھکتے تھے ان  
 سے فی کس۔ رات کو وہ اس کے کمرے میں آکر بیٹھے  
 تھے۔  
 ”ہم رام کی یاد کرتی رہے؟“  
 ”کوئی بات نہیں ہے۔“  
 ”تو پھر کیا کریں؟“  
 ”آپ ہرام کو بلوائی سمجھیں۔ اس سے پوچھ  
 لیں۔“ انہوں نے ہرام کو بلوایا۔ ساتھ میں صاحب  
 بھی آگئے۔ چچی، دادی بھی۔ عدالت ملک کی تھی  
 جیسے۔  
 ”تو ہمارا ہرام اس شادی سے کیوں انکار رہے؟“  
 ”میں اور انوش بہت اچھے دوست ہیں۔ مگر ہم نے  
 ایسا کبھی نہیں سوچا۔“  
 ”تو اب سوچ لو۔“  
 ”میں سوچ سکتا۔“ وہ سر جھکا کر بیٹھا تھا مگر  
 اعتراض نہیں۔  
 ”ہم کچھ دونوں کی بھلائی کی خاطر یہ فیصلہ کر رہے  
 ہیں۔“  
 ”ہمیں مانگو کہ۔“ وہ دونوں نے ایک ساتھ کہا۔

عقین اور مجیب ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔  
 ”خود سر ہو جئے ہو تم لوگ۔ اپنے فیصلے کرنے لگے  
 ہو۔“ عقین صاحبہ بگڑے۔  
 ”یہ میرا آخری فیصلہ ہے۔“ ہرام کہہ کر اٹھ گیا۔  
 ”اور میرا بھی۔“ انوش کہہ کر کمرے سے نکل گئی۔  
 سب نے حیرت سے ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔  
 وہ دونوں لان میں میزبوں اور ایک ساتھ بیٹھ کر  
 ایک دوسرے سے اظہارِ ہمدردی کرتے ہوئے کئی  
 دے رہے تھے کہ ایسا کچھ نہیں ہو گا۔ مگر غریبنا۔  
 مجیب ہاتھ نہ رکھنے گئے تھے یہ کہہ کر انوش کے  
 لیے کوئی اور اچھا رشتہ نہیں اور کریں۔  
 وہ پکڑے اپنے معمولات کی طرف نوٹ لگتی تھی۔  
 اس کی یاد آتی تھی اس طرح رحمانی اور کامیوں میں لگا ہوا  
 تھا۔ ہرام کو عقین سے کبھی دیکھی کہ اگر کلوٹم نہیں  
 تو کوئی نہیں۔ اور پچھلی روزانہ چکر لگا رہی تھیں کہ ہرام  
 ان کی بیٹی سے شادی کر لے۔ ماں نے کبھی کھوٹے  
 دواؤں کا شروع کر دیے تھے کہ ہرام ان کی کسی بھانجی  
 سے بچتی پر رضامند ہو جائے ہرام کی کراہی کی رٹ تھی  
 کہ وہ صرف عقین سے شادی کرے گا۔  
 ہرام کی خوشی اور اہل یقین نے گھر والوں کے  
 ارادوں کو کچھ ملایا تھا۔ عقین صاحبہ نے اسے ملایا کہ  
 خوب برا بھلا تھا۔ اور اس کے بعد کلوٹم کے گھر کا پتا  
 مانگ لیا تھا۔ وہ لوگ رشتے لے کر کلوٹم کے گھر گئے  
 تھے۔ انہوں نے وقت کا لگا تھا۔

منہ دیکھ ہر اسمل ہو کر اسے اور میزبوں کی طرف  
 لے گئی۔ وہ مرکز اس کے اشارہ پر کھڑی رہی تھی۔  
 ”یہ پاگل ہے۔ یہ لڑکا پاگل ہے۔ اور انو حیان مت  
 دے۔ مت دیکھو مرکز اسے یہ پاگل ہے۔“ گھر سے تک  
 آتے ہوئے کوئی دو تین بار میزبوں نے اس کا گھر سے  
 غری کرے سے نکل کر کھانا کھا لیا تھا۔ وہ  
 اس کے اور دھاڑی رہی تھی۔ عزیز صاحب چلا رہے  
 تھے اس پر وہ اس توانائی شیت سے بھرتے کرب  
 اور احتجاج کر محسوس کر رہی تھی۔ میزبوں نے اسے اندر  
 کر کے دروازہ بند کر لیا تھا۔ انوش دوسرے کم آ رہی  
 تھی۔  
 ”یہ لڑکا بہت بے حیا ہے میں جب سے آئی ہوں  
 اس کی ہر چیز میں دیکھ رہی ہوں۔ تم یہاں آؤ تو کبھی  
 بھول کر بھی اس کے منہ نہ لگنا۔“ مجیب نے جگہ میں  
 چاہتی ہوں ”اوں فون تم یہاں زوراً کم آؤ۔“ یہ اچھا  
 انداز تھا۔  
 ”تم۔ میں اب۔“ کم کم آؤں گی۔  
 ”اچھا ہے۔ تم فون پر نوروزی بات کرتے ہیں۔“  
 وہ کھانا چادری کٹی کہ اب روزانہ کمال کرتے ہیں۔  
 ”تم۔“ اپنا خیال تو رکھتی ہو نا انوش۔ وہ اس کا وحیان  
 آؤناؤں سے ملنا چادری میں۔  
 ”وہ کچھ انوش میری جان میں ہے۔ جس میں اس لیے کم  
 آنے کا کام ہے کہ اگر عباس آکر شور مچا دے تو مرکز  
 بلاوجہ شرمندگی ہوتی ہے کسی مہمان کی موجودگی  
 میں۔“  
 لفظ مہمان پر وہ چونک کر ظاہر نہ کیا۔ ”ہاں ٹھیک سی  
 تو کہتی ہیں میں یہاں مہمان ہی ہوں۔“ وہ پوچھا  
 چاہتی تھی۔ ”آپ ڈسٹرب ہوئی ہیں میرے آنے  
 سے۔“ مگر پوچھا ضروری نہ تھا۔ وہ سوچ رہی تھی اگر وہ  
 خوش ہیں تو وہ انہیں کیوں اس کے بلائے شور مچا رہا  
 تو وہ نہ سے اجازت نہ کہنے آئی۔  
 منہ دیکھنے نے اس میں بھری۔ اس کے ساتھ کمرے  
 کے دروازے تک آؤں یا کیا۔ خیال رکھتے ہوئے۔  
 سب دیکھا تھا۔ چکران کے منہ سے بھرے اندر میں کچھ

تبدیلی کی طرح محسوس ہو رہی تھی۔ دل جوان کی محبت  
 سے بھر پور تھا۔ وہ خالی ہوا تھا۔ وہ اس کی باتیں سن کر  
 نکل آئی۔  
 قلب عباس بیرون گیت کے پاس کھڑا اب رہا تھا۔  
 اس کی آنکھیں کمری سرخ تھیں۔ چہرے پر بڑھی ہوئی  
 شیوش لائے آسہ رہے۔ وہ یہ تھا۔ اسے غلاما ہو گئے  
 دے کر کھانا کیا تھا۔ انوش ایک لمبے کے لیے کئی تھی۔  
 وہ اس کی طرف نہیں دیکھ رہا تھا۔ بس ایک لمحہ دیکھا  
 تھا۔ کبھی اور تھا۔  
 اسے اس انجینی خصوصیت سے بھر کے دم تیا تو  
 تھا۔ یہ مجیب کوک ہیں۔ بنی کے شور کو کس سے  
 دوری سے ذیل کیا ہے۔ وہ اس ایک جملہ بڑبڑا تھا۔  
 ”میں طلاق نہیں دوں گا میں اسے طلاق نہیں  
 دوں گا۔ ساری عمر میں یہی ہوں گا۔“  
 وہ پریشان سی نکل آئی تھی۔ وحیان بار بار پیچھے جا رہا  
 تھا۔ اس نے نہ کہہ کر دکھ سارا ہوئی۔ وہ بار بار پیچھے مرکز  
 دیکھا۔ وہ وہیں کھانا پاتا ہوا دکھائی دیا۔  
 اس نے کھڑکی سے سانس بھری اور رستے بدلتے  
 ہوئے منظر کو دیکھنے لگی۔  
 \* \* \*  
 ”دیکھا ہوا ہے۔ ہرام؟“ قرمز نے لٹکا دیں بیٹھے ہو۔  
 کلوٹم سے لڑائی ہوئی ہے کیا؟“  
 ”نہیں۔“ وہ میزبوں پر کتابیں گود میں رکھے  
 ہوئے بیٹھا تھا۔ اس وقت وہ کمرے سے آئی تھی پیچھے  
 کر کے آئی کتابیں لے کر۔  
 ”بھرا کیا ہوا ہے؟“  
 ”کچھ نہیں کچھ ہوا۔ تمہاری ای کیسی تھیں؟“  
 ”وہ ٹھیک تھیں۔“ وہ خوش ہیں۔ ہرام۔ وہ بہت  
 خوش ہیں۔  
 ”وہ خوش ہیں تو پھر تمہیں کیا ہوا ہے؟“  
 ”مجھے کچھ نہیں ہوا۔“  
 ”جب تم زیادہ آؤں گا کئی ہو خوش دکھائی دیتے  
 کی تب ہی تم افسوس ہوتی ہو نا انوش۔“

”شاید یہ غلط افروہ ہوں بہرامؔ“  
 ”دیکھو وہاں ہیں۔ وہ خیال رکھیں پیار  
 کرتی تھیں۔ مگر ہاں کی اپنی بھی تو زندگی ہوتی ہے نا  
 بہرامؔ کیا ہو جاوے وہاں قاعدہ کے ساتھ مسیح نہیں  
 کرنا کہیں۔ وہ خوش ہیں۔ سب باتوں کے ساتھ اس  
 خیال کو کوئلوں کی خوشی بہت جالی ہے۔  
 بس وہ خوش رہیں۔ ان کا بھی تو خوشیوں پر حق ہے  
 نا۔ اسی وقت اس کے آپ کی کل اتنی تھی۔  
 ”کیسی ہو؟“ وہ پوچھ رہے تھے۔  
 ”کب سے کل کر رہا ہوں۔ مگر یہ نہیں۔  
 کمال نہیں تم؟“  
 ”آپ کو کیا ہوا لوگاکہ میں کمل تھی۔“  
 ”بڑا تھیرا لڑا تمہاری ماں نے وہ سری شادی کر  
 کر۔“  
 ”وہی کیا ہو آپ نے کیا۔“  
 ”میری بات الگ ہے۔ میں مجبور تھا۔“  
 ”وہ بھی مجبور تھیں بالید۔“  
 ”تم اب بھٹ کر نہ گئی ہو میرے ساتھ۔“  
 ”ساری زندگی میں اب نہیں۔“  
 ”تہا ہے۔ یہاں زیادہ سے جلیا کر دوں۔“  
 ”اب نہیں جاؤں گی۔ بے فکر رہے۔“  
 ”کیوں؟ تمہاری ماں نے کچھ کہا ہے تم سے؟“  
 ”نہیں۔ بس میں چاہتی ہوں وہ وہاں خوش  
 رہیں۔“  
 ”وہ یہاں خوش نہیں تھی کیا؟ کسی چیز کی کمی تھی  
 اسے اس گھر میں نہ تھا؟“  
 ”محبت کی کمی؟ آپ میری ماں سے محبت کر لیتے تو  
 وہ نہیں جانتیں۔ نہ آپ امیں چھوڑتے نہ وہ مجھے  
 چھوڑتیں۔“  
 ”وہ چپ ہو گئے۔ زندگی کے لیے اور بھی کچھ  
 چاہتے ہو نا؟ یہ صرف کتبلی باتیں ہوتی ہیں  
 ایک عمر تک جتنی ہیں۔“  
 ”محبت کی زندگی کی ضرورت ہے۔“  
 ”تمہاری ماں نے بھی دیکھتے سے محبت نہیں کی۔“

”آپ کو کچھ کرتے ہیں کیا۔ اتنے سال ساتھ آپ  
 کے ساتھ رہیں۔“ اس نے سہل سے کہا۔  
 ”میں تنگ کر۔ آپ کو داپھی کے لیے مجبور بھی کر دیا  
 مگر آپ۔“  
 ”میں مجبور تھا۔“  
 ”آپ سب کا کتنا آسان لگتا ہے۔ مگر میں نہیں  
 آسان کر۔“  
 ”مگر مجھ پر ذرا تھیں نہیں رکھیں انہ۔“  
 ”آپ کو اس کی کیا پروا ہے؟ آپ کے پاس آپ کی  
 فیملی ہے۔ اسی کی اب خوش ہیں۔ اکیلی نہیں ہوں۔“  
 اس نے کہہ کر فون رکھ دیا۔  
 اسے چاہتا اس سب کے نتیجے میں ایک بار پھر  
 شادی کی ٹکوار کٹانے کا فیصلہ ہو گا۔  
 اس نے یہاں سوت سے بچا کو کہہ دیا تھا کہ  
 جب تک وہ تعلیم مکمل نہیں کرتی تب تک وہ شادی  
 کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتی۔  
 \* \* \*

اس کی ماں کی طبیعت خراب تھی۔ خالہ نے اسے  
 فون کر کے بلایا تھا۔ منہ کو کوئی فون کیے مگر ان کا نمبر بند  
 جا رہا تھا اور کھر کے نمبر سے کوئی فون نہیں اٹھا رہا تھا۔  
 اسے خالہ نے بھیجا کہ چوڑی منہ کو لے کر اور جب وہ  
 وہاں پہنچی تو ان کے گیت پر ٹکاڑا ہوا تھا البتہ سامنے  
 سے تھیں اس آہوا نظر آیا تھا۔  
 ”السلام علیکم۔“ اس کے چلنے سے تھوڑا رنگ تھا۔  
 ”وعلیکم السلام۔“ اس نے دیکھا اس کے پیروں پر  
 بندھی تھی یہ اس دن والی چوٹ کاڑھا تھا۔ اس بات  
 کو کچھ دن کی تو وہ نے تھے۔  
 ”یہ لوگ کدھر گئے ہیں؟“  
 ”ہم ان گئے۔“ وہ استغناء سے ہنسا اور پھر چائے لگا۔  
 ”بڑھائی سون پر کیا ہے؟“ اسے سخت ناگوار گزرا  
 تھا۔ چلے۔  
 ”ساتھ ہی کو بھی لے گیا۔“ تو سارا فضا سی بات کا  
 تھا۔ چلے۔

”ان لوگوں سے کوئی رابطہ ہو تو بتائیے گا لی کو ناہو  
 کی طبیعت بہت خراب ہے۔ وہ لوہن تو آکر ان سے  
 مل لیں۔“  
 ”ان کا رابطہ مجھ سے نہیں ہو نا۔ اور اب آپ سے  
 بھی درخواست ہے۔ بھول جائیں ہاں کو کیسے لوگوں سے ان  
 کا واسطہ پڑا ہے۔“  
 ”آپ بہت تلخ ہوئے ہیں۔“ وہ ناگوار سے آئے  
 پڑے تھی۔  
 ”یہ کذا نقد ہی کیا ہو آئے۔“  
 ”یہ سچ کا نہیں آپ کی زبان کاوا نقد ہے۔“  
 ”یہ بھی ٹھیک ہے۔ جو بچپن سے کانوں میں لٹا رہا  
 گیا وہ ہی اصل رہا ہوں اب۔“ آگے بڑھتا ہے جس  
 وقت بنگلہ ہو رہا ہے مرکز بند ہو گئی ہے۔ آپ  
 گودا سرے رستے سے جانا چاہتے ہیں۔  
 ”میں نہیں جاتی وہ سارا بند۔“ وہ کہہ رہی ہو گئی۔  
 ”آپ کے چہرے پر یہ پریل بہت جلدی آجاتی ہے  
 ۔۔۔ جو محسوس کرتی ہیں وہ چہرے پر لکھا ہوا آئے۔“  
 ”مجھے چہرے کے تاثرات کو واقعی کنٹرول کرنا نہیں  
 آتا۔ اس سے سوجا ہے۔ تو ہم بھی کوئی فوراً جانا  
 لیتا ہے۔ بہرام وہ جان لے کر کوئی اور۔“  
 ”میں اٹھتا ہوں۔ راستہ آپ کو۔“  
 ”آپ کو چلنے میں تکلف ہو رہی ہے۔ رہنے دیں  
 میں خود ہی راستہ ڈھونڈوں گی۔“  
 ”راستہ ڈھونڈنے ڈھونڈنے کبھی بھگداز ہو جاتی  
 ہے۔ ہر گلی کے کنارے جا کر داپھیں پٹنا پڑا ہے۔  
 داپھیں منہ پر لائی ہیں۔ سامنے بورڈ کسی اڑاتے ہیں۔  
 آپ پیچھے رہ جاتے ہیں۔ آگے بڑھنے کی خواہش دھری  
 کی دھری رہ جاتی ہے۔“  
 ”وہ جڑاں ہو گئی ان جملوں پر۔“ آپ چلے جاتے  
 ہیں۔  
 ”دلیلی کہ آپ بھی؟“ وہ رکا۔  
 ”میں نہیں چڑا لی چلتے۔“  
 ”مطلب کہ آپ بھی پڑھتی ہیں۔“  
 ”کیا؟۔۔۔ میں کتا نہیں۔ وہ تو پڑھتی ہوں۔“

”میں نہیں۔ میں ان رماہوں کی بات کر رہا ہوں  
 جو ماہناموں کی صورت لگتے ہیں۔ وہی جن میں خواتین  
 لکھتی ہیں اور مرد حضرات۔“ وہ کہتے ہوئے رکا۔  
 ”جی۔۔۔ اور مرد حضرات؟“  
 ”میں نے بھی لکھا ہے وہاں۔ نام بدل کر۔“ اس  
 نے جملہ مکمل کیا۔  
 ”چھٹ کیا؟“  
 ”ہاں۔“ وہ ہنسا۔  
 ”کی بات ہے کہ اس نام سے لکھا؟“  
 ”میں کب تک بتاؤں؟ آپ خود پڑھ جائیں۔“  
 ”بہرام بھجانا پانی ہوں لپٹی پڑا کو۔“  
 ”چھٹ۔ جی ہی ہے۔ نیٹے پڑے تھے اور یاد بھی  
 تھے۔“  
 ”آپ اپنے چمٹے تو کسی کو بھی یاد ہو سکتے ہیں۔“  
 ”سے چمٹے۔ مطلب آپ بھی؟“  
 ”ہاں مگر آپ کی طرح جس بدل کر نہیں۔ اپنے  
 اصل نام اور شناخت سے۔“  
 ”واہ۔۔۔ تو اوشہ۔۔۔ آپ ہیں۔ جنہیں میں  
 مسلسل دیکھتا ہوں اور بہت شوق سے پڑھتا ہوں۔“  
 ”چمٹے بھی اڑاتے ہیں۔“  
 ”میں اڑا نہیں لڑا تھا ہوں۔“  
 ”اور وقت آنے پر کسی کے بھی سامنے چمٹل کے  
 طور پر ایسے پیش کر دیتے ہیں جیسے واقعتاً چمٹے آپ  
 پہ آئے تھے۔“  
 ”بڑھاپا ایسا نہیں ہے۔ چلی جا رہا کیا تھا اور  
 پکڑا لیا۔ لوگ ساری عمر جڑی کرتے ہیں اور پکڑے  
 نہیں جاتے جیسے کہ عرش کا پانی کابھائی آپ کی  
 اسی خواہش پر گزرا ہے۔“ اس نے خودی مثل دی۔  
 ”بہت بڑی بات ہے۔ آپ آئیں ان پر رہتے  
 ہیں۔“  
 ”اور بھی بہت کچھ کہا ہو گا آپ کی ماں نے آپ کو  
 بتاتے تو نہ۔“  
 ”ان کا کوئی قصور نہیں جو رکھا انہوں نے وہ بتا  
 دیا۔“



”ٹھیک کہتی ہو، مگر یہ ”مڑک“ ہائی تھی۔  
”میں آگے چلی جاؤں گی۔ آپ بہت مشکل سے  
میرے ساتھ آئے ہیں۔ اب دواؤں انتہائی چل کر آپ  
کو اپنے گھر لے جاؤ گا۔“

”آپ چاہیں تو آپ کی باتوں کے گھر چھوڑ دوں آپ  
کو۔ دراصل میں رائے میں ڈاکٹر کو بھی دیکھنا ہے۔“  
”آپ بے شک گاڑی میں سوار ہو جائیں مگر باتوں  
کے گھر تک میں آپ کی باتوں کی۔“  
”اپنی بے نیکی کر دوں۔“  
”دیکھیں گا کہ آپ کو کون سے گا؟“

”میں ہوں گا۔“  
”تو میں دے سکتی ہوں۔ آپ نیکی میں  
جائیں مجھے، دیکھ کر دیکھ کر۔“  
”آپ میرے ساتھ مزید چند منٹ کا بھی سفر طے  
نہیں کر سکتیں۔“

”آپ پیدل چل کر میرے ساتھ آئے ہیں۔ اس  
کے لیے میں ممنون ہوں مگر معذرت ہے میری طرف  
سے۔“ اس نے دیکھ کر دواؤں کا اس میں سوار ہو گئی۔

پورا دن اس کی باتوں پہ چل میں ایڈ مسٹ رہی۔ وہ  
اپنی باتوں کے متعلق سوچتے ہوئے بار بار کان کا مہر زانی  
کرتی رہی تھی۔

کیا تھا وہ جانتے ہوئے ہی بتا جاتیں۔  
وہ اپنی اپرواہ نہیں تھیں۔ کیا ہو گیا ہے انہیں  
- فون پر بات ہو جاتی وہ ان کی سنی ہو جاتی ہیں۔  
آخری بار بڑی ہی جلی کو دیکھا، نواسی کو دیکھا، بیٹے کو دیکھا  
اور چھوٹی بیٹی کو آخری بار دیکھنے کی حسرت لیے چلی  
گئیں۔

اس نے سوجا وہاں سے ملے کی تو بہت برا بھلا کے  
گی ان پر بگڑے گی۔ انہیں بتائے گی کہ ان کی باتوں  
کو دیکھنے کی حسرت لیے چلی گئیں۔ دینا ہے۔ اور وہ اس  
دینا نہیں دے کر بھی راجہاں سے قطع رہیں۔ انہوں نے  
لپٹاؤں کی انتہا کر دی۔

\*\*\*

”تمہیں کیا لگا تھا جب میں نے تم سے کہا کہ  
تمہیں غصے سے بھرا ہوا ہے؟“  
”میں عام سا لگا تھا۔ مگر یہ بتائیں آپ نے میرا نمبر  
کہاں سے لیا اور یہ بھی کہ اگر نمبر کے لیے اتنا فون کیا  
کیا؟ اور کر ہی کیا تو وہ کیا ہے۔“

”سب سے پہلی بات کہ کسی رائٹر کا نمبر لینا اتنا  
مشکل نہیں ہوتا۔ اور اسے نہ لیا۔ دوسری بات کہ  
میں ایک قادری کی حیثیت سے بھی تمہیں کال کر سکتا  
ہوں اور ایک سادھی رائٹر کی حیثیت سے بھی۔ اور  
وجہ بھی یہ ہے کہ ایک تو ہم دوسرے رشتہ دار بھی سمجھے

ہیں۔ دوسرا مشعل کے ہم خیال دوست بھی تھی۔  
”کس قدر خوش فہم انسان ہیں آپ۔ اور دشمن  
واری کو تو بڑے دیتے ہیں دھڑکیں ہوں فون۔“  
”سنو سنو بات سنو۔ ایک آخری بات یہ بھی کہ  
دیکھو میں نے ایک بہت ضروری کام سے تمہیں فون  
کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ میں چاہتا ہوں تم میری کملا  
تکھو۔“

”اور میں آپ کی کملاں بھلا کیوں اور کس لیے  
تکھوں۔“  
”اس لیے کہ میں خود اپنی کملاں نہیں لکھ پڑتا۔“  
”تمہیں کیا لگا؟“

”تم کس قدر خود غرض نہیں بلکہ بے غرض رائٹر  
ہو ایک رائٹر کو کملاں لینے کے لیے ہر وقت ”ہرام تیار  
رہتا ہے۔“  
ایک رائٹر کو لوگوں کے تاثرات دیکھ کر ان کی  
کملاں سمجھنے کا اس حد تک غصہ ہوتا ہے کہ اور کم  
ایک ہی بتائی کملاں لینے سے انکار کر دی ہو۔“

”مجھے تو عجیب نہیں ہے کملاں لینے سے۔“  
”اسی لیے تو تمہارا وزن کمزور ہے۔ بہت جلد فانی  
فتم ہو جاؤ گی تم۔“  
”مجھے اس کی بھی کوئی پرواہ نہیں ہے۔“

”تمہیں غم نہیں ہے اس کے قدر نہیں ہے۔“

”اور اس دن سے جب تمہلے سے کملاں لکھنا چاہو گی اور  
تمہارے پاس الفاظ نہیں ہوں گے اور تم کملاں لکھنے  
کے لیے جی چاہو گے تو یہی کتبہ مجھے بتائے کہ پہلی بار  
مجھے فون کو کی اور یہ کہ میں کملاں لکھنا چاہتی  
ہوں اور تب تمہیں گروا کر زندہ رہا۔ فون تمہیں  
کملاں لکھنا ضرور سکھاؤں گا۔“

”دوسری صورت میں تمہاری بے بسی پر حضور روٹا اور  
اس کی کوٹنا جب تم نے میرا اپنی طرف بڑھتا ہوا  
دیکھا تو کھرا اڑا تھا۔“  
”آپ فون رکھو۔“ وہ بے زاری سے گویا ہوئی مگر  
اس کے الفاظ بہت اندر تک اتر گئے تھے۔

”اور ہاں جب فون دیکھنا چاہو تو پوچھا کہ مجھ پر  
بتائے رکھ دیا کرو۔ اور ہاں۔“ ”مجھے وہ کچھ اور بھی سمجھا  
چاہتا تھا کہ دوسری طرف فون لکھنا کہ دیکھ کر کیا گیا۔  
وہ روز دار قندسار کر رہا اور دوسری طرف وہ عجیب  
خمیے میں پھنس گئی تھی۔“

\*\*\*

”اس نے کہا ہے میں آگے چل کر کملاں نہیں لکھ  
پاؤں گی۔“  
”اس نے کس سے؟“ بہرام اپنے مونڑا نیکیں  
کے پرے صاف کر رہا تھا۔  
”وہ قلب عباس۔“

”یہ کیا بلا ہے؟“ بہرام پہلے بار سن رہا تھا۔  
”اسی کے شوہر کی بیٹی کے شوہر ہیں۔“  
”جی۔“ وہ اس طرح کے تعارف پر ہنس رہا۔  
”بیٹا قریب قریب غلط ہے یہ تو۔“  
”تم بھی بہرام۔“ بہرام نے اچھا اس سے کیا جتن دے دیے  
مگر میں سب اس بے چارے سے نفرت کرتے

ہیں۔  
”اور تمہیں اس لیے اس سے بددردی ہے؟“  
”مجھے اس سے بددردی نہیں ہے بہرام۔ اس نے  
اپنا اسیج خود خراب کیا ہے۔ وہ بات کرتے ہوئے  
تقریباً ”چاپا“ دے دھاڑتا ہے۔“

”ہوئی ہوگی کوئی نیا فون اس کے ساتھ لیں۔ تم  
نے اسے چلتے ہوئے نہ دیکھا؟“

”ہاں دیکھا ہے۔ آخری بار اس دن جب میں اسی  
سے ملنے کی گئی تھی تو وہ نیچے آ کر مت چلاؤ تھا۔ اسی خوف  
زہہ ہو کر مجھے اپنے گھر سے میں نے ہی نہیں اور تب  
ہی اکٹھا انہوں نے کہ اب تم کم کیا کرو۔“

”انہوں نے ایسا کہا تھا۔“ ”دوڑ نکلا۔“  
”ہاں اور اس کی وجہ سے کہا تھا۔“  
”نہیں انہیں اکٹھا ہے۔ قتل ہو جی ہوئی۔“  
”کہنا تو نہیں چاہیے تھا۔ پر اب کہ دیا تو کیا  
کریں۔ ایسا تھا کچھ ہوتا ہے جو میں ہونا چاہیے۔“

”تیسرا؟“ ”وہ پرے صاف کر رہا تھا۔  
”تیسرا کیا؟“ ”ہاں پرنا اور پھر چل جا کر کریمینا اور اسی  
کے بلانے پر نہ آتا۔ ان کا دوسری شادی کرنا اور پھر  
بہت کچھ ہو چلا تھا مگر میں کیا کر سکتے ہیں بہرام۔ دیے  
اگر تمہارے بس میں ہو یا تو تمہارے کیا نہ کرتے؟“

”کیا؟“ وہ اسے پوچھ رہے تھے۔ کبھی بھارہ وہ سختی

معصوم معلوم ہوتی تھی۔  
”اگر تمہارے بس میں ہو یا تو تم کٹھن سے محبت  
نہیں کر سکتے۔“ ”وہ پتے نہ لگا۔“ ”پھر سوچنے لگا۔“  
”میں سمجھتا ہوں کہ میں ہو یا تو میں اپنے اندر سے  
اس کے حصول کی خواہش نکال پھینکا۔“

”تم بھی ہو بہرام۔ محبت کرتے ہو اور حصول کی  
خواہش نہیں تو پھر کیا لگا محبت کا بہرام۔“  
”وہ مونڈا نیکی کے پرے ہو رہا تھا۔ کال کے دل  
کے پرے ہو رہا تھا۔ اس نے سوچا تھا۔

”حصول کی خواہش سرکاری ہے۔ میں جس بھی پھر  
تھکا رہا ہے۔“ ”وہ چہرے سے بھی تھکا ہوا لگا رہا تھا۔  
”بہرے سے بھی اور دیکھو سے بھی۔“  
”کاش تم کٹھن سے محبت نہ کرتے بہرام۔ وہ افسردہ  
تھی۔“

”اگر ایسا نہ کرنا تو میں کیا کرنا تو؟“  
”کیا محبت اسے اڑا کر ہے بہرام؟“  
”محبت اس سے کہیں زیادہ اڑا کر بھیجی ہوئی ہے

انوشہ۔  
”مجھے کیوں پتا نہیں لگتا۔ میں شاید اسی وجہ سے ابھی تک کل کر محبت کی کمانی نہیں لکھائی تھی۔ مجھے لگتا ہے محبت بری ہے۔ ہر نام پر شادی کے رشتے کی طرح ہے۔ کروڑوں بچپن کا اور نہ کروڑوں بچپن کا۔“  
”تم مجھی بھلا کر کلاں ٹھیک خاکسار کی رشتہ کی ہے۔“  
”وہیے اس نے لکھا تھا میں اس کی کمانی لکھوں۔“  
”اس نے کہا۔ وہ کہتا ہے۔ ایسے سے بولا کرو انوکھے کے لیے۔ یہی نام لکھو۔“  
”اس نے مجھ سے کہا کہ میں ایک دن کمانی لکھنا بھول جاؤں گی۔“  
”پھر اس نے۔“ وہ جھلا کر سلیے کپڑے سے گریس بھرے ہاتھ صاف کرنے لگا۔  
”تمہیں لگتا ہے کہ یہ اب چل پائے گی۔ جس طرح کا پوسٹ مارٹم ہے اسے پائیک کا کیا ہے۔ لکھ لو کہ یہ اب نہیں چلے گی۔ میرا تو مشورہ ہے کہ اسے اونسے نہ لکھو۔“  
”تم میرے حق میں بھی اچھی بات بھی کر لیا کرو انوکھے کی۔“  
”مجھے میری بات کا جواب دہر نام کیا بھی ایسا ہو گا؟“

”میں اس نے زاریا سے یقین مت کرو۔“  
”یقین کر لیجئے کہ کیا میں ہو سکے۔“  
”میں تو بس اتنا جانتا ہوں کہ یقین کسی بھی چیز کے شر سے لڑتا ہے اور اسے کروڑوں کے چھوڑنا ہے۔“  
”اور یقین غلط بات ہو تو؟“  
”چھوڑ یقین۔ میں خوش گمانی ہوتی ہے۔“  
”مجھے بس پتا کہ لڑنا تو نہیں ہو گا کہ میں کمانی لکھنا بھول جاؤں گی؟“  
”کیا تمہیں اس سے فرق پڑے گا؟“  
”شاید نہ۔“  
”جب تمہیں یقین ہو جائے کہ پڑے گا اس دن میں تمہیں اس سوال کا جواب کہیں سے بھی لا دوں گی۔“

”بس میں یہ نہیں چاہتی۔ ہر نام کہ مجھے مجبور ہو کر اسے فون کرنا پڑے۔ اور اس سے کہنا پڑے کہ مجھے کمانی لکھنا پڑا۔“  
”وہ اسے مجبور کر دینے لگا۔ اپنی کمانیوں کی خود حفاظت کرنا۔ اس کے خاتمے کو پھر نہیں ہو گا۔“  
”اپنی کمانیوں سے بھرنا۔“  
”جس چیز سے بھرا گیا جائے وہ رہ جائے ہے آپ کیس؟“  
”اور اگر خود رہے تو پھر پھر پھر جاتی ہے۔“  
”یہ چند مجھے اچھا لگا ہے۔ ہر نام۔ میں یہ لکھ لوں کسی کمانی میں۔“  
”بے شک لکھ لو۔“ وہ مسکرایا۔  
”اب میں بھی بیٹھے چرایا کروں گی اس کی طرح۔“  
”میں بہت ہو گیا ایک دن میں بہت بار تمہیں اس اجنبی کا ذکر کیا ہے۔ اب بارگاہ رہا ہے۔“  
”آخر تم تو بال پر مڑو نہ نکلی۔“  
”وہ تو ہوں۔“ مشورہ پائیک واقعی اشارت نہیں ہو رہی تھی۔ ”اسے شاپ پر لے جانا پڑے گا۔“  
”بڑھو کیا۔“  
”تب بھی نہیں چلے گی۔“  
”تھک گئی ہے چھاری تم سے؟“  
”اور ہر نام نے تجھ سے کہا ہے کہ میں چلا کر لیا اور رات کو کلوسے سے لگا کر تمہیں تھک گئی ہو نا۔ مجھ سے اس نے کہا۔“  
”میں تھک گئی ہوں۔“ وہ دھک سے دھکیلا۔  
”اور ان دونوں کے درمیان یہ پہلا جھگڑا، ہوا تھا۔ اصل ان جانے خوف سے لڑاں تھا۔

بروز رات سونے سے پہلے اس کی پہلی علوت تھی۔ مسجد شہری طور پر لکھنے لگی۔  
”تمہیں کسی طرح کے خواب نہیں آتے۔“  
”اس کے ساتھ رہنے لگا۔ دوست نہ کر۔ پہلا ہر نام اور

دوسرا کل۔۔۔ مگر ایک واقعہ بدستور رہا کہ اس کی تمام کمانیاں اور ہر صفحہ میں پھر پھر لکھیں۔ اور وہ لکھنے کی ساری کمانیاں اور ہر کیوں رہ جاتی ہیں۔ ان ہی دنوں اس کی ہاں کی دایبھی ہوئی تھی۔ انہوں نے اسے بلایا تھا۔ وہ بہت خوش تھی۔ اس نے جاکر پتلا چاہا تھا فوراً۔۔۔ ہی۔۔۔ مگر وہ پہلے انہیں سنا جانتی تھی۔ جب انہوں نے فون غراب ہو جانے پر اپنی اس بند ہو جانے کا ایک پروگرام بن جانے کے ساتھ ہی قہر شروع کر دیے۔  
اور جب وہ کہہ کر دڑا سوچ میں دوئیں تو اس نے بتایا۔

”اسی ناؤ کی شہنہ ہو گئی ہے۔“  
”وہ چپ ہو گئیں۔ پہلے حیران پھر رشتہ۔ ”کب؟“  
”نہو۔ اور اس کا۔“  
”جب آپ کا نمبر نہ تھا۔ میں آپ کو لینے آئی تھی مگر آپ نہیں تھیں۔ وہ وہ ہو گئے۔“  
”وہ اپنے ہاتھوں کو کھولنے لگیں۔ یکدم خاموش ہو۔“  
”وہ تو ٹھیک تھیں۔ پھر اچانک ہوا گیا انہیں؟“  
”اب تو ان کے پاس ہوتا ہے۔ خدا کرے کہ میں آپ لے کر جاتا ہوں۔ وہ آپ کو دیکھنے کے لیے۔“ اس کی آواز بھر گئی۔  
”اس کی ہاں اسے یکدم کم بزمی سی لگنے لگی۔ چوہا چوہا۔“  
”تمہیں بھری۔“ آواز میں بابت کو آواز گھمسی سی۔  
”مجھے پتا نہیں تھا۔“  
”کہہ دیجئے میں کیا بات تھی؟“  
”تم کہتے ہو۔ اسے سوال کر رہی ہو تو! ایسے میں نے جان بوجھ کر ان سے ملنے سے گریز کیا ہوں۔“  
”وہ بے دلی سے اٹھی۔“ میں چلی ہوں۔ ہر نام کو مسح کر دیا ہے۔ نہ لکھ چکا ہے۔“  
”تم بھولا ہو۔“  
”اب کو اب وہاں جانا چاہیے۔“  
”ہاں! ان کے لیے بھی کئی اچھا سا رشتہ دیکھ کر آپ ان کی شادی کر دیتیں۔ آج وہ اکیلی ہیں۔“

”اسے خود۔ وہ خود نہیں کرنا چاہتی تھی۔“  
”چوہی ہے۔۔۔ آپ ان کے پاس جاتیں۔“ وہ بھی بھیجی سی وہاں سے نکل آئی۔ اس بار اس نے گیت کی طرف دیکھا پھر ساتھ دالے مکان کو۔ وہ نہیں تھا۔ یہ حرکت لاشعوری تھی۔  
اور اوپر کھڑکی میں کھڑے ہو کر اس نے دیکھا تھا اور مسکرایا تھا۔  
غیر ارادی طور پر اس کی نگاہ اٹھی اوپر۔ اور عباس کو دیکھا پھر فوراً۔ ”سرنگی میں بلایا تھا۔“  
وہ سرگرم کھڑکی میں جب ہر نام اسے لینے پہنچا۔ ہر نام اور کھڑکی کی لڑائی کا باب کھل گیا تھا۔ اس جیسے جیسے پورے جہاں میں نہ تھا۔ نہ رہ جاتی تھی۔  
”اس کا راز اسے پتا ہے۔ ہر نام۔“  
”یہ بڑے غلط وقت میں محبت کی ہے تم نے۔ کم از کم یونہی نہ کہ چار سال نکال کر کرتے تو اچھا تھا۔“  
”یہ بھی میں نہیں ہوتی۔ پھر بتاؤ کیا وہاں جانے کی؟“  
”مجھ کو ہر نام یہ تمہوں کا تیرا بھلا ہے۔ تیرا مطلب آخری۔“  
”تمہیں کیوں کر رہی ہو انوشہ۔“  
”مجھ کو اگر تم چاہتے ہو کہ اب چوہا کیا رہا ہے۔ تو اسے اب شروع مت دے۔ لڑے تو لڑائی کا جواب لڑائی سے مت دے۔ سمجھو سمجھو میں کسی کو ہر نام مقصود نہیں ہوں۔“  
”میں دلدار کا جواب۔ اب اسے اور کیا بلانا ہے۔“  
”مگر دلدار مجھے تو پھر لڑائی کی ہے۔“  
”مجھے لگتا ہے وہ اب کی بار نہیں پہنچاؤں۔“  
”وہ دلدار بھی ہے۔ میری بار تم سے تو آزاد۔“  
”اس سے قدرت کروں؟“ وہ لکھ کر دیکھا۔  
”ہاں کرو۔“  
”اب کمانی جاری ہو۔“  
”میرا فون نہ رہا ہے۔“

”جس وقت تو نہیں کرتے فون؟“

”میں عباس سے کیا ہوگا۔“

”تم کچھ زیادہ باتیں کرنے نہیں لگ گئیں اس سے اب خدا کے لیے پچھنے سال پانی راستی مت در لایا ہے کہ کہ اس نے میرا مت ساتھ رہا ہے جب مجھ پر دن آیا کہ میں کمائی لکھتا ہوں کئی تب اس نے مجھے کمائی لکھتا کھائی ان کو کوئی اندھیرے میں جھٹکو کڑ لاتا ہے چوبہ۔“ اللہ بار انا تو اس کہ کہ را خدا جانوا انھیا نہ لہو لایا۔ کلوم کا بنبر نہ جا بار خدا ہو ہر نکل گیا۔

”اس وقت کہ حرج رہا ہے ہو میرا۔“

”ابھی وہ جاگ رہی ہوگی۔“

”اس کے گھر؟ نہیں نہیں یہ وقت نہیں ہے شریفوں کے گھر جانے کا۔“

”اس کے کمرے کی لنگی کھلی ہوئی ہے۔“

”تو پھر؟“

”میں بس اسے ایک نظروں کیوں جا پھر دو مجھے دیکھ لے لی اور مجھے پتا ہے اس کا گھر کا نور ہو جائے گا۔“

”میت میں انسان ہو۔“ میخو ادھر کل جا کر مل

”لیا۔“

”دن بھر مائے؟“

”ہاں کیوں دل ہے تو گھر کو دکھاؤ۔ چوری چھپے کچھ بھی کرنا مناسب نہیں ہوتا۔“

”اور تم جو چوری چھپے دوستانہ رہنا ہو؟“

”دیکھ دوستانہ نہیں۔ دو سنی ہیں ایک۔ وہ

”بت اچھا انسان ہے ہر اس۔“

”وہ تمہارے پرانے زمانے کی چینی جلدوں والی

پرانی کتابیں بیچ دیتا ہے اچھا تو وہ کتاب اس کے علاوہ

میں آرمی کے فیسے سنا ہے نے پرانے معلوماتی

مضامین کھول کر بیچتا ہے۔ تم بس اس کی باتیں سے

متاثر ہو۔ اس کی چالاک اور شاطرانہ مزاحی سے ہے

”خبر۔“

”وہ مت حساس ہے نفسیات کھتا ہے۔“

”وہ تو ایک اور فن کی کل۔“ نفسیات دان ہے تب

ی تو ہمیں قابو میں کیا ہوا ہے۔“

”سوچ کچھ کرو لاگو ہر اس۔ ایک اچھی دوستی کر

آخر معاشرہ غلط لگاتے کیوں دیکھتے۔“

”معاشرہ کہیں۔ ابھی تو بات مجھ تک ہے

۔ معاشرے تک پہنچ تو سلیق کی شکل کرنا ہے کی۔“

”تو بے ہر اس۔ تم خدا دیتے ہو۔ چلو۔ خیالوں

میں اپنی مجبور سے شکوہ کرو اور میں کرو۔“

”تم اور جاری ہو اس سے باتیں کرنے۔“

”نہیں اس اس کی کمائی سننے۔ تمہیں پتا ہے

ہر اس۔ وہ میرے کہنے پر اپنی بیوی کو پھونک رہا ہے۔

”طلان ہے رہا ہے۔“

”تم کسی کے گھر پر اپنی کی خبر فخر سے سنارہی ہو مجھے

یہ سب وہ لوگ خود چاہتے تھے ہر اس کو عرش کی

چھوڑ دے مگر اس نے نجا کر دکھا ہوا تھا۔ ہم نے اس

سے کہا کہ عرش کو چھوڑ دو۔ اس میں بھلائی ہے۔ وہ

خلع کا ٹکڑا بھی بھجوا سکتی ہے۔“

”خیر ایک کیس اس نے بھی اس پر کر دکھا ہوا لگا

ہوا ہے۔ تم اب اس سے یہ مت کہہ کہ اپنی ماں کی

جانکارا ہے بھی باقیہ افکار۔“

”میں اس لیا کیوں کہوں گی ہر اس۔“

”دیکھو تو وہ سنی تک رہو۔ زیادہ اٹالو ہونے کی

ضرورت نہیں ہے کسی کے معاملے میں۔ پھر تمہاری

ماں اس شخص کو تخت پائند کرتی ہے یہ یاد رکھنا۔“

”ایسا کچھ نہیں ہے۔ بیسما تم مجھ رہو ہر اس میں

وہ بات نہ کرے تو خیریت تو پچھ لی ہوں۔ کر اسے تو

اچھا لگتا ہے۔ اس کی کیا اس جگہ کے کمال سے خزانہ آ

مایا ہے معلومات کا گنجے ہر روز ایک کمائی مل جاتی

ہے۔“

”لڑش کمائیاں لکھتا تمہارے لیے حرف تفریق

قلم۔“

”ہاں مگر جب تعریفی خطوط آتے تھے تو ہمیں بھی

خوشی ملتی تھی۔“ اللہ خدا۔“

”لکھتا تھا۔ مگر کمال کو زندگی جتنی اہمیت مت دو۔

اپنی زندگی پر تو بد۔ یہ موزوں نہیں آگے کیا کرتا ہے

۔ شاوی بھی کئی ہے۔ گھر بھی بنانا ہے ابھی لاٹس ایئر

ہے اور زیادہ سے زیادہ ایک سال چل رہا ہے پچا انتظار کریں

کے اور دن ہی اب لو کئی بھی لڑکا دیکھ لیتا ہے۔ اور

شہنائیاں بجائی ہیں۔“

”کوئی بھی لڑکا؟“ اس گھر نے آئیا۔ ”کوئی بھی

لڑکا ہر اس۔“

”ہاں بھی کئی لڑکا۔ اب تمہارا جو ذہنی معیار ہو وہ

تم خود سوچو اور سوچ کر بتاؤ۔“ بات اس نے جان

بو کر کھینچی تھی۔ وہ سوچ میں پڑ گئی۔

”آج بات مت کرو۔ ایک دن خود کے لیے بھی

رکھا کرو۔“

”تم کو کس میں یہ کہوں تو؟“

”میں تو دیکھ رہی ہوں۔ تم ہو کیا؟“

”تمہاری اور تمہاری میت کی ایسی کی نہیں۔ وہ

جھلا کر اٹھی اور باہر چلی گئی۔ وہ اس کی بات پر مسکرا بھی

نہ نہ کھلے اسے قلم عباس سے ملنا تھا۔

\*\*\*

”تم تو فونش کوں کرتے ہو؟“ وہ کرے تو دل سے

اسے گھور رہا تھا۔

”تمہیں اس نے تو قلمی نہیں بھیجا ہوگا۔“

”تم اسے فون کیوں کرتے ہو؟“ وہ دروازے پر

کھڑے ہو کر تخت کیسے میں پوچھ رہا تھا۔

”اسے مجھ سے کوئی شکایت نہیں ہے۔ ہم اچھے

دوست ہیں۔“

”کومت۔“ اس نے عباس کا گریبان پکڑ لیا تھا۔

”میرا گریبان پھونکو۔ تم میرے دروازے پہ

کھڑے ہو کر ایسی حرکت کر رہے ہو؟“

”چلانا چاہتے ہو تو چلاؤ۔ یہاں کوئی تمہاری پکار سن

کر نہیں آئے گا۔ عادی ہو چکے ہوں گے سب تمہارے

ڈراموں کے۔“

”کتنا عجیب جان ہے پوچھو اندر آ جاؤ۔“ اس

نے تقریباً کھینچے ہوئے گریبان کو ڈھونڈا اور اندر آ گیا۔

”میخو وہ پانی بند۔“ اس سے کہتے ہوئے اس

کے ساتھ تمہارا کیا مسئلہ ہے۔ کیا کیم کھیل رہے تم؟“

نے گلاس میں پانی نکال کر اس کی طرف بڑھایا۔

”میںاں میں پانی پیتے نہیں آیا۔“ ہر اس کا لہجہ سخت

تھا۔

”کی۔“ تیز دھوپ میں آئے ہو۔ ٹھنڈے ہو جاؤ

تو بات کرتے ہو۔“ اس نے گلاس ہر اس کے سامنے

رکھتے ہوئے محل سے کہا ہر اس نے وہ ٹھونٹ میں پانی کا

گلاس ختم کیا اور اسے دوبارہ ڈال دیا۔ اسے گھورنے لگا۔

وہ اپنی کر کے کر میز کی دوسری جانب میں ہر اس کے

سامنے آ بیٹھا۔

”اب ہو لو؟“

”ٹھونٹ کے پیچھے کیوں دیکھتے ہو؟“

”میری بات کا نام نہ تم۔“ اس نے ایک ٹھونڈی

سانس پھری اور بولنے لگا۔ ”میں نے اسے پہلی بار

عرش کے گھر پر دکھا۔ عرش کو تم جانتے ہو گے۔“

میری سابقہ بیوی۔ میرے ماموں کی بیٹی۔ اگوتی

فرنیٹور اور دو تین سو سے زیادہ مناسب افراط

نہیں ہیں میری اس کے لیے۔“

”میں تمہاری داستانیں سننے نہیں آیا ہوں۔ مجھے

میرے سوال کا جواب دو۔“

”میں نے کہا نہیں تھا۔ میری بات مت کاٹنا اور نہ

تمہیں میرے احساس کو سمجھنا آئے۔“

”مجھے تمہارے احساس سے کوئی دلچسپی نہیں

ہے۔“

”تمہیں مجھ سے بھی یقینہ نہیں ہوگی مگر اس کے

بادجو تمہیں کانپا رہا ہے۔ تو کم از کم میری بات تو پوری

ہوئے۔“

”ٹھیک ہے کہو۔“ پانی کا دو سرا گلاس اس نے خود

اپنے لیے بھر لیا تھا۔

”دیکھو۔ میں جب پیدا ہوا۔ میں بد نصیب تھا

پاپ مر گیا۔“

”میری بات سنو۔“ اس نے ہاتھ اٹھا کر روکا۔

”مجھے تمہاری کمائی نہیں سننی۔ وہ یقیناً۔“ میری معمولی

بھنی لڑن سن چکی ہوگی۔ تم مجھے صرف یہ بتاؤ کہ ٹھونٹ

کے ساتھ تمہارا کیا مسئلہ ہے۔ کیا کیم کھیل رہے تم؟“

پندہ مصنف بلکہ مصنفہ بات کر رہے۔ ”پھر میں نے اسے فون کیا۔ اس نے مجھے ڈانٹ دیا۔ مجھے لگا اسے اس بات پر کچھ بھی نہیں سمجھا ہے۔“

”اور تم نے اس سب سے خوب فائدہ اٹھایا۔“

”جیسو، میں تو خیال افرازا ایک آدمی ہوں۔ میرے احسانات دیکھو۔ میں اس بات پر کچھ نہیں کہتا کہ میرے کوئی لیس ہے۔“

”تو اس میں کیا برائی ہے؟“

”شاید تم مجھ سے تامل چاہ رہے ہو۔ پھر میں ہی تمہیں بات سمجھانے میں ناکام رہا ہوں۔ دیکھو ایک لڑکی ہے۔ تم اس کی زندگی میں آنے والے ایک اجنبی کیلے مڑو۔ تم نے اس کی خواہش کے پیچھے جیسا کیا سو کیا۔ یہ سن کر تم سوچا کہ تم اس بات کرنے کا عادی بننا ہے۔“

—

”ٹھیک ہے تم میری کہانی مت سنو۔ میں بس تمہیں وہاں سے جانا چاہوں کہ انوش جب اپنی مایوسی کو اپنے آپ کی اور اس سے مل سارے میں اور مجھ پر باتوں باتوں میں بکھار دے وہ انوش عجیب رحمان ہے جسے میں بہت شوق ہے بہت عاشق۔“

میں نے اس کو کہا کہ جب تم کہانی کہنا موصول جاؤ گی تو مجھے میں کوئی پھر دوبارہ میں نے اسے بک شاپ پر رکھا تھا۔ تب کتابوں کی کلیکشن کرنے میں میں نے اس کی مدد کی تھی۔ لیکن بعد اس کا فون آیا کہ اسے کہانی لکھنی ہے مگر وہ کچھ نہیں پڑھی اس دن اس کو خودی پر اس نے مجھے بہت سی بات کی اس کو پھر مجھے جانا کہ لکھنے کی ہے۔“

فون نہ کرنے کا کہنے، حتیٰ کہ اسے بھول جانے کا کہنے، اس نے کہتے ہوئے میز پر زور سے دونوں ہتھیلیاں دے کر لیں۔

بال بے ترتیب تھے اس کے شیوہ بھی ہوئی انھیں چمکی ہوئی سرخ اور شرت کے لہو کی دونوں طرف ہونے لگے تھے۔ اس کے کھر کا بھی اس جیسا ہی حال تھا۔

دونوں میں سے ہر کوئی دوسرے کے حق میں نرم ہونے کے لیے تیار نہ تھا۔ اس کا پوچھنا کہ وہ ایک دوسرے کے ساتھ بیٹھے تھے اور ایک دوسرے کو کاروبار سے روایت کر رہے تھے۔ اس سب کی وجہ بھی اسی ہی بات تھی۔

”قرآن نے اسے پہل تک پہنچایا ہے،“ وہ کلپا رہا تھا۔

کی نسبت سے چھائی سے کسی مازک ہم باؤں سے لو ہوا کر  
چھوڑ دینے کے ارادے سے ہرگز نہیں۔ ”برہم بھگے  
ہوئے نوازیش بیتھا تھا۔  
”تو تم کیا سناچے ہو۔ جانا۔ کیا وہ مجھ سے  
شنوئی کر گئی۔ کیا تم کو شک ہے اس کے بچا کا۔ ایک  
ناگام شادی شدہ آدمی کوئی بی بی نہیں ہے جو بے روزگار  
بھی ہوئے۔ جس کی بدل کی جائیداد نہ مل رہی ہو۔ جس  
کے پاس زندگی گزارنے کے لیے سرمایہ نہ ہو۔ جو  
دستوں کی دکانوں پر گئے کی کتابیں دے رہا ہے اور جن  
چرن کے کتبے شاپ کے مالوں کو دے رہا ہے۔ جس کا  
جوڑا کھانے سے بغیر ہو سکتا ہے۔ جس کتاب کے بغیر جس  
نہیں۔ جو دھکے کھا کر چار لوگوں کو خوش رہا کر اپنا  
خیر پرا کر کرنا ہو۔ بس روقت کی ادنیٰ گرائے کے

سوچا ہے بہرام! جب سوچا ہی نہیں ہے تو پھر تعلق کی کیا بات بنتی ہے۔“

”تمکب ہے! کیا ہے تمکب! میں نے نہیں سنا ہے۔ میں کوئی اور قافلہ رشتہ نے گرا ہوا ہوں! اسے بات کر رہا ہوں۔ تم اب انکار کر کے دو گئے۔“

”بہرام! جذباتی مت ہو۔ دیکھو شادی کوئی تکمیل نہیں ہے۔“

”تم مجھے یہ بتاؤ کہ کیا کیا جاتی ہو؟ کسی قسم کا بندہ چاہیے نہیں۔ صرف وہ خلیا بتاؤ جو تمہیں سب سے اول درجہ رکھتا ہو اور وہ وہاں بتاؤ جس کے ساتھ سمجھو اور کیا تمہارے بس کی بات نہ ہو۔ میں کو شش کروں گا! ایسا بندہ جو خود دل خوانوں پر انکار ہو اور اترتا ہو۔“

”تمہیں آخر میری شادی کی اپنی جلدی کیا ہے؟“

وہ جھکے ہوئے لیے میں بولی۔

”جلدی! کمال! ابھی سے تلاش کروں گا پھر شادی ہوتے ہوئے سال دو سال تو ہونی چاہئے ہیں۔“

وہ اسے بے کسی سے دیکھنے لگی۔

”ایک ٹولی کو ایک لڑکی کو تیزی سے اپنا گریوہ بنا رہا ہے۔ وہ صرف وقت گزاری اور دل چاہیے تک کیوں ممدود ہو اور کیا مضائقہ ہے کہ وہ رشتہ لائے اور ایک بار زانی کرے پھر نصیب کی بات رشتہ بننے میں کوئی قیادت نہیں ہوتی۔ اور تب تک مناسب سمجھو تو اپنا بیل فون مجھے دے دو۔“

وہ بس پرکاشی اس کی تنبیہ کی پر۔

”تم تو بالکل میرے لاپتہ ہو بہرام۔“

اس نے بڑی کی ساڈھ تھیلی کی دروازے سے فون نکالا اور اسے دے دیا۔

”یہ لپٹو! یہ واقعی میرے پاس رہے گا تو میں اسے ٹیکٹ بلڈ اسے آف کر دیتا۔“ اس نے مسکراتے ہوئے فون بند کیا اور اسی کی لپٹاری میں رکھ کر چلائی اپنی جیب میں ڈال لی۔

”میں خود نہیں چاہتا کہ تمہارا فون ایسے پاس رکھوں اور تمہارے ٹیکٹ چوری چوری پرھوں۔“

”تم میرے ٹیکٹ سب تک پڑھ لو۔ مجھے کوئی

اعراض نہیں ہے۔“

اور رات میں وہ چالیس اس کے سرانے رکھ گیا تھا۔ وہ صرف اسے یہ سمجھانا چاہتا تھا کہ کچھ دن تک اس سے رابطہ نہ کرے۔ اسے آپ کو روکے اور یہ کچھ دن اس کے کلچر کو کوئی ٹیکٹ نہیں کیا تھا۔ البتہ جا کر اس کے گھر گھرے تھے۔ پینے کی چیزیں دے آیا تھا۔ کہیں وہ نہ دیکھے کہ وہ اس سے کترا ہے وہ بھیڑوں کو بھانے کا مادی تھا۔ اور وہاں کا حاکم تھا اور اسی لیے اس نے انوش کو حالات پر کھنے کے لیے تیار کیا تھا۔

چاہا تھا کہ وہ اصل جان لے۔ اور یہ خود بھی۔

\*\*\*

اس دن اس نے کچھ ہسٹر پڑنے لگے۔ نماز کیا آیا! بادل میں کھٹی پکٹی جو کندھوں تک آتے تھے۔ میرے بال اس بار اس سے بس ٹھوڑے ہی کم ہوں گے۔ سوچتے ہوئے ہنس رہا۔ مونہ سا نیل کب سے خراب تھی اس نے سائیکل کے پیستے میں ہوا بھری اور پیسٹ کیا۔ سائیکل جب اس کے گھر کے سامنے رکی تو وہ سینے میں تر تھا۔ اس نے دروازے کی کھٹی کھالی۔ پہلا سامنا سرعام سے ہوا اسے اندر آنے کا کہہ کر اور لاڈ میں بٹھا کر خود باہر نکل گیا تھا۔

”مجھے تو کچھ پسینہ نہیں آیا۔ عجیب لاہور کا سارا کچھ ایسے لوگ ہیں۔ کبھی کبھی بنا پاتے۔“

لاڈ سے لگتے ہی بڑبڑا۔ ”وہ تو کئی لاکھ قاتل کے ڈیروا شہ کو رہا۔ وہ بڑے مطمئن انداز میں باہر نکلا تھا۔ انوش نے اسے دھکی دیا جاتے ہوئے نکلا۔

”کیا اسے ڈرا رہا نہیں ہے۔ اگر میرے گھر والوں نے انکار کر دیا۔ کیا اسے دکھ بھی نہیں ہوگا۔ جو بنا تو چاہیے۔“ آخر انکار تو ہی کیوں کہ وہ خود سے ہنس پڑتی تھی۔

اس کے جانے کے بعد بہرام کے سر میں آیا۔ وہ بھی مطمئن تھا۔

”تمہیں کیا لگا رہا ہے بہرام؟“

”کس کے بارے میں؟“

”پچانکار کا کریس گے۔“

”پچانی آسانی سے نہیں۔ پہلے وہ تم سے پوچھیں گے۔“

”اور میں کیا کہوں؟“

”جو تمہارا دل چاہے۔“ وہ کہہ دینا۔“

اور رات کو لیا سنی ہوا تھا۔ چچا نے لپٹا کر اپنے پاس بٹھایا۔ اور پوچھا اس کے سامنے کیا کہتی۔

”جو آپ کو بہتر لگے۔“

”کریس نے انکار کر دیا؟“ وہ چپ ہو گئی۔

”مجھے وہ لڑکا تمہارے قاتل نہیں لگا۔ بہرام! تم اگر خوش ہو تو۔“ وہ کچھ لگے کے لیے چپ ہو گئے۔

”میں آپ سے بات کر اور اپنے آپ سے۔“

”کریس! وہ دونوں ہے۔“

”مطلب۔ کہ تم واقعی خوش ہو۔“ وہ بے یقینی سے تھکے۔

”میں مطمئن ہوں۔“ وہ کہہ کر اٹھی تھی۔

”میں جاؤں پچا بابا۔“

”چچا! سنو! وہ بچہ“ وہ جاتے ہوئے رکی۔

”فوریہ آؤ۔“ وہ اپنے آپ بچا اٹھے اسے اپنے شانے سے لگایا۔ اس کا سر تھپتھپاتا۔

”کریا ہے تو اندر کرے تمہارا اطمینان قائم رہے۔“

اس کی آنکھوں میں ہلکی سی آنکھیں۔ اس نے وہ کچھ کہہ نہیں سکی۔

”چچو! سوچا۔ اور پریشان مت ہونا۔“ وہ دینی بچا تھے اس کے جو بہرام کی پسندیدگی پر روئے رہے تھے۔ خائف تھا۔ اسے بات نہیں کرتے تھے۔ کمرے سے نکل رہا تھا۔ اس نے سوچا تھا اب کی بار پچا کا حوالہ ہے۔ وہ تو زمین آسمان ہاویں گے۔ اپنی آسانی سے کیسے لگتے۔

بہرام نے اسے اس کا فون دے دیا۔ مگر اندر سے وہ بہت ناخوش تھا۔ پچا کے لیے وہ کڑی بات تھی۔ وادی نے بہت زبردستی اسے بات کی تھی۔ اب اسے بات دے پہلے تاکواری سے سنا۔ پھر کہہ دیا۔ تمہاری مرضی زندگی

تمہیں گزرائی ہے؟“

”جی ہاں! اس کی ماں نے اسے جانے کے گھر بلا کر خوب آؤ بھٹائی۔“

”تمہیں بتا ہے وہ عرش کا سابقہ شوہر ہے۔“

”تو اس سے کیا فریق پڑا ہے۔“

”پچا بچا ہے۔ وہ ایک لڑکی کو چھوڑ چکا ہے۔“

”اس سے پھرتو کیا کیا ہے۔ وہ بچوڑا نہیں چاہتا تھا۔“

”اس لیے جانا کہ وہ اس قافلہ نہیں ہے۔ وہ ایک گھر نہیں چلا سکتا۔ اس نے عرش کی زندگی نہیں بنائی تھی۔ تم نے دیکھا تو تھا اسے دن گھر پر آکر کیسے چٹن تھا۔“

”آپ نے دیکھا ہے نا۔“

”آپ نے زانی کیا اس کے ساتھ نہیں ہوئی۔ اس کی ماں کو کبھی اس کا حق نہیں ملا۔ سادہ سا جائیداد بھالی گے کیا شوہر مریگا۔ انکار آیا تھا اس مقام تک پہنچ سکا۔ ہاں مرنے۔ اب کیا شادی کے بعد بھی وہ اپنے حق کے لیے نہیں لڑتا۔ وہ عرش کا حصہ نہیں لپٹا۔ جس کا ہر ایک ہوا تھا جو آپ کے شوہر نے دیا تھا تھا۔“

”انہوں نے سمجھ کر ایک شخص پر سید کر دیا۔ یہ بوش جو اس میں آئے کے بعد لگنے والا پہلا شخص تھا۔“

”پچا! یہاں پہلی کی تمہاری۔“

”مطلب کہ تم اس سے مسلسل رابطہ میں رہی ہو۔“ وہ دست دے دینے لگیں۔

”اور اس کا کچھ اپنی جگہ تھا۔ اس کے بعد ان دونوں کے درمیان کوئی بات نہیں ہوئی۔ خالہ نے اسے زبردستی روکا کچھ دے کر لے۔ وہ کچھ کھا۔ پیے بغیر ہی گھر لوٹ گئی۔

”لگنے میں اس کی خالہ نے اسے فون کر کے بتایا کہ عزیز صاحب نے ضرور کو کچھ دی ہے کہ اگر وہ بھی کی شادی تمہارے سے کریں گی تو وہاں نہیں چھوڑیں گے۔ وہ سن کر کھانا روٹی کھائی۔

”ایا لبتہ! نکاح کا رشتہ اتنا کیا ہو اسے؟“

”وہ ایسا کیسے چاہ سکتی تھی کہ اس کی ماں کا بیٹا گھر بھار دیا۔“

جائے۔

اس نے پچاسے جا کر کہہ دیا کہ انکار کروں۔  
انہوں نے چند لمحے اسے حیرانی سے دیکھا۔ پھر اس کا  
ہاتھ تمام کرست پیار سے کہا۔

”مجھے پتا تھا تم بہت سمجھ دار ہو۔ عقل کا فیصلہ  
کر دی۔ میری بیٹی کے لیے ان شاء اللہ بہت اچھا رشتہ  
آئے گا۔ جو اس کے قابل ہو گا۔“ وہ ہنس مسکرائی۔  
دل تو خالی تھا۔

اس نے فون آن کیا۔ سارا دن گزر گیا۔ عباس کا  
کوئی میسج نہ تھا۔ کوئی گل نہ تھی۔ اس نے رات کو  
خود گل کی۔

”ہیلو۔ عباس۔“

”ہو۔ کیسی ہو؟“

”تم کیسے ہو؟“

”وہ سنا ہی جیسا تھا اور وہیں چلی پر تھا۔“

”چچا کی کل ان کی تھی تمہیں؟“

”ہاں ان کی تھی۔“

”انہوں نے انکار کر دیا؟“

”تم نے انکار کر دیا انوشہ؟“

”انہوں نے یہ کہا تم سے؟“

”نہیں، کہنے کی ضرورت نہیں پڑی۔ ان کا اعتمادنا

رہا تھا کہ انکار انہوں نے چاہا اور تم نے کر دیا۔“

”تمہیں دکھ ہے عباس؟“ وہ سننا چاہتی تھی۔ وہ

چاہتی تھی وہ اس سے لڑے، جھگڑے، اوجہ دریاقت

کرے۔

”کیا تم مجھ سے وجہ نہیں پوچھو گے؟“

”میں تم سے وساحت مانگنے کی ضرورت نہیں

سمجھتا۔“

”کیا تم مجھے یاد نہیں کرو گے عباس۔“ کہنا چاہتی

تھی۔ ”کیا تم مجھ سے محبت نہیں کرتے تھے؟“ مگر کہہ

نہ سکی۔

”کیا تم خوش رہو گے۔“

”میں ایک عرصے سے خوشی کے بغیر زندگی گزار رہا

ہوں اور عادی ہوں۔“

”تم میری دوستی کے عادی نہیں ہوئے تھے؟“

”مگر یہ باتیں کر کے کس کو تکلیف دینا چاہتی ہو

انوشہ۔ مجھے یاد رکھو۔“

”دلوں کو۔“

وہ ہنس پڑا اس بات پر۔ ”اچھا وجہ بتاؤ تم نے انکار

کیوں کیا۔“

”پریشانی میں آکر آکر آتا ہے ہوئے بھی کہہ نہ سکی

پریشانی میں آکر۔ کہہ پھر نہیں پڑا۔“

”وہ براہم ہے نا۔ تمہارا کزن۔ بہت وفا ہے اس

کے اندر۔ تم اس سے شادی کر سکتی ہو۔“

”مگر نے یہ کیسے کہا عباس۔ وہ میرا کزن ہے دوست

ہے بھائیوں جیسا ہے ضروری نہیں کہ زندگی میں جو

آپ کو عزیز ہو آپ اس سے شادی بھی کرنا چاہیں۔“

”تم نے ٹھیک کہا انوشہ۔ اور تمہارا اور میرا رشتہ

شاید ایسا ہی ہے۔“

”بہت اچھا دوست ہیں عباس۔“

”ہاں۔ بہت اچھے دوست اور درسا تھی۔“

”گلیا ہم اسی طرح بات چیت کرتے رہیں گے

عباس۔“

”تمہیں انوشہ۔“

”مگر کیوں؟“

”تمہارے کزن نے مجھ سے وعدہ لیا تھا کہ رشتہ نہ

ہو اتو میں تمہیں چھوڑ دوں گا۔ میرا مطلب ہے ہم

بات نہیں کریں گے۔“

وہ چونک گئی۔ ”تو تم مجھے چھوڑ رہے ہو؟ تم مجھے

چھوڑ سکتے ہو؟“

”تمہارا کزن بہت دور اندیش ہے اگر تمہیں

زناہ تکلیف نہ ہو انوشہ۔ تو سمجھ لینا براہم نے

تمہیں زیادہ آگے جانے سے بچالیا ہے۔ اور اگر

تکلیف ہو تو سمجھتا میں نے تمہیں تکلیف دی تھی۔“

”میں ایسا نہیں سمجھ سکتی عباس۔“

”تم صرف ایسا سمجھنا نہیں چاہتیں انوشہ۔ ورنہ

حقیقت یہ ہی ہے میں فون نہ کرتا ہوں۔“

”تم اپنا نمبر نہ میں کرو گے؟“

”اس ضد کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ بہر حال ٹھیک ہے۔ جب تک یہاں ہوں بات کر لیں گے۔“

”میں فزنا کیوں کیڑا کھڑکے گا۔“

”تو فزنا کیوں تو اٹھائے گا۔“

”بات کرو گے۔“

”بات کرناں گا۔“

”فوزی رو ہو گے۔ فزنا کھٹ سے بند ہو اٹھا۔ تو تم خوش نہیں رہو گے۔ پائیس زندگی میں کیا لیا ہوتا ہے جو خوشی کو قربان آئے نہیں رہتا اور یہ ہر احساس سے عاری ہو جاتا ہے۔ اس نے فزنا رکھا۔ آج بہرام نہیں آیا تھا۔ وہ خود اس کے کمرے میں چل گئی۔

”باہر چل کر بیٹھو۔“ وہ خاموشی سے اس کے ساتھ باہر نکل آیا۔ اور بیڑیوں پر بیٹھ گیا اسی جگہ۔

”بولو۔“ کہنے لگا۔

”کئی بولوں۔“ پوچھنے لگی۔

”جو مجھے محسوس کر رہی ہو۔“

”دیکھو مجھی محسوس نہیں ہو رہا بہرام۔ ایسا لگتا ہے جیسے آدھے رستے سے لوٹ آئی ہوں۔“

”مگر مزید آگے جاتیں۔“

”تو شاید آج تو فزنا پر پڑا ہو۔“

”میں نے سب فکلا کیا تو تمہارے ساتھ۔“

”تم نے مجھے آواز دے کر ٹھیک کیا بہرام۔“

”مگر تم آج بہت اداس ہو اؤ۔“

”میں تو ایک عرصے سے اداس رہی ہوں۔ جب بابا گئے تب سے۔ جب بابا نے دوسری شادی کر لی تب سے۔ جب ابا کو کچھ روزا دیا تب سے۔ جب ابا میری زندگی سے نکل گئے تب سے۔ اور جب اس سے نئی نیا دوستی ہوئی تھی تب۔“

”تب وہی طور پر۔“ عمر میرا اس کے ساتھ بھی جڑا نہیں ہوا۔ ابھی کوئی عمارت نہیں۔ نہ کوئی احرام۔ جیسے محبت نہیں تھی۔ ہاں سب تھا۔ احساس ہو رہی، فکر، اپنائیت۔ محبت ان سب میں سما رہی ہوئی ہے۔ بہرام؟

”کبھی ان سب کے اندر۔ کبھی ان سب سے باہر۔“

”مگر یہ خصوصیات بھی محبت کی ہیں۔“

”نکاحیبت کا پسلا اصول حصول ہے۔“

”محبت کا اصول اٹھنا ہے۔ سچائی ہے۔ اور جانے کیا۔ ان میں سے پہلا کون سا ہے نہیں جانتا۔“

”مہم یہ کیوں چاہتے ہیں کہ کوئی خواہ مخواہ ہم سے محبت کرے؟ ہم اس سے کرس۔ اور پھر ایک ساتھ زندگی گزارے۔ زندگی ایسے بھی تو گزر جاتی ہے۔ ہم زندگی کو بلا وجہ خوب صورت کیوں بنانا چاہتے ہیں۔ بہرام بتاؤ گا۔“

”پتا نہیں انو۔“

”تو اس کی سزا بھی تو بھینچتے ہیں۔“

”بہرام! وہی محبت نہیں تھی انو۔“

”میں ڈر رہی ہوں بہرام۔“

”میں خود کو قصور وار محسوس کر رہا ہوں انو۔“

”میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ مجھے دکھ ہوا ہے یا میرے حق میں سزا ہو رہی ہے۔ وہ مجھ سے لڑا بھی نہیں بہرام۔ اس نے زیادہ کچھ بھی نہ تھا۔ مطلب کہ ہم غلط تھے۔ میرے انداز سے غلط تھے۔ میں اس کی زندگی میں اتنی باتیں نہیں رکھتی تھی۔“

”جو سکتا ہے کسی اور کی زندگی میں تمہاری بہت اہمیت ہو؟“

”میں اس کی مجھے کوئی چاؤ بھی نہیں ہے۔“

”نیکار سوچاؤ انو۔“

”ٹھیک ہے۔ میں سوچاتی ہوں۔ وہ جا کر کمرے میں لیٹ گئی۔“

”میں سوچ رہی ہوں اس کے باپ کا فزنا آیا۔ تم نے اچھا کیا۔ مجھے تم پر غرور ہے۔ شاید وہ رشتہ با مناسب تھا۔ ہم تمہارے لیے کوئی اچھا رشتہ نہیں تھے۔“

”آپ کہیں ہے؟ آپ کی ٹیلی فون کیس ہے۔“ وہ چپ رہ گئی۔

”ٹھیک ہوں۔“

”آپ کے پیچھے ہیں۔“

”وہ تمہارے بہن بھائی ہیں شاید۔“

”میں اکیلے کو لاد ہوں اپنی ماں کی۔ میرا کوئی بہن بھائی نہیں ہے۔“

”تم مجھ سے ملو گی۔“

”میں کیوں ان سے ملوں گی۔“

”ہم سب اس ہفتے پاکستان آ رہے ہیں۔ وہ سب لائسنس لے کر ملنا چاہتے ہیں۔ سب سے تم۔ میں تمہاری باتیں کر رہا تھا تو ان کے ساتھ۔“

”تم کیا کریں۔ ضرورت نہیں اس کی۔“

”مجھے تم کب معاف کر دی گئی انو۔“

”آپ سب کچھ کر لیتے۔ بس میری ماں کو نہ چھوڑتے۔“

”وہ خوش نہیں تھی میرے ساتھ۔“

”آپ نے کسی کو کشش ہی نہیں کی۔ انہیں خوش رکھنے کی۔“

”بھاری شکایت۔“ انو۔ ”مجھے سے کوئی بچہ آیا تھا جس نے انہیں پایا کہہ کر لیا تھا۔“ ”تم اپنے بھائی سے بات کر دی انو۔“

”مجھے دیر ہو رہی ہے بابا۔ اللہ حافظ۔“ اس نے کہہ کر فون رکھ دیا۔

اس نے اپنی ماں کو فون کر کے بتایا کہ اس نے انکار کر دیا ہے۔ وہ خوش ہو گئی۔ وہ سر قدام کر بیٹھ گئی۔ بہرام ”بابا کیا کر رہی ہو۔“

”بہرام۔“ اس کا جواب دے رہی تھا۔ ”میں اس سے محبت نہیں کرتی تھی۔ محبت کبھی میں اس کا اداس کیوں ہوں بہرام۔“ ”تو نہیں کیا کرنا؟“

”آؤ کہانی لکھتے ہیں انو۔“ اس کی آنکھیں بے وجہ اٹی نہ تھیں۔

”مجھے راجہ رائے کی کہانی نہیں لکھنی بہرام۔ مجھے روتا ہے۔ بہرام۔“ ”نہیں کسی وجہ کے آگے نہیں جو کہیں۔“ ”نہیں بھاری اس نے اس کے کندھے پر سر رکھ لیا۔“

”بہرام! یہ اداس میری جان لے لے گی۔“

”انو۔“ وہ کچھ کہہ نہیں پایا۔

”مجھے اب بھی کہانی لکھنے کا تمل۔“ یہ کہتے ہوئے رو دی۔

”مجھے نہیں پتا کہ قیامت کیا ہوتی ہے۔ مجھ پر کچھ الگ نہیں بیٹھا۔ میں جو کہ احساس غم کی کاپیوں سے ہی شکار تھا۔ میرے حالات تم سے کچھ تو نہیں ہیں۔ ہاں کچھ فرق ہے کہ پتا نہیں کب سے میرے اندر یہ خواہش ابھری کہ اکلوا ہونے کے ناطے بعض بچوں کی طرح میں غیر معمولی اہمیت پاؤں۔ بابا کے بعد ابا نے میرا جانے کیوں ضرورت سے زیادہ لاؤ نہ اٹھایا۔ بلکہ میرے کافون میں بیٹھ زندگی کی تھیں اٹھنے لگیں رہیں۔ میں سوچتا تھا میں بڑا ہو جاؤں گا تو کچھ اپنی موت آپ مر جائیں گے۔ مگر بڑا ہو تو وہی ہاوس نے سب کیوں رکھا۔ نوکری کیوں دلا دی۔ میں نہیں جانتا تھا۔ جب انہوں نے کہا میری بیٹی سے شادی کر لو اور میں سے ذہنی طور پر تسلیم کر لیا کہ مجھے عرش کے ساتھ اپنی بیٹی زندگی کی شریعت کرنی ہے اور میں نے یہ کیا کبھی۔ کئی رات سے توجہ کے مطابق وہ آکڑی آنکھیں لگی۔ اس کے پاس میرے لیے سب کچھ تھا۔ سوائے محبت اور عزت کے۔ میرے دل کی یہ خواہش کہ کوئی مجھے چاہے۔ مزید وہ بھی۔ اسے میری کتابوں کے لیے کہ نظریات سوچیں۔ معمولات سب سے بڑھتی۔ ہماری ذرا نہیں بنتی تھی۔ ہمارے چھوٹے بڑے بھائیوں کی شکایت ہاوس تک پہنچتی تھی اور اس کا سارا بھگناں مجھے بھگتا پڑا تھا۔ میں بچہ نہیں تھا کہ ڈانٹ کھا کر پتہ دوجاتا۔

میں نے سوچ لیا کہ جو برا ہے اس کے ساتھ برا کرنا ہے۔ جو اچھا تھا جائیداد صرف اس کو ملی اس کا سارا فائدہ اس کے علاوہ زمین تھی جس کا کھد انہوں نے ابا کو نہیں دیا تھا۔ میرے دل میں ہاوس کے لیے غصہ بھر گیا۔ یہ چھوٹا سا دکانوں کا کھر جو ٹانے سے بنایا تھا



کے لیے دالو کو گھر والو دینا کر بھاریا۔ اس دن کروں گے  
کھر سے وہ اپنی اکھڑی پٹی کو زندگی کی سولیات دے  
رہے تھے۔  
مجھے ہاں پر غصہ تھا۔ عرش کی بد تیریاں بروحق  
جاری تھیں۔ میں دل بد ہلا دیا جھوٹا جانا تھا۔  
ہاں نے بی کا باغ آ آ کر پڑ پڑھتا ہوا تھا۔ دھجے  
جوئی کی ٹوک پر رکھنا چاہتی تھی۔ پلاٹر میرے ہاں  
”مجھ“ اور عرش پر ہمارے رشتے کی حقیقت کھل  
گئی۔ وہ کھر چھوٹی گئی۔ میں ہاں سے اسی کے نصے کی  
زینٹ مانگے لگا۔ انہوں نے مجھے تو کرسی سے نکلا دیا۔  
میں نے بھی پر طرح سے بد تیری کر کے پٹی چلا کر سہ  
ان کا سون چلا کر رکھا۔

صرف اور صرف اس لیے کہ میں بے وفا تھا۔ اور یہ  
شاید میری سرشت میں شامل تھا۔ میں بے وفایا ہوا  
تھا یا پھر میں بے وفایا بن گیا یا پھر مجھ میں بھلائے جتنی  
ہمت نہ رہی یا پھر قدرت۔ شاید میں تم سے فرار حاصل  
کر کے زندگی کو حل کیا جاتا ہوا یا پھر مزید جھیلنا۔  
ایک کمال میں لکھنا کہ برا بیرو جو چ رہا ہے سے  
بھاگ جانا ہے۔ چھوڑ دیا جاتا ہے۔ بیشکی طرح کمانے کا  
برا انجام کرنا اور اپنے کار میں کو بتانا کہ یہی حقیقت  
ہوتی ہے۔  
صرف تامل اور جن سے سکا )  
اس نے پوری ایل میں ایک سانس میں پڑھ دلا  
تھی۔

ہمراہ بے بد ہلا کروں آیا تھا کہ میں کماتوں کے  
انجام بدل دلا۔ اور میں نے انہیں وہ کمانی بھجوائی  
تھی۔ مجھے دشواری ہو رہی تھی کمانی لکھنے میں اور  
میں نے اسے فون کر کے کمانی لکھوائے کہ کما تھا اور  
اس نے مجھے سکھایا تھا کہ کتابت میں اس کی کمانی کا انجام  
میں سے ڈار کر دیا تھا۔  
اور وہی کمانی بد رہہ نہ مجھے دلہن کی تھی یہ کہ کر  
کہ اس کا انجام بدل دلا۔ اور وہیں تپا سے نہ یاد ہے  
میں نے فلم دیکھا تھا۔ ”وہ سے نفور میں رہا تھا۔  
”میں نے اپنی فلم جو ڈایا ہے ہرماں میں اب اس  
کمانا کا انجام بد لگا دیا جاتی ہوں۔ کیا میں ایسا کروں؟“  
”ہاں۔ تم ایسا ضرور کرو۔“  
”میں اس کے بلور دھکی کر حقیقت تلخ ہوتی ہے؟“  
”ہاں اس کے بلور دھکی کر حقیقت تلخ ہوتی  
ہے۔“

”میں اس کے بلور دھکی کر کمانی بھجوتی ہوں؟“  
”کیا اس کے بلور دھکی کر کمانی بھجوتی ہے؟“  
”وہ اس کے سامنے  
آئیں۔“  
”میں اس کے بلور دھکی کر کمانی بھجوتی ہوں؟“  
”کیا اس کے بلور دھکی کر کمانی بھجوتی ہے؟“  
”وہ اس کے سامنے  
آئیں۔“  
”میں اس کے بلور دھکی کر کمانی بھجوتی ہوں؟“  
”کیا اس کے بلور دھکی کر کمانی بھجوتی ہے؟“  
”وہ اس کے سامنے  
آئیں۔“

”سو جانتے ہوئے بھی کہ ایسا کر کے میں اپنی  
قادر میں کو جو کلا دلوں گے۔“  
”ہاں انوشہ! یہ جانتے ہوئے بھی کہ ہر کوئی یہ دھوکا  
کھائی یا چاہتا ہے۔“  
”صرف اس لیے کہ میری کماتیاں کو اتار کے ساتھ  
چھٹی رہیں؟“  
”میں انفس۔ صرف اس لیے کہ جنہیں قرار  
آجائے۔“  
”تھیک ہے۔ میں کمانی بدل دیں گی۔“  
”میں اب خود کر کے اس کی کمانوں میں کئی کئی کماتیاں  
برام کو بتا تھا کہ اس کی کمانوں میں کئی کئی کماتیاں  
ہے۔ متعلق پوری طرح چاہا ہے۔“

اس نے ہرماں کو ہاں دیکھا۔ وہ اسے کچھ نہیں  
بتا رہا تھا۔ اسے اس کی پٹی کے کس لاپرواہی سے بتایا کہ  
اب اتارے گا ہرماں کے عشق کا بھوتہ۔ کیونکہ کل فٹوم  
کی تھکی ہو رہی ہے تو حالات بہت تھکے۔ ہرماں کہا۔  
اسے کل فٹوم سے برا بھلا۔ اسے تو وہ کمانی لکھ گئی تھی کہ  
ہرماں اور فٹوم مل جاتے ہیں۔ مگر حقیقت کیوں بری  
ہوتی ہے۔  
”ہرماں اسے کوئی بات نہیں کرو گی۔ نہ فون کرو گی۔  
نہ ملے جاو گی۔“ ہرماں نے اس سے وعدہ لینا چاہا۔ وہ  
کچھ نہیں کہہ سکی۔ کمانا لکھنے لکھنے میں ڈال۔  
”میں اسے پوسٹ کرنے جا رہی ہوں ہرماں۔“  
اس نے لکھ دیا اور لکھ آئی۔ کل فٹوم کے مندری لکھ  
دئی تھی۔ وہ اس کے پاس پہنچی۔ اس کے کمرے میں بھنگل  
اس کی ماں سے نظر پڑا کہ فٹوم کی دست کی مدد سے  
آئی تھی۔

”تم میں آئی ہو انوشہ۔“  
”تم سے بھاگتی ہیں کرنے آئی ہوں۔“  
”اب کوئی نامہ نہیں ہے۔“ فرود وہ بھی تھکی  
”ایسا آسائیں اور خواتین انہیں کے مل کی  
دشمن ہوتی ہیں۔ دھوکو ضرور دیا تو وہ بھی پوری

کر سکے تھا تھری۔“  
”انوشہ! کلب اس کے متعلق کچھ بھی نہیں۔“  
”کل فٹوم! اس دنیا میں وفا سے زیادہ اہم کچھ نہیں  
ہوتا۔ ایک وفا ہے جس کا احساس ہمیں سمجھو۔“  
قریبی ایک واقعہ کرنا ہے۔ اگر محبت سے وفا لکھا جائے تو  
کچھ نہیں بچتا۔ مجھے اس کے کما تھا۔ رفاقت ہی اصل  
محبت ہے۔ مگر میں کہتی ہوں کہ رفاقت میں اگر وفات ہو  
تو وہ نہیں چلی جاتی۔ کل فٹوم تم نے تو صرف محبت کی  
تھی۔ وفا تو ہرماں کر رہا تھا۔ تم سے تم نے کیوں ایسا کیا  
کل فٹوم اس کا رفاقت۔“  
”کب سے کر رہی ہوں انوشہ۔ کب سے مگر  
حالات بد ہو گئے۔ اب تھک گئی ہوں۔“  
”ہو سکتا ہے کل فٹوم کے تمہارے حصے کا رفق اس  
کے پاس تمہارے بعد ہی آئے۔ ہو سکتا ہے وہ  
آسائیں۔ وہ سوتیں تمہارے ہاں اور اگر ہوں  
کی تو وہ تمہیں کہیں بھی لیں گی۔ اس کے لیے ہرماں کو  
چھوڑنا ضروری کیا تھا؟“

”میں نے ہرماں کو نہیں اپنے آپ کو چھوڑا ہے  
انوشہ! اپنے دل کو چھوڑا ہے۔“ بکھرے رنگ کے دہانے  
میں۔ دروچو، سرخ آنکھیں پشیم پر ٹکے۔ ہل۔  
اپنے محل سے محل۔ ایک آپ سے عاری چہرہ  
پاؤں میں چاندنی کی بے نسبت چال میں ادا۔ اور بھرہ  
بے محل۔ تیر تھی۔ ہرماں کی کل فٹوم جواب کسی اور کی  
ہوئے تھیں۔

”تم ایسا ہیے کر سکتی ہو کل فٹوم دنیا کے پیچھے دل کو  
تلاش کر دے۔ ان سے چھوڑ دوں گا۔ کونسا نہیں جس اس  
کی تقدیر میں کہ کل فٹوم ایک نیا سے نکلنے لگا  
ہے۔ تم تو اسے مت توڑو۔ وہ خود سے تھک جائے  
گا۔ زندگی سے تھک جائے گا۔ اس کا مت سے نہیں  
اٹھ جائے گا۔ اور ہرماں دل آسائیں سے لکھ  
ہو جائے گا۔ اتنا بد خواہوں مگر ملے گا۔ کیسے خوشی مل  
پائے گی۔ ایسا کہ کل فٹوم! اگر وہ کہت ہو تو اور  
بات بھی۔ اگر وہ پیچھے ہٹ جاتا تو تم بھی ہٹ جاتیں۔  
اگر وہ وفات ہو تو تو میں یہی نہ کہتی۔ آئی۔ اس ایک

جیلے کے بعد وہ کرے سے نکل آئے۔

کلثوم کی ہاں ہاں سے دیکھ کر کہاں پر رکھنا تھا۔ انوشا بھرے سے کمرے سے چلی گئی۔ کہاں پوسٹ کر دی۔ اور جب وہ گھر واپس آئی تو ہسرام کمرے میں بیٹھ تھا۔ مگر اس کا ریکارڈ رینج پر تھا۔ وہ دروازے میں رک ٹی۔ ہسرام بالونی میں کھڑا تھا۔ اس نے رینگ پڑا سر جھکا ہوا تھا۔

\*\*\*

صبح، جس گھڑی پہاڑ کی پتھری کھڑی اس کا تائید تیز کر کے ایک عورت ادھیں دیکھ کر ہر کہیں شاخ کی اوٹ سے پھانسی لگا کر پھول پھولدا تھا۔

پتھر تو ہے جو بھی کچھ ہے محبت کا پھیلاؤ ہے تیرے میرے اب کا گناہ ہے یہ

استغنا ہے یہ چار کا گھلاؤ ہے روپ کا راتو ہے جو بھی کچھ ہے محبت کا پھیلاؤ ہے

کچھ بھی آسانی سے نہیں ہوا تھا۔ بہت بڑا تھا انوشا وہ تھا۔ وہ سب گھرواؤں کو زیر و برتر بنا کر لے گئی۔ کلثوم کے گھرواؤں نے بہت احتجاج کیا مگر کلثوم نے کہاں کہہ کر ہواؤں کا سر جھیر دیا۔ وہ جو احساس اپنے ہی تھا انوشا کے اندر اسے پختہ انوشہ کے کیا تھا۔ اور جتنا تھا وہ معنی دالے ان ہسرام کے ہاتھ والی ناک پر دھڑکا کر رہی تھی۔ انوشہ کو پیسے جہاں مل گیا تھا۔ ہسرام کے چرے کی

لوتی مسکرا کر اور کلثوم کا اطمینان مگھرواؤں کا سکون دینا تھا۔ جب رہا ان سے دور سے دیکھتے رہے۔ دلچسپی کی شام سے دیکھا وہ سوچ رہے تھے۔ کاش اس جگہ وہ خود رہتی۔ وہ جتنا تھا۔ پریشان ہو گئے تھے اس کے لیے۔ سب اپنی اپنی جگہ خوش تھے۔ انوشا نے اس شرمیلے اخیر سابقہ یوی کو بھی دیکھا۔ وہ کہیں نہیں کرنا چاہ رہے تھے۔ یہ وہی ہے۔ خوش انسان وہ بنی ہوئی ہے۔

انوشا نے سوچا پلٹو اچھا ہے وہ اپنی زندگی بچاؤ۔ میں بھی تو مطمئن ہوں اپنی زندگی میں ہسرام کی بھی شادی ہوئی۔ ان سب میں سب کے درمیان مسکرا کر اعتدال کے ساتھ رہنے والی ان کی اپنی جگہ انوشہ کی کہیں لکھ کر بیٹھ والی۔ سب کی بیٹھ والی۔ اب تو اس کی پرصانی ختم ہو گئی تھی۔

\*\*\*

”دیکھو یہ فون نہیں ہے جو میری منتظر ہے دوران تم بند کرو اور یہ بھی نہیں کہ تمہیں اس وقت کوئی کام ہو گا۔ اس لیے بیٹھو اور مجھ سے بات کرو“ وہ ناچا پھیٹا تھی ان کے ساتھ۔

”تم نے یہ سب کرتے وقت یہ نہیں سوچا کہ ہسرام کے ساتھ تمہاری شادی زیادہ مناسب رہے گی۔ تم لوگ خوش رہتے رہتے۔“

”ہم ایک گھر میں رہتے ہوئے بھی خوش ہیں۔ اچھے دوست ہیں، یہ کافی ہے۔ میرے خیال سے یہ موضوع اب سے کار ہے۔ آپ کچھ لو بات کریں۔“

”گھٹی رشتہ دھیموں؟“

”میں بیانیسی لائل نہیں۔“

”میرا دل پیٹا جا رہا ہے۔ تمہیں انوشہ سے شادی کر لی؟ تم سب کے دور رہا۔ بظاہر محکم مگر اندر کا اطمینان نہیں مل رہا۔ اچھی تک۔ تم کیلئے کوئی آسانی کرو۔ اپنے لیے کچھ تلاش کرنا ہو۔ اگر تم اس لڑکے کے

ساتھ خوش تھیں تو میں پھر جا کر بات کروں۔

”میں پاپا اب نہیں۔“

”مگر تم کی اور کوئی تو قبول نہیں کیا رہی۔“

”کہ تم مزید پریشان رہو۔ دیکھو اب ہسرام اپنی

یوی کے ساتھ ہو گا۔ باقی سب اپنی اپنی لائف میں مصروف ہیں۔ تمہاری ہاں نے اپنا گھر پایا۔ میں نے شادی کر لی۔ مجھے لونا بھی ہے۔ میں تمہیں ایسے بے یارم چھوڑ دوں۔ مجھے اب زیادہ فکر رہے گی۔ تمہاری۔“

”میں ابھی شاید زندگی سے مزید کچھ سیکھنا چاہتی ہوں۔“

”اگنا جاؤ گی انوشہ۔ کسی کا ساتھ ہونا ضروری ہے۔ یا پھر ایسا کرو۔ میرے ساتھ چلو۔ ملک بدلے کا لطف۔ بدلے گا۔ تو مزید بھی بدل جائے گا۔“

”آپ ہسرام اور اس کی یوی کو لے جائیں۔ وہ انوشہ کے گھر میں آئے۔ بلکہ کوشش کریں کہ اگر ہسرام کو وہیں کوئی کام مل جائے تو اچھا ہے اور جتنے ہیں۔ کہ کلثوم کو کیا تو ساتھ لے جائے گا یا پھر چل دیں۔ ہاں لے گا۔ جو محبت کرتے ہیں، وہ چھوڑتے نہیں۔“

”یہ بہت اچھی بات ہے۔ تم سب کے لیے اچھا سوچتی ہو اور یہ بھی اچھی بات ہے کہ حالات نے تمہارے ذہن پر اتنا اثر کیا ہے۔ تمہیں مزید سوچنا پڑا ہے۔ مگر مجھے اب صرف اور صرف تمہاری فکر ہے۔ ہسرام کرے گا۔ اپنے لیے کچھ کی اپنی اہل اس کچھ دن انوشہ کے دے دیا جائے گی۔ کی تو ان ہوتے ہیں۔ میں نے بھی یہ دن بہت انتظار کیے تھے۔ شروع کے دو سال ہمارے بہت اچھے گزرے۔ دوسرے سال تم پیدا ہو گئیں۔ مجھے اتنا تھا کہ میں شاید اب ہوا ہوں۔ میں تمہیں اتنا نہیں سہلہ زندگی میں نہیں تھی۔ جب تمہیں اپنی یاد ہم دونوں اسکول داخل کرانے گئے۔ ماراؤں تمہاری بل رہی تھی۔ تم میں سال کی تھیں۔ انہیں ساتھ بہت روٹی۔ اور یہی ہوا تھا۔ ہم چھٹی سے پہلے بیچ گئے تھے۔ جیسے اپنے لئے تم نے

واقعی رو کر دو کر آہیں سر اٹھایا تھا۔ سب تل فون اٹھتے تھے۔ میرے پاس اپنا فون تھک نہ تھا کہ وہ بھیجے گی کے رونے کی اطلاع کرتے اس کے فوراً بعد میں نے کھر میں فون لکھوا دیا۔ سب لڑاؤں سے لڑا تھا ہم نے کہیں۔“ وہ دیکھ رہی تھی ان کی آنکھوں میں پانی تھا۔

”پھر کاڑھیں اٹھایا۔ بہت سارے موکمانے جاتے ہیں باہر بہت سوں کے گھر نہیں ٹوٹے۔ ہمارا کہیں تو؟“

”تم ٹھیک کہتی ہو۔ لڑو اپنی میری ہی تھی۔ میرا خیال تھا کہ کچھ نہیں بڑے گا۔ میں چڑھا ہوا جا رہا تھا۔ دراصل جو میرا سے غیر ملکی جاتے تھے۔ وہ وہاں جا کر زیادہ محنت کرتے ہیں۔ میں دہرا ہوا جا تھا۔ منیو کرتی تھی گفٹ تو۔ مجھے لگتا تھا وہ میری قدر نہیں کرتی۔ مگر شاید یہ بھی چھ تھا کہ میں نے اس کی بلندی کی۔ کیا۔ شاید واقعی مجھے اس سے اتنی محبت نہ تھی۔ جتنی وہ بڑو کر رہی تھی۔ جتنا تھا اس کا میرے اوڑھنا تھا۔ بس سب کچھ کرنا چلا گیا۔ مگر میں چاہتا ہوں انوشہ۔ تم خوش رہو۔ میں نہیں چاہتا میں تمہاری کہیں بھی شادی کرواؤں اور تم خوش حاصل نہ کرو۔“

”جیسے پہلی بار سوچا جائے۔ وہ زندگی میں کہیں رہ جاتے ہیں لائل آزاد اور چاہتی ہیں ہوں۔ ہاں۔“

”تم سوچو انوشہ۔ تمہیں کیا کرنا ہے۔“

”میں سوچتی ہوں۔ یہ زندگی کو کچھ نہیں لگا سکتی ہاں۔ میں اپنے لیے کچھ کر رہی ہوں۔ وہ دے رہا فوراً۔ آپ کے پاس میں یہی لالچ رہا ہوں۔“

”آجائوں۔“

”تم اپنا خیال رکھو کچھ کرو گی۔“

”وہیں بڑی۔“

”انوشہ تم مجھے بہت عزیز ہو۔“ انوشہ نے اسے ساتھ چڑھایا۔

اسے ہاں سے ملنے کے لیے بلایا تھا۔  
 "ہیرام کی شادی کے بارے میں کوئی بات نہیں  
 کریں گے گی۔" اسے پتا تھا وہ بھی اس پر افسوس  
 کریں گی۔  
 "تمہاری شادی پر توبہ کر سکتے ہو یا؟"  
 "بالکل کریں۔" وہ بے ہوشی سے مسکرائی۔  
 "وہ بھوکا ہوتا ہے تمہارے قتل میں شواہد۔"  
 "جی ہاں اس نے ٹوکا۔" وہ معاملہ کب کا ختم ہے۔  
 اس کے متعلق نہیں۔"  
 "تم شاید مجھ سے خفا تھیں۔ میں نے سوچا  
 تمہیں۔"  
 "اس کی ضرورت نہیں ہے۔ آپ کو مجھے  
 وضاحت دینے کی ضرورت نہیں ہے۔ لی۔ بے ہوشی سے  
 بس جو ہو سو ہو۔ آپ تائیں۔ آپ خوش ہیں یا؟  
 اسے کہیں نہیں۔"  
 عجیب بات تھی۔ جوان بچی ہاں سے پوچھ رہی تھی  
 کہ آپ خوش ہیں یا؟ اپنے کہیں۔ پھر کہ وہ آپ کا  
 خیال تو رکھتے ہیں یا؟ ویسے وہ خودی شرمندگی محسوس  
 کرنے لگیں۔ یہ جانتے ہوئے کہ میں نے علاج کرایا  
 ہے اپنا اب انچاس ملکی کی عمر میں میں مل جاتے ہوں  
 وہ۔"  
 "واقعی؟"  
 "بالکل۔" وہ بے ہوش نظر کرتا رہا تھا۔  
 "پتا نہیں تمہیں کبسا محسوس ہوگا۔ لوگوں کو یہ  
 جانتے ہوئے کہ۔"  
 "اس کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ میرے  
 لوگوں کے ساتھ بہت کم کام سامنے ہیں۔ آپ خوش ہیں  
 یا؟"  
 "تمہارے ہاں چلے گئے واپس؟"  
 "جی۔"  
 "خوش ہوں گے وہ۔"  
 "ریٹائرمنٹ میری عمر پر ہے۔"  
 "تمہیں انہوں نے ساتھ چلنے کو نہیں کہا تو؟"  
 "بہت کمائی۔"

"میں نے جانتا ہے تمہیں۔"  
 "وہ بھوکا ہے۔" اسی لمحہ وہ بے ہوش ہو گیا۔  
 ہوں۔ دارا بہت بیمار رہے گی ہیں۔ بچی اسے لہو کر  
 نہیں۔ نہیں پائیں۔ کلیم اور ہیرام جی مون سے  
 واپس آئیں تو میں سمجھ کر سے جاب کی طرف توجہ  
 دی۔ ویسے بلیک سروس کیفشن کا ٹیسٹ ہے وہ  
 ہتے بعد کچھ مانگے گا۔  
 "تمہید نہیں کھائی گی تو؟" ام ہوگی۔"  
 اس سے زیادہ اور کیا تو؟ ام ہوگی۔"  
 "ہوم ڈیکس میں گئے اس بات پر بھی سوچیں گے۔  
 آپ فکر نہ کریں۔ چلیں میں پھر چھوڑ دوں آپ کو۔"  
 "تمہیں کی گاڑی سے لے کر آئی ہو؟"  
 "میں چاکری ہے۔ ابھی پچھلے ہفتے نکلائی ہے۔ مجھ  
 سے کہہ رہے ہیں۔ تمہیں کئی گاڑیاں لڑنا۔ کبھی مار نہ آتا۔  
 ویسے یہ سب ان کا ذریعہ ہے۔ کورن میری ذرا نیوکا پلے  
 سے زیادہ بھی ہوئی ہے۔"  
 "تم بہت بامداد ہو تو یا پھر بے کی کو شش کرتی  
 ہو۔" مسکرائی۔  
 "یہ پتا تو تمہاری کمایاں کمال تک پہنچیں۔" وہ  
 گاڑی سے بیٹھتے ہوئے پوچھنے لگیں۔  
 "تمک روک کر آئی ہیں۔ میں نے بھی سوچا ریسٹ  
 کریں۔ تیز چل رہی ہو تو آٹھ گھنٹہ کی۔"  
 "آپ آگے کریم کھا کر آئی ہیں؟"  
 "تم کھانا تو کھا لیا۔" وہ اسے بہت پیار سے  
 دیکھ رہی تھیں۔  
 "پتا نہیں کس نیکی کا صلہ ہے۔ تمہاری اچھی بچی  
 چاہتی ہو۔ ہاں۔ اس سب میں اپنا ضرور سوچنا۔"  
 "میں آگے کریم کھانے چاہتی ہوں۔ اچھی تو  
 ہوں گی۔" کہتے ہوئے وہ بڑی بڑی۔ گاڑی آگے کریم  
 پارک کے سامنے روکی۔  
 "تمہاری ذرا نیوکا واقعی بہت زیادت ہو گئی  
 ہے۔"  
 "آج کل تو مجھے ہر کسی سے اپنی خوبیاں ہی خوبیاں  
 سننے کو مل رہی ہیں۔ کتنے مشکل ہوئے۔ اب اچھا چھانچا پھر

مسکراتے رہتا یا پھر مطمئن رہتا۔ یہ اس نے سوچا  
 تھا۔ اگلے کئی دنوں تک وہ انہیں مسلسل کلک کر رہی  
 باقاعدگی سے مسیح کرتی رہی۔ خیال نہ رکھتی رہی۔  
 دوبارہ نہ کی۔  
 ایک بار بھی اس کا سامنا عیاس سے نہیں ہوا۔ لی  
 نے بچوں باتوں میں تیار کیا کہ وہ گھر گھر چلا گیا ہے۔  
 کمال؟ کسی کو نہیں پتا کہ وہ عزت سے میں نے کئی بار کہا  
 ہے کہ اسے اس کا صدمہ دوسرے وہ کہانی میں نہ  
 لے کر ہے۔ گھر کے انداز سے دوسرے وہ سب مجھے  
 اگر وہ نہیں ملا تو اس سے کہوں گی کہ اگر کریم کے ساتھ  
 بات کر لے۔" اس نے اس کے متعلق کچھ نہیں کہا  
 تھا۔ وہ اب اس کے بارے میں کچھ کہہ کر گیا  
 کرتی۔  
 \*\*\*  
 "تم کہاں ہوئی ہو؟ میں کب سے کھڑی  
 ہوں۔"  
 "کب کب آئیں تم؟" اسے دیکھتے ہوئے بیٹھ  
 رہی تھی۔  
 "کل دیور ہو گئی۔ میں منٹ سے اور۔"  
 "اور اتنی دیر سے تم کیا کر رہی تھیں۔ مجھے بتایا  
 نہیں۔" وہ فائدہ کراس کے ساتھ چلی رہی۔  
 "اگر ذرا غصہ کرو تو میں ایک دو منٹ سے لول۔" وہ  
 بیٹھ بیٹھ بیٹھ بیٹھ بیٹھ بیٹھ بیٹھ بیٹھ بیٹھ  
 کرتی۔  
 "تم نے بتایا نہیں زمیندار۔ انڈیو کبسا مارا ہے؟"  
 وہ زمیندار بھی جو اس کے ساتھ بیٹھنے سے ملے  
 اس کی پیش کش پر کام کر رہی تھی۔ وہ نیوز فور منٹ میں  
 تھی۔ اور انڈیو اسکرین پر فور منٹ میں تھی۔ اس کی  
 اپنے نیوز فور منٹ میں کسی سے اتنی دیر سے تھی جسکی  
 نیوز فور منٹ میں حسن کے ساتھ ہم آہنگ تھی۔  
 "مجھے پتا تھا کہ تم یہ پوچھو گی۔ انڈیو بہت اچھا تھا  
 باوجود اس کے کہ میں تم سے بہت سارے خیالات کی  
 وجہ سے متعلق نہیں ہوں۔"

"تم خیال کے ساتھ زیادہ سفر کرتی ہو۔"  
 اور مجھے دھوکا میرا خیالوں سے سنا نہیں نہیں  
 کیا؟ اس کے چہرے پر درد کی چھائی تھی۔  
 پہلی بار میں انوش نے اس کو ابھی طرح سمجھ لیا  
 تھا۔ اور آہستہ آہستہ وہ ایک دوسرے کے قریب آگئی  
 تھیں۔  
 "میں تو سوچ سوچ کر آدمی نفسیاتی بن گئی ہوں  
 انوش! اس کے لیے سے ایسا مت کیجئے گی تو اس نے  
 مسکرت لگایا۔  
 "بڑا عجیب لگا ہے ایک عورت کا مسکرت چہرہ کچھ  
 کش لگتا۔" انوش روڑی تھی۔ اور اسے یہ بھی  
 پتا تھا کچھ آدمی نہیں ہوگا۔ زمیندار بیٹھ کی طرح  
 کھڑے ہوئے اس کے پچھلے سے محفوظ ہوئی۔  
 "تم مت سوچو۔ انوش۔ اب یہ تم کا کہہ  
 سچوں نہ تو سوچا کر کہیں۔" یہ جوت نے تجربے  
 بچوں کے لیے تو تجربی کیلئے اور قسط وار سوپ کی  
 دلچسپ بڑی ہوئی کمائی کے سونے لگے۔  
 "مگر میں تمہیں کہتی ہوں اس کے علاوہ مت  
 سوچو۔" اس نے سوچا اپنے خلاف مت سوچو۔  
 "تم فکر مت کرو۔ انوش۔ دھوکا خیال ہمارے  
 اوپر سے گزر کر جاتے ہیں۔ جیسے ہر سات پرستی رہے  
 ایسے ہی یہ بھی برتتے ہیں۔ ابھی بھارمت دور لے  
 جاتے ہیں۔ جہاں پر حقیقت کی کوئی دنیا نہیں ہوتی۔  
 وہاں تک۔ تیرے تیز بھگاتے ہوئے ہم بچتے ہوئے  
 ہیں۔ یہ دہاں بچ جاتے ہیں۔ جہاں پر ہم پچھتا  
 چاہیں۔" وہ زمیندار تھی۔ انوش کے پچھلے۔ انوش  
 کر رہی تھی۔ وہ بھی اس پر۔  
 "تمہیں بھی چلنے چلنے کی عادت پڑ گئی ہے  
 زمیندار۔" انوش مسکرائی۔  
 "مگر بھلا کس کو چھٹی؟"  
 "اسے پھر تو تم نہیں بھگاتے کی بات کرو۔"  
 "مگر انوش اب میرے چہرے میں برسی میں بھی  
 اگر تم کسی اس کا انتظار کر رہی ہو تو یہ بھلا ہوگا۔"  
 سارا اور لفظ "اس" پر تھا۔

”بلکہ تم ٹھیک کہتی ہو ذرہ منہ۔ مگر مجھے کسی کا انتظار نہیں ہے۔“ اس نے ٹھنڈی ہنس بھری۔  
 ”میں گاؤں میں تمہارا انتظار کر رہی ہوں۔“ وہ پارلنگ کی طرف بڑھ گئی۔  
 کاش تم ٹھیک عرصہ شادی کر سکتی ہو تیں تو آج یہ جان نہ ہو مالا کی عمر اگر عرصہ سے اوپر چلی جائے اور وہ تب تک نکاح نہ ہو تو پھر مشکل سے اس کی سہلی بنتی ہے۔“ وہ گاؤں میں آکر بیٹھے ہوئے۔  
 ”میں تو کہتی ہوں یہ دھوکہ دہی تم کی شادی بھی قریب ہی ہوتی ہے۔ یہ شادی ہو گئی ہے۔ یہ خدا کا فرما ہے۔“  
 ”نہ اس کی ایک ٹکٹھو سر ہلا۔ اور یہ قدرتی ہے۔ جو بوقت باپ کے سامنے میں رہا پند کرتی ہے۔ مجھے تو لگتا ہے عورت ایک جگہ ہے جو کسی اور سے کی مگر کوئی قدر نہیں کرے گا اس کی۔“  
 ”مگر کروڑوں کہہ رہے ہیں تمہاری بیٹی احساس محرومی کا شکار نہیں ہے۔ باپ کا سایہ سار کی محبت۔“  
 ”وہ بے ذرا انا شکستہ ہے۔“  
 ”مجھے باپ مل رہا ہے۔ ذرہ منہ! اس سے پہلے کہ چوکیدار میں نہ بند کر دے۔“  
 ”اے تم نے چھٹی لی ہے بھلے کی۔ اس کی وجہ جان سکتی ہو۔“ ذرہ منہ، جی جی جان سے آگئی ہوئی تھی۔  
 ”اے! ہاں۔“ جی جی اور بہرام اور کر رہے ہیں۔ بہرام کی بیٹی بہت مس کر رہی ہے۔ اس نے تو یہی سرت لکھوا لی ہے جنوں کی۔ پچھو ہے لانا پچھو وہ لانا تھپلا بھر کر لانا۔“  
 ذرہ منہ، ہنسی۔ ”اچھا ہے۔“ دیے وہ لوگ تمہارے لیے نہیں سوچتے۔“  
 ”بہرام بہرام اور کلثوم اصرار کرتے ہیں۔ مگر میں تھک چکی ہوں سوہتی ہوں سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر کچھ عرصے کے لیے بابا کے پاس اٹلی چلی جاؤں۔ وہ بھی کئی بار کہہ چکے ہیں۔“ وہ اپنے اس بار سے مل لوں تو کیا ارادہ ہے۔ بشرطیکہ اس چھٹی بند نہ رہے۔“  
 ”مشکل ہے تمہاری چھٹی کا نظور ہونا۔“

”ذکر و بکوار تو ہر جگہ کسی آئی اسکرٹ راکٹر آگے چبے۔ حالات دیکھ کر لگتا ہے آج کل ہر کوئی گھٹے کے کاغذیں بکھا رہا ہے۔“  
 ”نہیں ذرہ منہ۔ بس ہم اپنے کاموں میں بیہودہ نہیں ہوتے۔“  
 ”خیر تمہارے جیسے سر پر ہے تو یہ؟“  
 ”وہیں تہی ہو چکے ہیں۔“  
 ”دیے کام کے لیے سب ہی منت کرتے ہیں۔“  
 اچھی صبح ہوئی فرصت میں وہ لاہور پہنچی تھی۔ میں اگر اسے سکون مل جاتا تھا۔ میں نے اسے جو اپنے گھر سے لے کر کالام خوش نہیں۔ بہرام اور کلثوم اپنی جنت میں آتے تھے۔ حقیقت یہاں سے پہلے سے بہت کمزور سے لگے۔ اس نے انہیں، بھنگول اپنے ساتھ چلنے کے لیے راضی کر لیا تھا۔ یہ چار میل کیے گزرے تھے۔ اسے لگے کہ کا احساس تھا۔ چاب ڈھونڈنے کی لگیں اور کلاب وہ نہ آئی ورک میں تک سکی۔ نہ اسکل میں۔ نہ کورنٹس کی چاب اس سے بھاگتی رہی۔ اس دوران شادی کے لیے سے مت کہا گیا کہ اس رشتے کے لیے اسے لگا تھا اس کے دل کے دروازے بند ہو چکے ہیں۔  
 ”نندگی کی لڑائی ننگ چار سال سے بڑھ کر نہیں کی جاتی چار سال کے بعد حالات ہماری سمجھ میں نہیں آتے۔“ وہ اس سے سوچا تھا۔  
 ”مجھے لاہور سے وہ لگتا کہ وہی جیٹس کے ساتھ بطور اسکرٹ راکٹر اور ایئر کے کام کر رہی تھی۔ اس دوران وہ اپنی تمام تر صلاحیتیں بڑے کارآمد تھیں۔ اسے اپنے جیسے کام پر پوری توجہ سے کرنے کی عادت تھی۔ سب کچھ ٹھیک چلا تھا۔ اس نے سوچا ایک بار کہ اس شخص سے ملے اور اسے بتائے کہ زندگی کیا ہوتی ہے۔ وقت سے ہاتھوں سے نکل جانا ہے۔ جیسے میں چار سالوں میں بہت بدل آ گیا۔ سوائے اس

کے دل کے۔  
 ”یہ ضروری نہیں ہو تا کہ آپ جو سوچیں وہ ہو جائے۔ مگر آپ کوئی خواہش خدمت اختیار کرنا ہے تو کچھ ایسا ہو بھی سکتا ہے جو آپ نے نہیں دل کے بہت اندر چاہا ہو۔ جسے ٹوٹ کر نکالنا ہو اور جسے حاصل کرنے کی بہت نہ ہو۔ اگر وہ نہیں آپ کے سامنے اتفاقاً آکر آہو۔“ وہ پورے تین منٹ اس کی بکواس سنتی رہی پھر خاموشی سے پٹ پٹ گئی۔  
 ”وہ اس کے پیچھے پیچھے چلا گیا۔“  
 ”مجھ کو ہم بات کر سکتے۔ علامہ میں جانتا ہوں یہاں بہروٹی ہے۔“ اس نے کندھوں تک آتے ہوئے اپنی پٹی میں ہاتھ ڈالے ہوئے تھے۔ چہرے پر آمادہ شہوانی ہوئی تھی۔  
 ”یانی سب ریاضی تھا۔ وقت اس پر اثر انداز نہیں ہوا تھا۔“  
 چار سال انسان کے اوپر سے پھر بچھڑاتے ہوئے برندنہ کی طرح سے گزر جاتے تھے۔ اور پھر ابھی نہیں چلا۔  
 ”میں تمہارے قابل نہیں تھا۔ لوشہ۔ اس لیے میں بارگاہ۔“  
 ”وہ اس کے کہنے پر بھی نہیں مگراؤٹ میں کھڑی ہو گئی۔  
 ”اسے وہ دوسرا بیٹہ تھا۔ اہلی میں اس وقت شہام کی ٹھنڈ میں وہ بارہ گھنٹے کے لیے نکل گئی تھی۔ اور پھر چائے کے خیال سے دوسرا نکل گیا۔ اس کے باپ نے اسے سنبھیر کر کھینچ کر کسی سماج کے چار ساتوں سے آشنا نہیں ہو کر اسے انجی رستوں کو گھومنے میں مڑا تھا۔ اور کچھ بھی سمجھا رہی رستوں پر چلنے سے ہم کہیں ایسی جگہ جا پہنچتے ہیں۔ جہاں ہمیں ہمارا ہی سراں مل جائے۔ اسے پتا تھا اب انسان میں انجالی سرگ پر چا نا ہے تو شاید اس کی ذرہ منہ کے ٹوٹے ہوئے سے ہی ملاقات ہو جاتی ہے۔  
 ”مجھے کچھ کہ لینے دو انوشہ۔“ وہ فہم عباس۔  
 ”اسے اسی کیلئے میں ملا تھا۔ وہاں سوا میں مل سے کام کر رہا تھا۔ اور اسے پتا نہ تھا قسمت اسے اب

میں کھینچ کر لائی تھی۔  
 ”میں نے سوچا تھا میں جی لوں گا۔ تمہارے کاموں کے گمانوں کے برخلاف۔ جسے پہلے اپنا پراں کے بغیر۔ تمہارے بغیر جیسے میں مجھ نہ تھا۔ پھر مجھے یہاں کام مل گیا۔ شروع شروع میں ایک دست میں ہاں آگستائی جو لڑکی بیچتا تھا۔ میں نے اس کے ساتھ کھلا لگا کر شروع کر دیا۔ اس کے ساتھ آتے آتے کے لیے مجھے گھر بچنا پڑا۔ کچھ کتابیں کافی پڑیں وہاں سے۔ کچھ لوٹے ہوئے کچھ کتبیں لکھ کر فروخت کر دیں۔ سب پر تمہارا نام لکھ کر تمہاری طرف سے دے دیں۔“  
 ”انوشہ گویا آہا بہت لائبریری سے اسے شہریہ کی کیا دل لگی تھی۔“  
 ”پھر میں یہاں چلا آیا۔ اور شاید اسی زمین پر میرا روزگار لکھا ہوا تھا۔ میں نے چار سال استغیثل ہونے کے لیے لکھا۔ سب میں اس کی قابل نہیں ہوں۔“  
 ”مگر تمہو تمہارے ساتھ ہوں۔ ادھر وہاں۔ اور ناقابل بھروسہ۔“  
 ”تم نے بھی اعتبار ہی نہیں کیا عباس۔ ورنہ میں جسے بتاؤں گی میرے پاس تمہارے سب سوالوں کے جواب تھے۔ میں نے اتنے عرصے میں نہیں نہیں مانگا۔ میں انوشہ انوشہ سے بھی نہ نکلی کی زندگی میں نکلیش نے بہت دیر لایا۔ مگر میں کچھ دوسرے ہو۔ اس کی حاجت الگ ہے۔ تم نے تو بات تک نہ کی۔ اسے تک نہیں۔ مقابلہ تک نہیں کیا۔ کوئی تم سے بھی بہت بہت ہو آہ کیا محبت اور وفا کا ثبوت کھم ہوا ہے عباس۔“  
 ”میں تمہارے سامنے اقار کرنا ہوں کہ محبت نے تو مجھے بھی اپنا تھک۔ جب میں بارہا تب وہ کسی۔ جب میں بیچتا۔ جب میں دیا۔ نہیں چھوڑنے کے بعد جب مجھے احساس ہوا کہ مجھے تم سے محبت تھی یہ یہ جی سے کہ میں بے وفا ہوں۔ مجھ میں ہلا کی صلاحیت کم تھی۔ بلکہ سرے سے تھی نہیں۔“  
 ”تمہارے اندر مجھے کوئے کا ڈر بھی نہیں تھا کیا؟“

مجھے اصل میں اور ایک ہی نہ تھا۔ جب ہوا تو کہ  
 سب بات حق سے بھرتی کیا تھا۔  
 ”اب کیا ہے۔ کچھ نہیں۔“ اتنا دقت پیچھے پھوڑ  
 آئے۔ سائے دقت میں دل مرنا آئے۔ قلب عباس  
 چار سالوں کو کھوں کے حساب سے ٹوٹے تو تھک جاؤ  
 گئے۔  
 ”چار سالوں کو کھوں کے حساب سے سوچا ہے۔  
 اور تھک گیا ہوں۔“ انوش بہا ہمارا ساتھ  
 چاہے۔  
 ”اگر میں میل نہ آتی۔ تو یہیں نہ رہتی کیسے سنا ہے؟  
 ”میں پاکستان آئے۔ وہاں تھا۔“  
 ”نکومت۔“ وہ حاذق کرانچی۔  
 ”کوڑی سی آئے۔“

وہ اسے کڑے توروں سے گھورتے لگی۔ ”پاکستان  
 آتا۔ پھر واپس گئے۔“  
 کچھ کی زبان میں اس کی ہوائیں تھیں۔ اور یہ اسے ہاتھ  
 کہ نہ وہ اس سڑک پر چائے کی اور نہ ہی وہ اس کا چھینکا  
 کرے گا۔ اس کے برعکس۔ وہ اس کے کھر پیچ گیا تھا  
 زشت لینے کے لیے۔ اس بار وہ اس کے باپ کے  
 سامنے بیٹا تھا۔ قہقہہ چٹائی چٹائی بیٹھے ہوئے تھے۔ انوش  
 کو جیب کو اشارہ کیا کہ اسے اپنی بات کہہ دو۔ جیب  
 صاف سے اسے کھلی مٹکئی کی انگوٹھی لائے تو کہا تھا  
 اس کے بعد وہ اندر کمرے میں انوش کے پاس آئے  
 تھے اور اسے بتایا تھا کہ وہ قلب عباس کہاں کہہ آئے  
 ہیں۔ اس کا میل چھوڑا سا گھر ہے۔ کام ہے۔ وہ  
 دُور سے ہجرت ہو کر آیا ہے۔ اب اعتراض کی بجائے  
 نہیں رہتی۔

وہ کچھ کے بغیر سختی ہوئی۔ کوئی احساس کیوں نہ تھا؟  
 کوئی خوش کیوں نہ تھی۔ کوئی بل چل رہی تھی۔  
 عباس کا کچھ دیر بعد فون آیا۔ وہ پوچھ رہا تھا کہ میں  
 کیا لک رہا ہے۔ تم خوش ہو۔ دیکھو۔ ہم لکھتے  
 زندگی کی شروعات کرنے جا رہے ہیں۔ کیا تم مجھے  
 روزانہ ایک کہانی سنائو؟ وہ دھڑکیں جیسے روزانہ ایک  
 نظم سنائیں گا اور ہم بہت سی باتیں کریں گے۔ اور ہجر تم

وہ سب کچھ سنیں کہ رونا جو تم نے اتنے سالوں سے  
 سنبھال کر رکھی تھی۔  
 اگلے دن مٹکئی کے ساتھ نکاح تھا۔ وہ دونوں ایک  
 ساتھ پاکستان آ رہے تھے اور اس بار انہیں دیکھ  
 کرنے کے لیے ہر امر اور کلثوم کے ساتھ زہمہ بھی  
 موجود تھی۔  
 ”کب سے ہمیں کہہ رہا تھا بچا کے پاس چلی  
 جاؤ۔ یہ شادی کب سے تمہارے انتظار میں رہی ہوئی  
 تھی۔“ ہر امر نے اس کا سامنا گاؤں میں رکھتے ہوئے  
 کہا تھا۔  
 ”تم نے بت اچھا کیا انوش۔“ کلثوم نے اسے  
 ساتھ لگا لیا۔

زہمہ نے آٹھ ماری۔ ”کب پوچھوں گی میں تم  
 سے۔ بٹلے چائے والا کانا ہے۔ پھر چھپانا۔“ وہ  
 مٹکائی پر عباس مٹکائی۔  
 زندگی کبھی بھلا اور واقعی حیران کر دیتی ہے۔ اسے  
 جیسے سب کچھ اچھی تک جانتی آتھوں کا خواب لگ رہا  
 تھا۔  
 وہ کمرے پر اسے کاندھ اتارنے لگی۔ کبھی کوئی کہانی لکھت  
 کر دیتی تھی۔ اور کبھی کبھار انوش نظر اٹھا کر اسے دیکھ  
 لیتا تھا۔ قلب عباس نے اپنی شیفت میں سلیپ سے  
 رکھی ہوئی کتابوں کو نکالا۔

”اب کبھی تم کہیں۔“ غریبہ میں جیسے اتنی  
 کتابیں جمع کر کے رکھواؤں گا۔ جتنی میرے پاس پہلے  
 موجود تھیں۔“  
 ”اب کب یا تمہارے فلسفے مجھ پر اثر انداز ہونے  
 والے نہیں۔ نہ میں تمہاری بے ہودہ فلموں سے  
 متاثر ہونے والی ہوں۔“  
 ”سچی تعلیم ہمیں بے ہودہ کتنے گئے ہیں۔ اب  
 میں سمجھاؤ۔ جب یہی تھی ہے تو اگھر سے کیوں گئی  
 ہے۔“

وہ اب میں چائے انڈول کر نوٹس کا ٹکڑا چاکر  
 روکے انناز میں بیٹھے ہوئے خود بھی روکھا ہو گیا  
 گھڑی نے کھٹے پر سوئی ماری تو کھٹنی کی اور وہ اٹھ

گئی۔ دیکھتے ہو وری ہے۔ اور مزید ہوئی تو پروڈیوسر  
 خود کرتے لگے گا۔ اس نے ایک انٹرویو دیا۔ فائل  
 میں رکھے اور چائے کا کپ اٹھا کر بس وہ دین گھوٹ  
 لیے۔  
 ”جناں! اللہ کی امان میں مگر میں نے پانچ پر پہنچ جانا  
 دقت پر۔ روئے میں کسی اور کے ساتھ ڈیٹ پر چلا جاؤں  
 تھا۔“ اس نے دروازے پر کھڑے ہو کر دھڑکے بلند  
 گواہی میں اٹھا کر دین کے۔  
 ”مجھے پتا ہے اس شہر میں جیسے جیسے بدعت کوئی نہ  
 ہوگی۔“ وہ دھڑکے کتے ہوئی نکل گئی۔  
 ”صرف بدعت نہیں۔ تم عقل اور شبیانی ہوئی  
 بھی۔“ وہ جس کراندر کیا۔

عجیب مسئلہ ہے اس کا۔ اتنا کچھ ہونے کے باوجود  
 بھی جلال ہے جو کبھی اظہار محبت کر لے دیے ہیں جو  
 ایک پھولی کی تیار ہی ہے۔ اور اب اسے جیڑ کر آنا۔  
 اس نے اپنی نئی ترتیب شدہ کتاب میں نفسیاتی مکاٹے  
 میں دو چار لائنوں کا اضافہ کیا۔  
 محبت کرنا۔ کرتے ہی رہنا۔ اور اس کے باوجود  
 بھی منہ سے کوئی اظہار نہیں۔ سب کچھ جانتے  
 سمجھتے۔ احساس دلانے تک ہی محدود۔ محبت کی  
 نشانیات بھی عجیب ہے۔

وہ کتنی ہے کہ کہنے کی کیا ضرورت۔“  
 اسے کیا اگلا۔ کتنی اچھی ہے۔ تو روزانہ فون  
 سوتے وقت اپنے سرانے پر کتنی ہے۔ سچ آٹھ کھلتے  
 کے بعد کھن کر تیرا میسج دیکھتی ہے۔ مسکراتی ہے۔  
 ایک نظر مجھ پر ڈالتی ہے۔ اور میرے پس پاؤں کا کتنی  
 ہے کہ جانتی ہوں۔ ناگ کر رہے ہو۔ اصل میں تم  
 جا رہے ہو۔ میں آٹھ مار کر رہتا ہوں۔  
 اور وہ ہاتھ چھڑا کر بستر سے نیچے اتر کر فون پر جواب

دیتے ہوئے کہتا ہے کہ میں نے ایک طرف  
 دیکھتی ہے۔ کیا اسے یہ نہیں پتا کہ کھڑکی کے سین

سامنے اخبار پھیلا ہے اس کی طرف صیانا کیے میں ہی  
 بٹھا ہوا ہے۔  
 کیا ہے یہ نہیں پتا کہ یہ بھی محبت ہے۔ اور دب  
 وہ میری ہر اک پھولی کی پڑتی۔ ٹائی سے لے کر کف  
 لٹکس تک سنبھال کر رکھتی ہے۔  
 دوسری شہنشاہی ہوئی آنے کے باوجود بھی روئیاں  
 اپنے ہاتھوں سے ڈالتی ہے میرے لیے۔ تو کیا میں  
 نہیں جانتا انوش عباس کہ تم اپنے شوہر سے کتنی محبت  
 کر رہی ہو۔ چاہے میں تم سوار نہ کروں۔ تم نے بھی  
 جو چیکے سے کہا ہو گا۔ میں نے کیا۔ تمہارا اور میرا۔  
 رشید ایک خوب صورت کہانی کے دو کرداروں جیسا۔  
 میں ایک نئی کہانی لکھ رہا ہوں۔ اور جس میں  
 مرکز نہیں سنا ہے۔ وہاں۔“ اس نے شرارت سے اسے  
 ٹیکس کیا تھا۔

پتا تھا جواب آئے گا۔ ڈنٹ ڈنٹ ڈنٹ اور وہ جواب  
 میں گئے گا۔ وہ جواب دے گا۔ اور اس کے پیچ میں بھی وہ فون  
 پر مسکراہٹ رہے گی۔ اور وہ جب گھر آئے گا۔ اور وہ  
 کام سے لوٹے گی اور روئیاں ڈالے گی۔ یہ سلا دگت  
 لے گا۔ سارا بنائے میں ہر کرے گا۔ اور دونوں  
 کھانے کی پیپر پر ایک دوسرے کی طرف بے ساختہ  
 دیکھ کر سولہ تھپوں سے ہیں گئے۔  
 ”کیا؟“

ہوئے گا۔ کچھ نہیں کدے میں ایک کدہ اس کا ہاک  
 کھینچنے لگا۔ اور وہ اس کا کانا موڑنے لگا۔ کھانا پیس  
 رہ جائے گا۔ جملہ باڑی شروع ہو جائے گی۔ وہ جان  
 پوچھ کر رہا ہے گا۔ وہ جان پوچھ کر رہا ہے گا۔ دونوں  
 نہیں گئے۔  
 اور محبت تھکی سے جھانکتے ہوئے مسکراتے گی  
 ۔ پوسے تپیں ہیں اشارے کریں گے اور ایک نئی  
 کہانی دین میں جنم لے گی۔  
 وہی ایک مژدہ اور ایک شہزادی۔





مواہک کی بیٹری ڈاؤن ہو جانے کی وجہ سے مہرماہ کا رابطہ میر سے ٹوٹ جاتا ہے اور وہ وقار آفتدی اور زرتکار آفتدی کی صحبت اور آفتدی کے لیے کسی کے بارے میں سوچتی رہ جاتی ہے۔  
وہ موصد کے آفس میں رابطہ کر کے اس سے ملنے کا کہتی ہے وہ مگر آ کر بات کرنے کا کہتا ہے۔ وہ اس کے آفس پہنچ کر اس کے سامنے میر کی داستان سن کر اس سے ہمدردی محسوس کرنے کا کہتی ہے۔ موصد کہتا ہے کہ اس کی پوری کہانی سن کر فیصلہ کرنا کہ وہ کس چیز کا حق دار ہے۔ سزا یا معافی۔

ملاح سنے ڈرائیور کو دیکھ کر پریشان ہو جاتی ہے۔ اور کبیر کے لیے اس کے دل میں شکایت پیدا ہو جاتی ہے۔ کبیر اسے کان سے داپھی پر بیٹے آتا ہے اور اپنے گھر لے جا کر اسے اپنی ماں بہنوں سے ملواتا ہے۔ کبیر خون ہر مہرماہ کو اپنی اوصوری کہانی سناتا ہے۔ آغا جان مہرماہ سے بات کرتے ہیں۔ اور کبیر سے نکاح کا تم رکھنے پر اسے سخت سنا سنا ہے۔ وہ کبیر کی حمایت کرتی ہے تو وہ اس سے ناراض ہو جاتے ہیں۔ مہرماہ فون پر کبیر سے کہتی ہے کہ وہ اس سے ملنا چاہتی ہے۔ وہ ہانکی بھر لیتا ہے۔ ملاح موصد سے مدد مانگتی ہے۔ وہ اس کے لیے کوئی رشتہ لانا ہے۔ ملاح ناراض ہو جاتی ہے۔

مہرماہ کبیر آفتدی سے ملنے کبیر کے ساتھ جاتی ہے اور اسے باہر منتقل کرنے کا کہہ کر ریڈیو نوٹ کے اندر چل جاتی ہے پہلے سے بکس ہوئی تھیں پراس کا انتظار کرتی ہے کہ کچا کچ ایک آواز پر چونک جاتی ہے۔

### ایک سو فیصد دل

مرے روگ کا نہ مال کزمرے چارہ گر  
میں بڑا ہوا ہے پال کزمرے چارہ گر  
سب ہی درد جن مرے جسم سے، مکی احم سے  
مرا اگتہ انگ بحال کر، مرے چارہ گر  
یہ بدن کے عارضی گھماؤ ہیں، دائیں چھوڑ دے  
مرے زخم بدل کا خیال کر، مرے چارہ گر  
فقط ایک قطرہء اشک بحر اطلاق ہے  
مجھے جھٹکا ہے ملال کر، مرے چارہ گر  
میں جہان درد میں گھوٹ گیا، تجھے کیا ملا  
مجھے امتحان میں ڈال کر، مرے چارہ گر  
مجھے اپنے زخم کی خودی کوئی خبر نہیں









"جو کاتھیں دے رہا تھیں میں وقت پر رابطہ ختم کر کے۔"

"نہیں آئی اودھ ایسا بالکل بھی نہیں ہے۔ کئی موصد بھائی کو سمجھا دو۔ یہ پروپوزل انہی کے توسط سے ملا جائے تب تک سے کہتے ہوئے اس سے التجا بھی کی تو وہ دوا چل ہی پڑی۔"

"موصد۔۔۔ موصد لایا ہے پروپوزل؟ ایسی لکھو پتا ہے اس کا؟"

"کیا؟" ملا دیکھیں۔

"جی کہ یہ پروپوزل موصد لایا ہے؟" مہربان اپنی ساری پریشانی اور شینیں بھول کر کھل بھرا کر بھرتی سے چپکے جاکر رہی گئی۔

"ہاں۔ انہوں نے ہی تو بتایا ہے کہ آج وہ لوگ آ رہے ہیں۔"

"ایسی بھی کمال کرنی ہیں اور آغا جان کی ذہانت کہاں چلی گئی ہے۔ ایک بندہ جو عمر کے چودھ سال باہر گزار کر حال ہی میں یہاں آیا ہے اور یہاں آتے ہی اس کے لیے بیسے تعلقات اور جان بچان ہو گئی کلاس نے رشتے ہی کروانے شروع کر دیے۔"

"وہ تیز نیچے میں ہو لی تو ملا دیکھ خائف ہی ہو کر اٹھ کھڑی ہوئی۔"

"اب جا کہاں رہی ہیں آپ؟"

"آغا جان کے پاس جاؤں گی یہ۔۔۔ اور ان سے پوچھوں گی کہ انہوں نے سارے اختیارات موصد آئندہ کی سہولتوں کر دیے ہیں۔" وہ کھسی ہو لی اور ملا دیکھ کی آواز کو نظر انداز کرتی چند قدموں سے چلتی آغا جان کے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔ ملا دیکھ کھک کر تامل کر رہا تھا کہ دریں ڈھنسی گئی۔

☆☆☆

آغا جان جو بھی موصد کی طرف سے پریشان تھے ایسے ہی میں مہربان کا موہا ہوا۔

"آپ لوگوں سے زیادہ کسی کو کیا جانتا ہو گا وہ آغا جان!۔۔۔ مہربان خفا کی بھی شخص تیار اور پھر شینیں پیشانی۔۔۔ خیر۔۔۔ اتنا بڑا بڑا بڑوں میں شہنشاہ کچھ ہے کچھ کی زیادہ لوگوں کو اپنی طرح جان چکا ہے اس ایک سال میں۔۔۔ انہوں نے فتح والی تار میں سے باوجود لاڈ لے پڑے کی سائڈ کی تو مہربان سائڈ روٹنی، ایکٹ

لئے کو تو دل چاہا کہ شروع اور موصد آئندہ کی اسلیٹ انہی کے انہی آغا جان کو بتا دے اور یہ بھی کلاب یہ سب پتا نہیں ان کو کلاب میں سے وہ انہا نہیں۔۔۔

"ملا دیکھ تو پوچھ لے آغا جان!۔۔۔ مہربان نے ذہن سے سب کچھ جھٹکتے ہوئے دے لفظوں میں کہا تو پتا

زور سے چونکے پھر دفعتاً ان کی آنکھوں میں شینیں اتر آئی۔

"ہاں۔۔۔۔۔" اچھا اٹھا کر دھڑکے تھے مہربان جلد مضبوط کیے وہاں تک پہنچی تھی مگر۔۔۔

"تمہاری مرید سب سے بڑے کر کے کچھ لے ہیں ہم نے۔ جب قسمت کا لکھا ہی ہوتا ہے تو پھر ہمارا باپ

کا کہا کیوں نہ مانا جائے۔۔۔ وہ تپ کر کہہ رہے تھے۔

"لیکن آغا جان! ہمیں تو بچوں کی خوشی دیکھنی چاہیے۔ مہربان نے ہمت کر کے کہہ دی دیا۔

"اگر اس کا کہیں اور ارادہ ہے بھی تو اسے صاف لفظوں میں بتا دو کہ اب کی بار ایک ہی بار فیصلہ ہوگا۔

اور وہ آغا جان کا فیصلہ ہوگا۔" وہ پیچھے ہولے تو مہربان داندے سے کھول کر رہ گئی۔

"موصد سے انصاف کو کیوں سوچ سکتا ہوں۔ اس لیے جب کہ کے موقع کا انتظار کرو۔ اور میری تو سمجھ میں نہیں کہ آقا تمہارے ہاں باپ کو کئی اعتراض نہیں ہو مگر ہم ہمیشہ کی طرح زبان بڑانے چلی آئی ہو۔ انہی تک ہم نے سمجھتے نہیں چڑکی۔" وہ اسے مجاز رہے تھے۔ لیچہ نصیب آئیز تھا مہربان نے اپنے

کان تھے محسوس کیے۔ تو بات کہیں کی نہیں نکلی۔

"جو کچھ میرے ساتھ ہوا اس میں میرا کوئی قصور نہیں تھا آغا جان! اب دس کا بوا یا مجھے کا پڑا ہے جس۔۔۔ آپ لوگ تپ دھار چپ کی ٹیلی کو فون کر لیتے تو آج وہاں نہ بننا۔ مجھے تو اس نے آپ لوگوں کے کیے کا بدلہ لیا ہے۔"

"کیوں بندہ گروہر! اور دیکھ ہو جاؤ یہاں سے۔" وہ تملالٹھے۔ بھلا کسی کی اتنی ہمت ہوئی تھی آج تک کہ انہیں آئیز دیکھنے کا مشورہ ہی دے سکا اور اس کل کی بچی کی اتنی ہمت کہ آئیز لاکر ان کے سامنے ہی دکھا دیا تھا۔

"گھر تو مجھے امی سے بھی بہت ہے آغا جان! انہوں نے جتنا زور چودھ سال پہلے اس بچے کے دل میں بھریا تھا آج وہ وی زہر اعلیٰ رہا ہے تو اس سے کیا گلہ؟ اور آج مجھے اپنی زندگی کی بربادی کا ٹکڑہ اس سے نہیں آپ سب سے ہے۔"

وہ اپنے قطع و نقصان کا خیال کیے باہت بڑی تھی۔ آغا جان کا چہرہ خطرناک حد تک لال ہو گیا۔ ان کی اوچی آواز سن کر تائی جان پچھم ان کے کمرے میں چلی آئیں اور وہاں مہربان کو آغا جان کے دوہرہ کھڑے دیکھ کر ششدر رہ گئیں۔ مہربان کے انداز ہی سے بیٹا لپٹن جھلک رہا تھا۔ انہیں سنا لے کی گئی کا کھ

بھری ہی اندازہ ہو گیا۔

"اسے لے جاؤ یہاں سے صاف۔" اور اس کے دماغ کا علاج کروا دیا جا کر آج وہ پلا اسے یہ قصور لگ رہا ہے۔ کل کو اس کے ساتھ رہتی تھی ان کے۔۔۔ انہوں نے کیر کو دلی دیکھی اور انداز اس قدر تخفیر سے بھرا تھا کہ الا ان لحفظ۔ مہربان کا دل جیسے کسی نے منہ میں جکڑ لیا۔

"بس کر دیں آغا جان۔۔۔ خدا کے لیے۔" خود پر قابو پا پاتے ہوئے بھی دوسری روک نہ پائی تو ان کے آگے ہاتھ بڑھ دیے۔

"پاگل تو نہیں ہو گئیں مہربان! چلو یہاں سے۔ مگر کوئی دورہ ہو گیا ہے نہیں۔" تائی جان تو تھوڑی تھیں۔۔۔ بدعاؤں کی زد میں ہے مگر ہاتھ اتاری اکتانہ مصوم دل دکھایا تھا آپ نے بھی یاد تو کرنی ہوں گی

آپ۔ مہربان اس بچے کو کہنے آپ نے۔۔۔ (انہی سے ان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے)۔ ای آپ نے تیار کر وہ ایک طوائف کا بیٹا ہے اور یہ بھی کر ٹوائف کے کہتے ہیں۔ وہ دن کی گھڑی رہ گئیں۔ آغا جان اپنے

بال بونے کو ہونے۔

"اور آغا جان بے تھدق کے۔ آپ نے اسے تاج تہہ تصور کر لیا۔۔۔ کسی پاک باز عورت پر بہتان لگانے کی ہر اکا سے اسام میں یہ تو جانتے ہی ہوں کہ آپ لوگ نہ

دیکھ ہو جاؤ۔۔۔ کل جاؤ یہاں سے۔" آغا جان کا ہاتھ اٹھتے اور کیا صدفہ تھمرا سے تھمیت کر ان کے کمرے سے باہر لے گئیں۔

"ہاتھ تو کرنے دیں مجھے امی! کیسے ظالم لوگ بنتے ہیں اس گھر میں۔ ایک طوائف نے عزت کی زندگی کو اختیار کرنا چاہا تو آپ سب کو تار کیوں کر مارا۔ میرا ایک باگز ت پھٹ ہی تو گئی امی اس نے۔ اور

کیا قصور تھا اس کا؟" وہ جھپٹی چالی ان کے ساتھ مسکتی جا رہی تھی۔ انہوں نے اسے لاؤج کے صوفے پر چنا۔ اس کا سپندہ بیوس میں دل رہا تھا تائی جان کا چہرہ دھمکے سے سرخ ہو گیا۔

"کیا جیسا؟" اس کا سپندہ بیوس میں دل رہا تھا تائی جان کا چہرہ دھمکے سے سرخ ہو گیا۔

"بچے شوہر کے منہ سے سنا ہے یہ سب امی! ان کی آنکھوں میں نظریں گا ڈر کے پا کا نظر انداز! میں

”یہ۔۔۔ یہی کہتا تھا میں آغا جان! مجھے اس کی آنکھوں کی چمک اور اس کی مائی سی سیلی“  
 آنکھوں کی چمک کہہ کر بولے تو اس بائیتین صاحب کو بھی کھنکھایا۔ (وہ کیسی انسان سادہ دماغ کی نوعیت پہنچا رہا تھا)  
 ”آغا زرا سے پہلے تو باور آف انارلی اسے دے دی تھی۔ اس کے سامنے کے بنا کوئی چمک کیش  
 نہیں ہو سکتا آغا جان! یہ سب آف ہندو پیر خودی کی گلابی مار چکے ہیں۔“ انور نے ادب ان کے  
 نام کی جگہ سب کاغذ لگا دیا۔ انہوں نے ہنکارا پھرا۔

"دماغ تو ٹھیک ہے تمہارا؟" وہ دفعہ فرمائے۔

”آغا جان! اعتبار ایک حد تک ہی کرنا چاہیے کسی کی طرف سے آنکھیں بند کر لیا، دانش مندی نہیں ہے۔ موصوعہ یہاں آتا تو ہم سب سے متفق تھا اب بھی اس کے دل میں کیا ہے کوئی نہیں جانتا۔ آپ کیسے جہول گئے کہ کبیر کی جائیداد کی فکر آپ سے بنا کر پھیلے وہ اسے دلائل کر چکا ہے۔“

”اس طرح تو اس کی ہمت بڑھتی جائے گی آغا جان! اسے روکنا ہوگا کہ نہیں براہِ پوری طاقت کے ساتھ۔“

”تین صاحب نے مشورہ دیا تو وہ سچے سچے انداز میں سر ہلانے کو مجھے موصوعہ سے محبت اپنی کہیں دھوکا دہی کو وہ کی طرح موصوعہ نہیں کرنے والا ہے۔“

وہ ابھی شوز اتار کر سیدھا ہی ہوا تھا جب دھڑا سے دروازہ کھول کر مہرباہ اندر چل آئی۔ وہ خاشی سے اس کے غائب ہونے پر پتھر مارا۔

”کیا ڈرامہ کر رہی ہو؟“ کون سا دشتہ لائے ہو میری بہن کے لیے؟ کیا بہتر ترین لڑکا؟ یہ تو آخری ہی ہوگا کونسی؟“؟ خوار خور فل سے اسے دیکھتے ہوئے مہرباہ نے گویا برستی مار دیا تھا۔ دھمکی سانس پھانچتا کھڑا ہوا۔

[illegible]

”ایک طوائف کے بیٹے سے ہم دردی ہو رہی ہے۔ کہاں ہم اور کہاں وہ۔ ارے سواری کی انش  
محل میں لگا لیتے کیا“

”تھوڑی! اپنے گھر چلو۔ یہاں تو انسان بستے نہیں بیڑہواتے ہوئے اس نے مہرہا کی پشانی پر  
بڑے شل پر کیا خود ہزار کر کے رکھتے ہوئے اسے زبردستی وہاں سے اٹھا اور بے کراں کے دوش میں  
چلی گئی۔ مگر بدیقہ بہکم وہیں صوفے پر بٹھ گئیں۔ درحقیقت وہ اندر سے مل کر وہی تھیں برسوں پہلے کا کریم  
لوٹ کر ان کے پاس چلا آیا اور ملاحداد اسے دیکھ کر دھکا اٹھا اور وہ جس نے بی بی بھٹی کی۔  
”جیسا کہ سب سے تمہیں لڑیں سب سے آہی! اس کی آنکھیں کم ہو گئیں۔ مہرہا نے بے تاثر  
نظر سے اسے دیکھا۔“

”تم فطرت کرو میں مسجد بات کرو گی دوسے ہے اس سارے فساد کی جڑ۔“  
 ”کس آپ۔۔۔ کل شام وہ لوگ آ رہے ہیں۔“ وردہ نے گوی۔  
 ”دیکھتے ہوں میں۔“ پریشان مت ہو ”مہربانوں نے لاڈ لی بہن کو کھلی دی۔ محبت کا نہ مانا زندگی کو دیران کر  
 دیا کرتا ہے اور وہ اس دورانی سے انجی بہن کو بھانا جاتا ہی تھی۔“

"مجھ پر تو سچ نہیں آیا اس ڈرامے کو کھیلنے ہوئے ہر ماہر بانی میری بہن کی زندگی میں زہر مت گھولو! وہ سر دھری سے بولی۔

ہمارے درمیان بھی موصد آفندی! "چہا کر اس کا تامل کیا تو وہ جتاے ہوئے بولا۔  
 "موصد آفندی نے بھی زہر بدری کے چورہ سال کاٹنے میں ہر ماہ آفندی اتم لوگوں کو بس اپنے ہی زخم دکھائی دیتے ہیں!"  
 "کس کا کھر مل جائے وہ دوسروں کا کھر نہیں جلادیا کرتا۔"  
 "جس اگر کسی کا کھر جان بوجھ کر جلایا جائے تو پھر آکھ کے بدلے آکھ اور ہاتھ کے بدلے ہاتھ کا قانون چلتا ہے کھڑا!" وہ بھی اپنے حصار میں بند ہو گیا۔  
 "چرخوب۔۔۔ درویشی دل! "وہ استہزائے مسکرائی۔  
 "اچھی طرح مل رہے ہو تم۔۔۔ جانیدا پرتو دیے ہی قبضہ کر چکے ہواب بناؤ گھر سے کب نکال رہے ہو سب کو؟"

"یہ کیا ہوا ہے؟" موصد کی نظر اس کی پیشانی کی چوٹ پر اب پڑی تھی۔ منظر ہو کر پوچھا تو وہ تھی سے بولی۔

"شٹ اپ۔۔۔" وہ بھڑکا۔  
 "اب ظاہر ہے کسی کو عطیہ کرنے کے لیے قبضہ نہیں کر رہے ہو گے تم؟" اس کا طنز پر قرار تھا۔  
 "میرے خیال میں تم یہاں سے چلی جاؤ تو میرے کسی بھی قبضہ میں بہتر ہوگا تم اپنا سلط نظریہ اچھی طرح جھک جھکا چکی ہو!" وہ بہت ملگ سے بولا۔  
 "اچھا سامنا کرتا ہی نہیں مشکل ہو کر آتا ہے۔۔۔ مجھے دیکھو ہر ماہ دوسرے بھی جی رہی ہوں۔ اپنا مقدمہ خود لڑ رہی ہوں کسی اور کی زندگی تباہ نہیں کر رہی۔" ہر ماہ کا لہجہ کڑوا تھا۔  
 "ان سب باتوں کا کوئی فائدہ نہیں ہر ماہ! میں وہی کروں گا جو میرا دل چاہے گا! وہ اطمینان کا مظاہرہ کر رہا تھا۔ دل کی لگائی جھل کو چہرے پر لانا خود کو بے مول کرنے کے مترادف تھا اس اس بیوقوف لڑکی سے مزید ہمدردی محبت تھی۔  
 "تو مجھ کو دیکھنا میں بھی وہی کروں گی جو میرا دل چاہے گا۔"

"ابھی تو شروعات ہے تمنا شاد کیجھو تم کسی کب تنگ سارا کیا جاتا ہے مجھے!"  
 "تم اس معاملے میں مت پردہ مہرا! جن کا مسئلہ ہے انہیں نشانے دو! وہ دانتوں پر دانت بجا کر بولا۔  
 ہر ماہ نے کھنسر سے سر جھکا۔ "میرا تو جرم ہی بہت بڑا ہے میرا آفندی کے نکاح میں ہوں نا۔ آؤ بھے چھرتو میرے نام کے بھی ہوں گے۔" منظر کرتے ہوئے بھی اس کی آواز بھرا تھی تو موصد کا خود پر سے قابو اٹھنے لگا۔

"مہم۔۔۔۔"  
 "بس کرو وہ ہمدردی کا یہ ڈھونگ۔۔۔ بس۔۔۔" وہ رد دی۔  
 "تم تو موصد آفندی تھے تمہارے سینے میں تو میر کا دل نہیں تھا پھر تم نے میر کا ساتھ کیوں دیا۔ اور اگر اس کا ساتھ دینا ہی تھا تو میر سے اسے دیکھو دوست کیوں بنے؟ میں نے اپنی ہر بات ہر مسئلہ تمہارے ساتھ شیکر کیا اور تم۔۔۔ تم میری بے بسی کا تماشہ کھینچتے رہے۔"  
 "مہر ماہ۔۔۔ پتیر!" وہ خود کو پتھر بنار ہاتھ میر کا دھڑکا تھا۔ جس کے سامنے اس کا دل سو م کی طرح پکھلا جاتا تھا۔

"خود کو دکھا ہوا وہ دوسروں کو دکھنے سے بچایا کرتا ہے سب کو بھی نہیں کر دیتا۔ اور تم۔۔۔ تم نے موصد ہو کر بھی میر کا ساتھ دیا اس کا دل پکھلا۔"  
 "میں شرمندہ ہوں مہر!"  
 "ہا۔۔۔ تمہاری شرمندگی میری زندگی کے سارے خواب میرے حسین چل لوٹا کتنی ہے تو جاؤ! جہن کی نیند سو جاؤ جا کر۔" وہ غصے سے بولی۔  
 "یہاں چھوٹی دودھ لگا دتا ہوں چوٹ پر!" موصد کی نظر جھک جھک کر اس کی چوٹ پر جاتی تھی۔  
 "لغت جھپتی ہوں میں اس کی ہمدردی پر۔۔۔ ایک چھوٹی سی چوٹ نہیں دکھائی دے رہی ہے میرے دل پر میری روح پر جو چوٹ لگی ہے وہ دکھائی نہیں دیتی تمہیں! وہ غرائی تھی۔ موصد نے دوا لکھیں سے اپنی پیشانی کو منظر باز چھوڑا۔

"تم ان لوگوں کو تنگ کرو ملاح کے پروڈول کے لیے! وہ پھیلے پن سے بولی تھی۔  
 "نہیں۔۔۔ میں ایسا نہیں کر سکتا! وہ طبیعت سے ہوا ہر ماہ ستا غنا سے دیکھتی رہی۔  
 "نہیں نے تو بدل لینے کے لیے میں ہر ماہ کر کے کی قسم کھائی ہے تم تو اس دوش کی لاج رکھ لو جو

"آپ مجھ سے وعدہ کر چکی ہیں کہ دوسرے پروڈول پر بھی غور کر سکی۔" ملاح نے ہمت کر کے تائی جان کو یاد درایا وہ اچھی طرح کبیر کی کشدگی سے واقف نہیں تھا نیت سے بولیں۔  
 "ہاں ٹھیک ہے۔۔۔ ان لوگوں کے سامنے تمیز اور سلطیت سے جا پھر دوسرا پروڈول بھی دیکھ لیں گے۔" انہوں نے اسے پکارا تو ملاح کے دل میں خشک سی آتری شام کو دودھ لگا دیکھ بیٹھے آ رہے تھے موصد سے تو وہ ابھی طرح تھا مٹی دودھ پھر کوئی آکھ سے آ گیا تو ملاح اسے دیکھ کر کترا کر اپنے سر کے کی طرف بڑھی۔  
 "ادھر آؤ۔۔۔" وہ بھجی گئی سے کہتا دل آؤ کی طرف بڑھا تو تار ملاح کو اس کی تھلید پر تڑپی۔ وہ غنا خفا اس کے سامنے اسے بھونے پر بیٹھ گئی۔ اس کا بھولا ہوا چہرہ دیکھ کر موصد بے ساختہ مسکرا دیا۔  
 "تیار ہو گئی ساری۔۔۔؟"

"ہاں ہو گئی۔۔۔" شہرانی سے ہر آن میری! وہ تھی کر بولی۔  
 "اللہ کے نام سے کیا تم کو بھائی بہنوں کے لیے غلط نہیں ہے؟" وہ بھجید تھا۔  
 "جب بھائیوں کو بہنوں کے دل کی خبری نہ ہو تو وہ کیا سوچ کر سکتے ہیں بھلا۔" وہ بحث پر اتاری۔

"ہوسکتا ہے اس سے بھی زیادہ اچھا سوچا ہو۔" موجد ہلکے سے مسکرایا۔

"آپ نے میرا ساتھ دینا تھا لیکن آپ بھی آغا جان بننے جا رہے ہیں۔" وہ ناراض تھی۔

"ہا۔۔۔ آغا جان۔۔۔؟؟ اللہ بچائے مجھے اس قدر سنگ دل بننے سے۔" وہ مضحکہ خیز انداز میں بولا۔

"آئی کو دیکھا ہے آپ نے۔" دل ٹوٹنے کا درد کیا ہوتا ہے۔۔۔ محبت سے بچھڑ جانا کس قدر قیامت

خیز ہے کوئی ان سے پوچھے جو بیٹا غلطی کی سزا بھگت رہی ہیں۔ "ملاح کو رونا آ گیا کل جبر ہار کے ساتھ ماں کی بدسلوکی نے اس کو ہرٹ کیا تھا۔ موجد مضطرب باندھ کھڑا ہوا۔

"تمہارے ساتھ کچھ غلط نہیں ہو گا ملاح۔۔۔ میرا یقین کرو۔ اگر تم اس پروپوزل سے مطمئن نہ ہو تم کو

صاف انکار کر دینا۔" ملاح نے ذرا سی ہلکی آٹھا کر اسے دیکھا اور بہت اہمیت سمجھتے ہوئے براہ سرری

لہجہ بنا کر پوچھ ہی لیا۔

"کبیر کہاں گیا ہے؟"

"پتا نہیں۔۔۔" موجد نے شانے اچکائے "میں نے آغا جان کے پاس اس کی زمینوں کے رہن رکھے

کاغذات واپس کر دیے تھے۔ کھر بھی نہیں کہیں لے لیا ہے اس نے۔ ہوسکتا ہے اب اس کی کنش اس کی

شادی کی تیاریاں کر رہی ہوں۔" وہ اپنی دھن میں گھس جاتا تھا ملاح کا دل بھی میں آ گیا۔

"خیر۔۔۔ اتنا احسان فراموش تو نہیں لگتا کہ اپنی شادی کی خبر بھی نہ دیتا آغا جان کو۔" ملاح نے بدقت

مسکرا کر کہا۔ تو وہ طعنے بولا۔

"آغا جان نے کون سے پھول کھلا رکھے تھے اس کی زندگی میں۔" پھر قدرے توقف سے انکشاف

کیا۔

"اور تمہیں پتا ہے ایک بار آغا جان کی اسٹڈی میں کوئی آڈی گھس گیا تھا لیکن اس نے کچھ پڑایا نہیں

صرف تلاش لی تھی۔" وہ رکاوٹیں ملاح کو یاد کرنے کا وقت دیا ہو۔

"ہاں یاد ہے مجھے اچھی طرح۔۔۔ کسی کو بھی پتا نہیں چلا تھا اس آڈی کا۔" ملاح نے ناہنجی سے اس کی

طرف دیکھا۔ اس بات کو یاد دلانے کا بھلا یہ کیا وقت تھا۔

"مگر مجھے پتا چل گیا تھا۔۔۔ جب وہ میرے آفس میں گھسا تھا۔" موجد مسکرایا۔ ملاح بے تحاشا چوکی

بے چینی سے اسے دیکھا تو اس نے اثبات میں سر ہلایا اور ڈرامائی انداز میں بولا۔

"دونوں مرتبہ وہ کبیر تھا ملاح۔۔۔"

"جھوٹ۔۔۔" ملاح جذباتی ہو کر اونچی آواز میں بولی۔ "اسے کیا ضرورت تھی تلاشیاں لینے

کی۔" وہ موجد کی الزام تراشی پر ناراض تھی۔

"وہ یہی کاغذات ڈھونڈ رہا تھا۔ جس روز اپنی پراپرٹی کے پیپر اسے ملتے وہ یہاں سے چلا

جاتا۔" ملاح اس انکشاف پر دم بخود رہ گئی وہ اطمینان سے گویا ہوا۔

"اور میں نے اسے وہ پیپر لوٹا دیے۔ آغا جان کے ظلم کا شکار کوئی بندہ تو سکون کی زندگی گزارے

تا۔" ملاح کی تو جیسے فوٹ گویائی ہی لگھوئی۔ چند لمبے اس کی طرف سے جواب کا انتظار کرنے کے بعد وہ اٹھ

کھڑا ہوا۔

☆☆☆

وہ تائی جان کا سوٹ روزی سے لے کر ٹکی تو شام ہونے والی تھی۔ ملاح کو اس کے ساتھ ہی آنا تھا لیکن

تائی جان نہیں مانیں مہمان کی بھی وقت آتے تھے اور ایسے میں ملاحد کا گھر ہوتا بہت ضروری تھا۔ مہراہ تو کسی سے ماننا ہی نہیں جانتی تھی اس لیے دانستہ بازار چلی آئی۔ ملاحد اپنے دوستوں اور ایک چہل خریدی تائی جان کا سوت بھی درزی سے لے لیا اور دباؤ شاپنگ کر رہی تھی۔۔۔ اور اب کئی ہی دیر سے اسے حمزہ پور ہاتھ لکاس کے بائیں طرف بیوی جنیز والا محلہ اس کے ساتھ چل رہا تھا۔ چینی ہر دوکان پر سودا گیس ساتھ لکھا اس دے ہی نہیں اس نے اب کی بار اس نے پلٹے ہوئے اپنی نظر اس میں پڑائی تو ناگواری اس کی رگوں میں دوڑ گئی۔ اس کے اعزاز میں ناگواری دیکھنے کے باوجود وہ دلغریب اعزاز میں مسکرا دیا۔

"نیرہ وقار آندی۔۔۔ نام تو جا جاتی ہی ہوتی۔" مہراہ کو پتہ نہ تھی۔۔۔ وہ اسے انکود کرتی اگلی دوکان کی طرف بڑھ گئی۔  
 "کیا ہوا۔۔۔ پیسے نہیں ہیں شاپنگ کے لیے پڑیں دیکھ کر گزرا کر رہی ہو۔" وہ جلدی سے اس کا ہاتھ تھام لیا۔  
 "جام کا یہاں سے۔۔۔ میرا دماغ اتنا خراب مت کرنا کہ میں شور مچا کر پار پڑا دوں لوگوں

سے۔" مہراہ کڑوے لہجے میں بولی تو وہ جیسے ملاحظہ ہو کر نہا۔  
 "بے فکر ہو۔۔۔ میں نکاح نامہ جیب میں رکھ کر لایا ہوں۔" وہ جیب تھپتھا کر بولا تو مہراہ بخیر ہو گئی۔  
 "وہ نکاح نامہ میرے حوالے کر دو نیرہ اور کورٹ میں ثبوت پیش کر کے خلع لینے اس آسانی ہو جائے گی میرے لیے۔"

"مطلق طلاق کچھ بھی نہیں مرنے پر آندی؟ تمہیں جتنا تنگ کر رہا تھا کیا۔ اب بس اور نہیں!"  
 "نہیں۔۔۔ اب میں تمہاری جگہ بھی دیکھنا پسند نہیں کرتی!"  
 "بھابھ۔۔۔ پلے پڑو! ہوتا نہیں تھا نہیں نہیں سے ملے اور اسے دیکھنے کا۔"  
 "ملے اور پھر مارنے کا۔" مہراہ نے کئی سے بولی۔  
 "تو اس روز ریڈیو سٹریٹ میں تھی اس بار نہیں پھیر۔۔۔ اب یہاں بھیڑ میں تو اجازت نہیں دے سکے۔ بھائی کو لوں کو تو یوں بھی سوچ جایا ہوتے اپنی اپنی فکری (مستعدی) دکھانے کا؟ وہ اس کے ساتھ چلا اسی کے اعزاز میں دوکانوں کے ڈسٹبل میں بھی چڑوں کو دیکھنا جواب دے رہا تھا۔

"اب تم جانتے ہو یا میں اپنی مدد کے لیے کئی پولیس والے کو بلواؤں؟" وہ سختی سے بولی۔  
 "خوہر ہوں میں تمہارا۔۔۔ وہ کہنے کا تھا چھٹی پینٹاں کے ساتھ وہ اس کی بات کا ٹکڑی بولی۔  
 "شٹ اپ۔۔۔ اس رشتے کا خالہ دینے کے قابل نہیں ہوتی۔" وہ خفیہ بولی۔  
 "تو بتاؤ کیا کروں۔۔۔ شام کو آغا جان کے سامنے پیش ہو کر باضابطہ کئی مانگ لوں تمہاری؟" وہ چلی گئی۔  
 "کوئی تماشہ لگا نا نیرہ۔۔۔ مجھے تم سے کوئی ہمدردی نہیں اگر ایک انسانی جان کو جانتے نہیں دیکھ سکتی ہیں۔" وہ اسے ٹوک گئی۔ میرے سامنے نہا۔

"کیا انسان دوست طبیعت پائی ہے تم نے۔۔۔ واہ۔۔۔" وہ متاثر ہوا۔ مہراہ اسے نظر اعزاز لیے اب اور اصرار نظر دوڑائی رکشہ ڈھونڈ رہی تھی۔  
 "میں ڈراؤں کہہ دیتا ہوں تمہاری میری منزل الگ تو نہیں۔" وہ آخر فکر ہاتھا۔

"بھول سے تمہاری نمبر آندی۔۔۔ تم میری منزل کا راستہ بھی نہیں ہو۔" اس کی آنکھیں نم ہونے لگی تھیں۔ چنانچہ یہ شخص اب اس سے کیا چاہتا تھا زندگی برادر کرنے کے بعد بھی سکون نہیں تھا۔ وہ رکشہ پر کھڑی اندر بیٹھ گئی۔ وہ جبکہ کڑوا دینے کو کہا یہ ادا کرتے ہوئے کھرا کٹھن میں بتا رہا تھا۔ رکشہ چلا تو اس نے ایک ایک کھانسی کر مگر یہ نگاہ مہراہ ڈالی اس نے چہرہ عقاب میں کرکھا تھا نظر بھر کو نیرہ آندی کی نگاہ سے کرائی اور درخت کشی سے آگے بڑھ گیا نیرہ نے صواں اڑاتے رکھے کو پکھ دیکھا پھر وہ پیٹ کی بیبیوں میں ہاتھ پھنساے فٹ ہاتھ پر سر جھکاے چلے گا۔

سب ہی در در میں مرنے سے، کئی ام سے  
 مرا انگ اگ تھال کر مرے چارہ گر  
 یہ بدن کے عارضی گھماؤ ہیں، انہیں چھوڑ دے  
 مرے زخم بدل کا خیال کر، مرے چارہ گر  
 اس کے ہونٹوں پر چمکی سی مسکراہٹ بھی اور ذہن الجھن نہ۔

☆☆☆

ملاحد کو پورا یقین تھا کہ آنے والے ضروری نہیں کہ گھر والوں کو پسند آجائیں۔ مگر جب وہ لوگ آئے تو جہاں تائی جان انکشت بدعنوان ہوئیں وہیں ساڑھ چنگی کے سینے پر سانپ لٹ گئے۔ مہراہ سننے ہوئے باخراش لیے کھلی کے تھیر تھیر اور میران پر عذر سوت میں بھوس خوب صورت مگر بہت سردی لگ رہی تھی۔ اس کی ناراضی کے لیے انہی کا ہی تھا کہ یہ رشتہ ملاحد کی مرضی کے خلاف آیا تھا اور موجد آندی کے توسط سے آیا تھا۔ ملاحد کمرے سے نکلے کو تیار نہ کی ان لوگوں کی گاڑی آکر پورچ میں رکی اور اس کے کئی کھانسی اور دھڑلانا میں اس میں ملازماؤں کے ہاتھوں میں خوب صورت ڈسٹبل کپڑوں سے ڈھکے گلن کے قابل تھے۔ ناراض ہونے کے باوجود بانی سب کی طرح ہمدرد بھی ان کے ادب آداب سے بہت متاثر ہوئی۔ مہمانوں کو ڈرائنگ روم میں بٹھایا گیا۔ تائی جان ان سے تحائف کے کلف کی بات کر رہی تھیں جب مہراہ ملاحد کو لے کر اندر داخل ہوئی۔

"تو صرف گلن سے اور ہمارے گھر ان کے روایت آئی اور تمہاری ہونے والی بھالی تو سونے میں تولنے کے قابل ہیں ماشاء اللہ۔" ملاحد کئی کھلی کھلی کو دیکھتے ہوئے چھوٹے بھنی بہت محبت سے بولی اور ملازماؤں کو اشارہ کیا۔ دو دو قاتلوں پر سے کپڑے کو ساڑھ چنگی کا دم انکھوں میں آ گیا۔ ایک تھال میں بیکر جاکر تے کا دھانی جڑ سے کے ساتھ سونے کی بھاری چڑاؤ سینٹ اور دوسرے میں گلن کے پودے۔۔۔ سو کے نوٹوں کی دس گنڈیاں ترتیب سے رکھی ہوئی تھیں۔ لاکھ روپیہ ہاتھ بے دھرنے چلی آئی تھیں وہ ملاحد کے تائی جان کا گھر کا سفر سے بلند ہوا۔ جبکہ مہراہ کا دل اندری اندر بیٹھا جا رہا تھا۔  
 ظاہری چمکا چمکا کر گھر والوں کی آنکھیں سر نہ کر دیتی تو اس کی بہن کا دل مردہ ہوا جانے والا تھا۔ اور ملاحد کا دل ایک ہی شخص کو پکار رہا تھا جو اس وقت اس سے کوسوں دور اپنی شادی کی تیاریوں میں خوش مگن تھا۔

☆☆☆

(ہائی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)



سکوی سید الشہید



دعا کی والدہ کا اچانک انتقال ہو جاتا ہے۔ وہ اپنی ماں اور سوتیلی بھائی عدا کے ساتھ رہتی ہے۔ دعا کے دو ماموں، ریاض احمد، بنی یوی، رابعہ احمد ہیں اور انیاس احمد بنی یوی مریم ہے۔ رابعہ احمد کے کہنے پر ریاض احمد دعا کو اپنے ساتھ لے جاتے ہیں کہ سوتیلی بھائی کے ساتھ رہنے کا اب جواز نہیں ہے۔

ریاض احمد کے دو بیٹے حمید اور عمر ہیں اور ایک بیٹی نوال ہے۔ حمید بہت سلجھا ہوا نوجوان ہے جس نے باپ کے ساتھ مل کر ان کا دیوار بھی سنبھال رکھا ہے۔ جبکہ عمر ایک کڑا ہوا ضدی اور خود سر نوجوان ہے۔

انیاس احمد اپنے بڑے بھائی ریاض احمد کے برابر میں اپنے بیوی بچوں کے ساتھ ہی رہتے ہیں۔ آئے جانے کے لیے درمیان میں دروازہ ہے۔ ان کی بیوی مریم ایک امیر خاندان سے تعلق رکھتی ہے۔ وہ بیوی کی جائیداد تنہائی کی کوشش میں ہیں۔ مریم کا ایک بھائی ایکسٹنٹ میں معذور ہو جاتا ہے اور اس کی بیوی مرثیٰ ہے۔ وہ ذاتی طور پر بھی ڈسٹرب ہو جاتا ہے۔ ڈاکٹراس کا علاج شادی تجویز کرتے ہیں۔

مشکل ٹاپل



انہم اور احسن ایک خوشگوار زندگی گزار رہے ہیں۔ لیکن اولاد کی کمی ان کی زندگی میں ہے۔ انہم کے شک کرنے پر احسن اپنا بیٹہ گھرا آتا ہے۔ انہم بہت پریشان ہے۔ احسن اسے کہتی دیتا ہے۔ لیکن اس کے بار بار پریشان ہونے پر ناراض ہو کر اسلم آباد چلا جاتا ہے۔ اس کی بہورت پانچ سو آٹھ ہاں مل گئی ہیں وہ بالکل نابل ہو گیا ہے۔ انہم کا زوریں بریکسٹ ڈاؤن ہو جاتا ہے۔ کی اس میں ہوتی ہے۔

ایلیاس احمد بنیادی طور پر لائی گئی ہے۔ اسے رشتوں کا بھی پاس نہیں۔ وہ اپنی بیوی سے بھی اکھڑا کھڑا رہتا ہے اور اپنے پیچھے عمریہ کو بھی باپ بھائی کے خلاف بھڑکاتا ہے۔

عمریہ اور دعا ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں۔ رابعہ احمد یہ پسند نہیں کرتی۔ عمریہ اور نواں دونوں بہن بھائی دعا کو ان کی ماں کے غم سے باہر لانے کی کوشش کرتے ہیں۔ ریاض احمد کو بس اور بھائی سے بہت محبت ہے۔ وہ اس کا بہت شیار لگاتے ہیں۔ عمر کو دعا کی آغوش میں بھائی دعا سے ہر وقت دلکش کردار مانتا ہے۔

دعا کو کچھ رعبہ رعبہ اس احمد کا بیٹا ذہن خفقت منصوبہ بناتا ہے۔ ایلیاس احمد کو عمر کے کئے پر اس کے والد سے اس کے پیٹھ پر ہنس کی سفارش کرتے ہیں۔ کئے ریاض احمد سختی سے رد کرتے ہیں۔ عمر ان سے مزبور رشتہ ہو جاتا ہے۔

تیمبر ملک اپنے مسند بھائی کی شادی اور مریم کو ان کا قصہ دے کر پیشہ کے لیے امریکہ میں ہوا پیش پڑھنا چاہتے ہیں۔ یہ سن کر ایلیاس احمد ایک شطرنج منصوبہ بناتا ہے۔ اور عمر کو اپنے ساتھ لیتے ہیں عمر کو ریاض دعا کے ساتھ استیصال دوستانہ ہو جاتا ہے۔ رابعہ احمد بھی اس کی حوصلہ افزائی کرتی ہیں کیونکہ انکس عمر مریم نے مشورہ دیا ہے کہ عمر اور دعا کی شادی ہو جاتی تو اب اپنے بے در میان خانے تک ہو جاتیں۔

ریاض احمد عمر اور دعا کی باہم پسندیدگی کو چاہتے ہیں۔ اور ان کی شادی کا عندیہ دیتے ہیں عمر رابعہ دعا کا عمر سے شادی سے گریز اور بار بار عمر اور دعا کے اچھے تعلقات کو بتاتی رہتی ہیں۔ دعا کے دل سے یہ ٹھک رہتا ہے۔

رابعہ احمد کو کوششوں سے عمر اور دعا کا تعلق سبک نظر میں آ جاتا ہے۔ ریاض احمد کو کھیل بھیجھ میں لگے ہیں۔ وہ عمر کو اسلم آباد رانچ کا چار دیوے دیتے ہیں۔

عمریہ کو دعا کا شادی سے انکار اور عمر سے تعلق کا رویہ ابھرنے میں ڈال دیتا ہے۔ دعا بھی ممانی کی نیت کا فتور سمجھ جاتی ہے عمر کو دعا کو رانی اور کھانا ہونے سے غم خاں ہوتی رہتی ہے۔

منصوبہ کے مطابق ایلیاس احمد تیار ہو کر ریاض احمد کے گھر جاتے ہیں جہاں دعا عمر کے کمرے سے رتھ ہوتی ہے۔ عمر ممانہ کا اعتراض کرتا ہے۔ رابعہ کو اس سارے ذرائع سے باہر خود ریاض ایک داغی پر نہیں ہوتا ہے۔ وہ عمر کو ڈانٹتی ہیں۔

ریاض احمد مد سے تیار ہو کر اپنی بیٹی بیٹی جاتے ہیں۔ اور دعا کو ایلیاس احمد اپنے گھر لے آتے ہیں۔ جہاں مریم اسے خوب بے عن طعن کرتی ہے۔ دعا ایک پچا پچا داغی ثابت نہیں ہو سکتی اس کی بیوی خود عمریہ کا بیٹی اسے قصور دانیس مانتا۔

ایلیاس احمد مریم کے مسند بھائی کے لیے دعا کا کام پیش کرتے ہیں۔ ایلیاس احمد اپنی بیٹی دار باقیوں سے مریم اور رابعہ اور دعا کو دعا کی آغوش سے شادی پر راضی کر لیتے ہیں۔ ریاض احمد اور نواں کے لیے عمریہ دعا کو اس کی شادی سے ایک روز قبل ایلیاس کے چکل سے چھڑا لیتا ہے اور اسے اپنی بہن کا قاتلین دلا کر اس کے سوئے ہوئے کمرے کے دروازے پر چھوڑ آتا ہے۔

اس کا سوتا بھائی ملک چھوڑ کر چلا جاتا ہے۔ دعا کو نواں کرتی ہے تو چار پتلا ہے۔ عمر نے عمریہ کو گولی مار دی ہے۔ تو کرائی اسے نہیں اور جانے کا مشورہ دیتی ہے۔ بہت بری حالت میں دعا اپنی دوست انہم کے گھر پہنچ جاتی ہے اور اسے اپنے حالات بتاتی ہے۔

دعا کے حقیقی رابعہ کے اصل خیالات اور عمر کے کوتاہی جان کر ریاض احمد ان سے ناراض ہو جاتے ہیں۔ یہ نصف خود کشی کر لیتا ہے۔

انہم دعا کو اپنے گھر میں پناہ دے دیتی ہے۔ انہم کی ساس کینیز اسے لے آتی ہیں۔ انہیں یہ بات پسند نہیں آتی۔ وہ انہم اور دعا کو موازنہ کرتی ہیں۔ یہ بات دعا کو ابھرنے میں ڈال دیتی ہے۔ دعا انہم کو اس کی بے اولاد کی احساس دلاتی ہیں۔ عمریہ کا نواں کئے میں بیٹھا جاتا ہے۔ ریاض احمد عمریہ اور نواں کی رشتہ پر ایلیاس احمد کو اپنی غلطیاں سوچنے پر مجبور کر دیتی ہے۔ عمریہ کی حالت میں اس سے بھی بد نظری کرتا ہے۔ اور ایلیاس احمد سے بھی جیوں کا تقاضا کرتا ہے اور سارا جرم عمر کے سامنے اگل دیتا ہے۔ نواں کا بھڑا ہو جاتا ہے اور عمر ایلیاس احمد پر فخر کرتا رہتا ہے۔ عمریہ ایلیاس احمد کو اپنا سہا لے جاتا ہے۔ مریم عمریہ کو عمر اور ایلیاس احمد کے گھر کو اور سارا جی کا بتاتی ہے۔ عمر کو نہیں چلا کر لے جاتی ہے۔ قاتل میں اس پر خود ہو گیا ہے۔ عمریہ اور ریاض احمد قاتل جاتے ہیں جہاں سے بدلے کی خاطر عمر انہیں جی جی جاتا ہے۔

تیمبر احمد مریم کو اس کے جسے کی جاسکے اور اس کے کیروں ملک جیلے جاتا ہے۔ مریم کو نواں کی رشتہ بہت پسند ہے۔ وہ ایلیاس احمد سے نفرت کرنے لگتی ہے۔ ایلیاس احمد اپنی جگہ مرندہ ہوتا ہے۔

اسن اپنی ماں اور بیوی کو ہر ممکن روکنے کی کوشش کرتا ہے کہ ان کا رہتا ہے۔ اس کی دعا سے شادی ہو جاتی ہے۔ وہ دعا کو اپنے ساتھ کا قاتلین دلاتا ہے دعا اس سے رشتے سے خوش ہے۔ جبکہ عمر متعاقب کیفیت کا شکار ہے۔ رابعہ احمد کو کمر بہت یاد آتا ہے۔ وہ دیر سے سوانی لگتی ہیں۔ عمر نے چاہتے ہوئے بھی ماں کی ہر خطا کو معاف کر دیتا ہے۔

## فوس فیلیپس

دعا بہت اچھا اور لیتے سے نکالتی تھی۔ کہا جاتا ہے کہ ہر چیز تپ تول سے استعمال کرنا اور روز کی قدر کرنا اس کے اپنی ماں سے سیکھا تھا۔ وہ بھی اس میں ذائقہ میں بہت تھا۔ اس نے بھی بازاری کی پکٹ یا سالہ جات کا استعمال نہیں کیا تھا۔ جب سے وہ اس گھر میں آئی تھی انہم نے ہماری زندگی سے سب سے خود کو اس واحد مصروفیت سے بھی آزاد کر لیا تھا۔

اسن کو بھی دعا کے ہاتھ کا پکٹ پکٹ تھا۔ "ہلیز نو آرمگوت دعا! آج سے بریک فاسٹ میں بننا کروں گی شام سے لے کر رات ڈرنک کی سہولتیں تمہاری، احسن رات بھی مجھ سے گڈ کر رہے تھے کہ میں نے کتنے روز گزرے انہیں اپنے ہاتھ کا پکٹ پکٹ نہیں کھلایا۔"

تیمبر نے اور احسن کے لیے بریک فاسٹ، اگر کچھ خاص کھانے کا دل ہے تو تادو۔ دعا غرا پیچھتے تھی۔

"تم جوں، میں ناشر بنا لیتے ہوں۔" دو آگے

پڑھی۔ "تو پڑا اہم اور ذرا سا تو کام سے، تم نہیں جا

حرکات اور دعا کا دھواں ہوتا چہرہ دیکھ رہا تھا۔ کچھ

دعا کے ہاتھ سے انڈے والا پیالہ در پڑ گیا۔

جہاں کے باہر کھڑا احسن، انہم کا جھوٹ اس کی

ایسا ہی حال اس کا بھی تھا۔ اس نے قہقہے نکل کر خود پر قابو پایا۔  
 ”تو بار! تم یہاں کبھی ہو، تم جہیں ادھر دو صوبہ رہا ہوں۔ مجھے آس کے لیے تیار کروادو، یوڈو میل، مجھے خود سے کچھ بھی نہیں ملتا، پھر کبھی کہ ساری دواؤں رو بہ احتیاج اس کر دیا۔“

وہ بڑے انجان چن سے بولتا لیکن میں داخل ہوا، وہ اسے یہاں سے نانا چاہتا تھا۔  
 ”میں نے آپ کی ضرورت کی ہر چیز نکال کر بیڈ پر دھری ہے، آپ کو کچھ بھی صوبہ سے احتیاج اس کرنے کی ضرورت نہیں پڑے گی، پردہ مٹ میں ریڈی ہو کے ٹیبل تک آ جائیں۔“ وہ خود کو اتنا مصروف ظاہر کر رہی تھی کہ مڑ کر دیکھنے کی زحمت بھی نہیں کی۔  
 ”تم یہاں انٹیچو کی کیوں کڑی ہو؟“

وہ کبھی اتنی آسانی سے نلے اور انہیں تھا۔ دعا کی چند منٹ پہلے ہوئی دل آزاری کا خیال ادا کر گیا تھا۔ اس کی حساس طبیعت کو اسے مصروف لڑکی کی روٹی صورت پر ادراست نہیں ہو رہی تھی اس لیے بڑے عام سے سبک میں یوٹی پیوچا گیا۔

”نہیں..... نہیں تو بس یوٹی۔ ہم باتیں کر رہے تھے۔“ سوال دعا سے تھا اور جواب دینے والی انہم تھی۔  
 اسن چرت زدورہ گیا۔  
 ”اب بھگتیں آ، آفس سے لپٹ ہوئے گا ارادہ ہے۔“ بڑے لاڈ سے اسن کو پکڑ کر باہر کی طرف دھکیلا۔

”اور تم اپنے بیڈروم میں جاؤ دعا! میں اسن کو آفس بھیج کے تمہارا ناشدہ ہیں بھجوا دی ہوں۔“ وہ پھر سے کانٹریکٹ طرف رخ موڑنے سے آلیٹ فرمائی کرنے لگی۔

دعا کی کل ادائیگی نے جزد مٹا دیا تھا۔ وہ ابھی بھی تیارہ تھا۔ حالانکہ وہ اسن کو رات بھی اپنے پاس روک کے کسی حد تک بدلے لے چکی تھی۔  
 اسن ابھی بھی جس سے باہر کھڑا تھا۔ دعا تیزی

سے اس کے پاس سے گزرتی، شاید وہ اپنے آنسو چھپا رہی تھی یا اسے وہم تھا۔  
 اسن کیا کر سکتا تھا۔ فی الحال چپ رہنے کے سوا انہم اپنی پانچک بہت سرور تھی۔ اس کا اسن پر پہلا حق تھا ابھی اسکی اور بھی تھی۔  
 ☆☆☆☆

اسن آفس سے واپس آیا تو، انہم بالکل تیار تھی۔ وہ عاودہ اس کے آنے سے چندہ منٹ قبل کچن میں دس کام سوپ کے، مصروف کر چکی تھی۔  
 باتوں کے دوران ہی اس نے ملازمہ کو وائز دے کے اس سے کمرے میں منگوا لی تھی۔ اسن کو حیرت ہوئی کیوں کہ جائے پیشہ اس بلاؤنگ میں ہی بی جانی تھی۔ جائے اور لوازمات سے انصاف کرنے کے بعد، وہ پھر سے باہر جانے کے لیے پرتو رہا تھا کہ اس نے ناشوش چھوڑ دیا۔

”میرا دل شادی کی کچھ زور دیکھنے کو چاہ رہا ہے۔“ کھانے میں ابھی ہم تھا، وہ نہیں چاہتی تھی کہ اسن بلاؤنگ میں جا کر بیٹھے یا کام کر لی دعا اس کی نظروں میں آئے۔

”ایسا کرو، دعا کو بھی ملاو، مودی لگاتے ہیں، سب مل کر ابھرنے کریں گے، پائی رادو سے وہ ہے کہاں؟ میں جب سے باہر ہوں، وہ نظر نہیں آتی۔“ اس نے بڑا نادل ساجید اختیار کیا۔ تاکہ اسے کچھ خاص محسوس نہ کرے۔  
 ”میں آپ کی اور اپنی شادی کی تصویریں دیکھنے کی بات کر رہی ہوں، ہماری پرائیویسی میں دعا کا کیا کام؟ ویسے بھی وہ جگہ میں مصروف ہے۔“ اس نے دکھائی سے اطلاع دی اس کے۔ مانتے پر اقلندہ اعلیٰ تھے۔

”نو پرائیوٹ ہمارے بیڈروم میں نہیں آ سکتی لیکن ہم بلاؤنگ میں جا سکتے ہیں پھر پرائیویسی متاثر نہیں ہوگی اور جگہ ملازمہ کے سر دیا جا سکتا ہے۔“ اس کا مودہ بھی یکدم بچیدہ ہو گیا۔ جواب اس کے مانتے پر کبھی اعلیٰ ابھرے۔

یہ رشتہ اس کی ضد اور زور زدہ برکتی کرنے پر چڑھا۔ ابھی وہ اس رشتے اور بے تعلقی کو محسوس بھی نہیں کر پایا تھا کہ دروازہ کھلی ڈالنے لگی تھی۔  
 ”اگر میری بیٹی آپ کو پور کر رہی ہے تو پلیز گو۔“ اس کے چہرہ خاصے ہو گئے تھے۔ وہ اس کے پاس سے اٹھ کے الماری کی نچلے دروازہ کھول کے کھٹکا لگی۔

اب وہ صرف اس کا ”اسن“ نہیں رہا تھا۔ انہم جان بوجھ کر لارہائی برت رہی تھی جبکہ وہ اپنی تعلیم قبول کر چکا تھا۔ انصاف کا ترازو بھی اس کے ہاتھ میں تھا۔ اب وہ غلط اور ناجائز بات پر انہم کو مانتے والا نہیں تھا۔  
 ”میں اسٹڈی میں جا رہا ہوں، کھانا لگ جائے تو مجھے میچ بھیج دینا۔“  
 وہ خاص شجیگی اختیار کیے خاموشی سے اٹھ گیا۔

انہم نے حیرت اور دکھ سے اسے کمرے سے نکلے دیکھا کیونکہ وہ اس سے معذرت کی توقع کر رہی تھی۔

☆☆☆☆

ملازمہ نے اسٹڈی میں اسن کو کھانا لگنے کی اطلاع دی۔ انہم کمرے سے باہر نہیں آئی۔ اس کا مودہ خراب تھا اسے اسن پر بھی غصہ آ رہا تھا۔ اسے اسن کے بدلے تیار اور دیگر امراض بہت کچھ دیکھ کر رادو ہے تھے۔ انہم اپنی سوچ کے مطابق سارا قصور دعا کے کھاتے میں ہی ڈال رہی تھی، اور جبران بھی تھی۔ جو اسن نکالنے سے آخری منٹ قبل بھی اس رشتے کے لیے راضی نہیں تھا اب وہ کس طرح اس کی کھیتی سے جان چڑھا کر دعا کے ساتھ وقت بٹاتا چاہتا تھا۔ وہ اپنی جلدی اسن کا کنٹرول اپنے ہاتھ سے جانے نہیں دیتا چاہتی تھی۔

جبکہ اسن کا خیال تھا کہ وہ جادو کی دہکن کا اس کے خارج وقت پر زیادہ حق ہے لیکن انہم کی قومی طبیعت کے پیش نظر اپنی اس سوچ میں ترمیم کرنے

ہوئے وہ چاہتا تھا کہ خود ہی ایک جگہ، ایک ساتھ تو بیٹھ سکتے ہیں۔ انہم تو اپنی خواہش نکالنے کے لیے بھی تیار نہیں تھی حالانکہ اس رشتے کے بڑے بے عمل وہ دعا کو بوجھ کے لیے تھی۔ تب نہیں چھوڑی تھی۔ ان کی خاموشی مونا ساتھ ہی زبردستی تھی۔  
 انہم نے ٹیبل تک آنے سے انکار کر دیا تھا۔  
 وہ اپنے اندر اٹھنے ابال کو بے شکل دباتا کرے میں گیا۔

”انہم! آ کھانا کھائیں۔“ اس نے بہت صبر و تحمل کا مظاہرہ کیا۔  
 ”تم جادو، میں نے اپنی فرسے بیڈروم میں منگوا لی ہے۔“ وہ ملا جلا ہے سبکھے بالوں کو سنوارنے لگی۔ اس کی آنے اس کا دل شاد کر دیا تھا۔  
 ”کیوں؟“ اس کی دیکھیں تھیں۔  
 ”کیونکہ میری طبیعت ٹھیک نہیں۔“ اس نے مبالغہ آرائی سے کہا۔

اس نے اسباب سارخ خارج کرتے ہوئے ملازمہ کو بیڈروم میں روٹوں کا کھانا لگانے کی ہدایت کی۔  
 انہم کا سر اور خون بڑھ گیا۔ بظاہر اس نے خود کو باؤل پر سکون رکھا۔

اسن کے جڑے سے کچھ اور اب خاموش تھے۔  
 پہلی بار ان کے کچ کا بغیر گفتگو کے کھایا گیا تھا۔ وہ اسے خاموش رو کے اپنی پائیندگی اور اس کی نا انصافی کا احساس دلانے کی کوشش کر رہا تھا۔ جو نامکمل تھا۔

☆☆☆☆

وہ ریوالونگ جینز کی پشت سے سر نکالنے آ نکھیں موندے پر اڈا تھا۔ جس سے اس کے سر میں ہکا سا درد تھا۔ ساری مصروفیت ترک کر کے، دو کپ جائے ٹیبلٹ کے ساتھ لی چکا تھا۔ لیکن سر درد میں ذرا بھی فرق نہیں پڑا تھا۔ اس کا وہاں کچھ نہ تھے۔ اس کے مانتے پر تکلیف سے مل پڑ گئے۔  
 اس نے جھٹکالے کے بغیر نبرد تھے موبائل کے سہ لایا۔

”ہیلو.....!“ اس کا انداز جارحانہ تھا۔

”تمہاری طبیعت ٹھیک ہے احسن، مجھے تمہارے متعلق بہت برے برے خیالات تک کر رہے ہیں۔“

دل آسا اس کی آواز سننے ہی شروع ہو گئیں۔ ان کا لہجہ انتہائی فکر مندانہ تھا۔ انہوں نے یقیناً برا خواب دیکھا تھا۔

احسن اس آواز پر سوچا ہوا۔ باز دیکھ لیں کہ سطر رکھا۔ اس کے دہرے مکان میں بھی نہیں تھا کہ اس سے ہزاروں میل دور ٹیکس ہاں کے دل کو اس کی پریشانی سے رادہ ہے۔ وہ حیرت میں غرق ہو سکے بھر۔

”احسن..... احسن آؤ بیڑ، کچھ تو بولو۔“ ماں کی بات پر توجہ نہ دیا۔ وہ اس کی آواز سے بغیر میری سب جان گئی تھیں۔

”ماما جان..... ماما جان۔“ اس کا ذہن بالکل خالی تھا۔ وہ ان سے کیا کہے، کیا بتائے اور کیا چھپائے۔ عقل ماؤف تھی۔

”پلیز ماما جان! یہ آپ نے کیا کر دیا۔ اپنے بچے کے ساتھ اتنا برا احسن، میں سچ کہتا ہوں۔“ اس نے ہنسنے لگی۔

”کیا ہوا احسن! تم اتنے ہرٹ کیوں ہو؟ کوئی آفیشل پارٹنر ہے یا تم نے لڑ بکر دی ہے۔“

ماں کا دم گھٹ گیا، لاڈلا سیوت خود سے اتنی دور تکلیف میں مبتلا برداشت نہیں ہو رہا تھا۔

”دوسرے لڑ بکر دی ہے یا ماما جان، میں نے سیکڑوں بار منع کیا تھا کہ اتنا برا انتہاب صرف احسن کی جذباتیت میں آ کر مت میل، تب آپ کو صرف اپنا انیشیٹس، ورافت، جائیداد اور خائے کسی کس چیز کا کام کھائے جارہا تھا۔ اب سب کچھ ٹپک کر کے آپ دہاں جا کے بیٹھ گئی ہیں، یہاں مجھے بھستار پر رہا ہے۔ مجھے احسن سے بے حد محبت ہے لیکن میں اسے اپنی محبت کا ناجائز کام دیکھنا نہیں چاہتا۔“

وہ اپنے اندر کی جڑوں سے کچھ لے کر تپ ایک دم سے شروع ہو گیا۔ اتنے دنوں کے غم و غصے کو کاس کا

رسٹل گیا تھا۔

”دو کیا ہے؟ یہ بتاؤ۔“ وہ اس خوفناک گفتگو سے بچنا چاہتا تھا۔

”احسن نے مجھے کمرے میں قید اور خود تک محدود کر رکھا ہے۔ وہ مجھے لحد بھر کو خود سے الگ نہیں کرنی ماما میں غیظ ہو گیا ہوں۔“ وہ اپنی زنج آچکا تھا۔

”خام کو آفس سے لوٹنے کے بعد مشکل چند گھنٹے ہوئے ہیں تمہارے اور احسن کے، آج اسے نری سے ہنڈل کر لیا کرو، رات کو پھر دم کو رات دیتے ہو، ابھی تک ہی۔“

”میں رات کو بھی احسن کے ساتھ ہی ہوتا ہوں ماما، وہ رات کو بھی اچھا اچھے کے میری پھر سے داری کرتی ہے۔“ اس نے ہنسنے لگی۔

”جوسو میں اب اسے ڈس رہی ہیں، یہ چند دنوں میں سوچ لیتی یا پھر میرے بھانے میں چل رہی ہیں۔ اب تو۔“

احسن بغیر سانس لیے بولے چلے جا رہا تھا، اس کے اندر بہت سا غراں تھا۔

”کی کو اسٹ احسن، مجھے مزید کچھ نہیں سنتا۔ میں باقی ہوں احسن، یہ اپنی نادانی میں غلط کرنا کہ میں لیکن تمہاری تو ٹون ہی بدل گئی ہے۔ بہر حال میں اسے سمجھا دوں گی۔“

”میں بھی اتنا اموشل ہونے کی ضرورت نہیں۔ وہ آہستہ آہستہ اس سننے کو قبول کر لے گی، شو پر کو شیکر کرنا کسی بھی عورت کے لیے اتنا آسان نہیں ہوتا تو پھر اس کی محبت ہو۔“

”وہ آواز سننے کی سار کا ل قطع کر دی۔ احسن موہاں کان سے پتا نہ دے سکا کہ کیا ہوا۔

وہ جانتا تھا کہ احسن اس دنیا میں صرف دل آرا کی بات بولتا ہے، وہ اس کے لیے کہتا ہے کہ وہ ضرور اسے سمجھا لیں گی۔

☆☆☆

دعا نے صبح کے وقت بیڑوم سے باہر آ چھوڑ دیا تھا۔ شام میں جن کی ڈسے دارنی خاموشی سے بھا رہی تھی۔ احسن کو رخصت کر کے اس کا ناشہ بھی کرے گی، میں بھجوا رہی۔ دعا کا دل احسن کی طرف

سے بہت برا ہوا تھا۔ اسے اتنی جلدی بدلانی چاہی تھی۔

”میرے گیارہ بجے وہ سو کے ابھی تو نہ ہاتھ دھو کے سہیلاؤ میں آئی تھی۔ تب ہی اسے یاد آیا۔“

”میں نے دعا کو بریک فاسٹ نہیں بھجوا۔ وہ ماتھے پر ہاتھ مار کے بڑبڑاتی۔

”ناہید..... ناہید۔“ اس نے ملازمت کو آواز دی۔ وہ کچن میں برتن دھو رہی تھی۔

”جی ٹیکم صلیب۔“ وہ دوپٹے سے ہاتھ پرچھ رہی تھی۔

”دعا نے ناشہ کر لیا۔“ اس نے سارے پال سمیٹ کے کچر میں بھرتے ہوئے انتظار کیا۔

”میں ہی وہ صبح سے اپنے کمرے سے ہی نہیں نکلتی۔“

”یہ لڑکی بھی نا۔“

اس نے ٹی میں سر بھونکا اور کچن میں جانے لگی۔ جلدی سے اس کے لیے ناشہ کی ڈسے تیار کی۔ بغیر دیکھ دے وہ اس کے کمرے میں حاضر تھی۔

”دعا۔ سو رہی ہو دعا۔“

وہ منہ پر کچھ رکھے لگتی تھی۔ ”میں تو..... بس پوچھ لیتی ہوں۔“ وہ کچھ پرے پیچک کے اٹھ بیٹھی۔

”سو رہی یار! میں تمہارا بریک فاسٹ لاٹا بھول گئی۔ اب یاد آ رہا تو فوراً دوڑی چلی آئی گی۔“

بڈیز ہو کر خود سے اٹھ کے کچھ کھایا نہیں۔ وہ خود کو لپٹی پاتی مار کے بیڑ پر بیٹھ گئی۔

اور انداز انتظار تھا۔ وہ کال دی تو اس میں کیا۔ کئی موصوم بن رہی تھی۔

”تم نے خود ہی تو مجھے جن میں آنے سے منع کیا تھا۔ شاید تم بھول گئی ہو۔“ اس نے بڑے آرام سے بتایا۔

”وہ تو میں نے احسن کی موجودگی میں، لیکن میں آنے سے منع کیا ہے۔ اس کی غیر موجودگی میں، تم سارے گھر میں آرام سے گھوم پھرتی ہو۔ ایسا

مشہور مزاح نگار و ماسٹر انشاء جی کی خوبصورت تحریریں،

کارٹونوں سے مزین

آہستہ لمحات، مضبوط جلد، خوبصورت کردہ پیش

کتاب نمبر

قیمت

450/-	طرز	ادارہ گر کی لازمی
450/-	طرز	یاد رکھو
450/-	طرز	میں بطور کتاب
275/-	طرز	پتے پر دیکھنا
225/-	طرز	گر کی ہر سار
225/-	طرز	عزیز
225/-	طرز	آرڈر کی آخری کتاب
300/-	طرز	میں کی کر کے
225/-	طرز	چاند
225/-	طرز	دل و عشق
200/-	طرز	اعزائے
120/-	طرز	اداریہ
400/-	طرز	بائیں
400/-	طرز	آپ سے

مکتبہ عمران ڈائجسٹ

37، اردو بازار، کراچی

لبست پہ مگر اب جتنا میرا ہے اتنا تمہارا بھی ہے مگر یاد رکھنا صرف گھر۔۔۔

دعا جرت سے من کو ملے اسے دیکھتے رہ گئی۔ وہ دھماکا بھی یاد آ رہا تھا، کیا یہ اس کا نظم، وہ فرق نہ کر پاتی کیونکہ اس کا بچہ تاریل تھا۔ اسے اسے وہ اس پابندی کو کوئی بھی نام دینے سے قاصر تھی۔

”جلدی سے شروع ہو جاؤ، بھوک بڑھتا یا سوچ دیکھا کا نظم، اپنی کھجی سی جان پر مت کرو۔ یہ میرا تمہارے ساتھ دوسرا ناشتہ ہے۔“

”اچھا تم نے ایک آٹھ بجاتے ہوئے سلاخی اٹھالیا۔ اسے چند منٹ قبل زوروں کی بھوک مٹی کی جو اس کی ذہنی نشوونما سے انفرادی کی۔ مگر اس کی ذات سے بڑی سیکڑوں مجبور یوں میں سے ایک پیوری یہ بھی تھی کہ وہ انکار کرنے کی جرأت نہیں کر سکتی تھی۔ اس نے خاموشی سے سلاخی اٹھالیا۔“

”جلدی سے فٹس کر کے، وہ اسڑاگ سے گلگ مارنگ جائے کے بنا کے لے آؤ۔ جب سے تمہارے ہاتھ کا ڈالفتہ نہ لگے، اپنے ہاتھ کی چاٹنے سے کو تھکنا دل نہیں چاہتا۔“

”جی جی تیری یہ وہ کھاری تھی اتنی ہی تیز اس کی زبان بھی تھی رسی کی اور دعا سوائے انہاں میں سر ہلاتے رہتے کے اور کچھ نہیں کر سکتی تھی۔“

☆☆☆☆

بظاہر ہر ٹھیک تھا۔ مریم خاموشی سے الیاس احمد کے سارے کام پہلے سے پہنچا اور وقت پر سر انجام دیتی۔ اس کی ہر ضرورت اور فرائض ایک نگار پہ پوری ہو جاتی۔ بچوں کے بیڑ کو بٹا کے، وہ خود اپنی ٹیوشن دینے کی ک ک فارغ وقت اس کے ساتھ گزارتی، الیاس احمد کو بہت ادب و آداب کے ساتھ مخاطب کرتی۔ یہ وہ گھریلو امور خصوصاً بچن میں مٹی کی گچھی لینے لگی تھی۔

اس سب کے باوجود بہت کچھ غلط بھی تھا۔ وہ خود سے شاذ و نادر ہی الیاس احمد کو مخاطب کرتی۔ کبھی تو وہ دد دن نر نہ جاتے۔ وہ اس کی پوچھنی کی بات کا

لبست پہ مگر اب جتنا میرا ہے اتنا تمہارا بھی ہے مگر یاد رکھنا صرف گھر۔۔۔

دعا جرت سے من کو ملے اسے دیکھتے رہ گئی۔ وہ دھماکا بھی یاد آ رہا تھا، کیا یہ اس کا نظم، وہ فرق نہ کر پاتی کیونکہ اس کا بچہ تاریل تھا۔ اسے اسے وہ اس پابندی کو کوئی بھی نام دینے سے قاصر تھی۔

”جلدی سے شروع ہو جاؤ، بھوک بڑھتا یا سوچ دیکھا کا نظم، اپنی کھجی سی جان پر مت کرو۔ یہ میرا تمہارے ساتھ دوسرا ناشتہ ہے۔“

”اچھا تم نے ایک آٹھ بجاتے ہوئے سلاخی اٹھالیا۔ اسے چند منٹ قبل زوروں کی بھوک مٹی کی جو اس کی ذہنی نشوونما سے انفرادی کی۔ مگر اس کی ذات سے بڑی سیکڑوں مجبور یوں میں سے ایک پیوری یہ بھی تھی کہ وہ انکار کرنے کی جرأت نہیں کر سکتی تھی۔ اس نے خاموشی سے سلاخی اٹھالیا۔“

”جلدی سے فٹس کر کے، وہ اسڑاگ سے گلگ مارنگ جائے کے بنا کے لے آؤ۔ جب سے تمہارے ہاتھ کا ڈالفتہ نہ لگے، اپنے ہاتھ کی چاٹنے سے کو تھکنا دل نہیں چاہتا۔“

”جی جی تیری یہ وہ کھاری تھی اتنی ہی تیز اس کی زبان بھی تھی رسی کی اور دعا سوائے انہاں میں سر ہلاتے رہتے کے اور کچھ نہیں کر سکتی تھی۔“

☆☆☆☆

بظاہر ہر ٹھیک تھا۔ مریم خاموشی سے الیاس احمد کے سارے کام پہلے سے پہنچا اور وقت پر سر انجام دیتی۔ اس کی ہر ضرورت اور فرائض ایک نگار پہ پوری ہو جاتی۔ بچوں کے بیڑ کو بٹا کے، وہ خود اپنی ٹیوشن دینے کی ک ک فارغ وقت اس کے ساتھ گزارتی، الیاس احمد کو بہت ادب و آداب کے ساتھ مخاطب کرتی۔ یہ وہ گھریلو امور خصوصاً بچن میں مٹی کی گچھی لینے لگی تھی۔

اس سب کے باوجود بہت کچھ غلط بھی تھا۔ وہ خود سے شاذ و نادر ہی الیاس احمد کو مخاطب کرتی۔ کبھی تو وہ دد دن نر نہ جاتے۔ وہ اس کی پوچھنی کی بات کا

لبست پہ مگر اب جتنا میرا ہے اتنا تمہارا بھی ہے مگر یاد رکھنا صرف گھر۔۔۔

دعا جرت سے من کو ملے اسے دیکھتے رہ گئی۔ وہ دھماکا بھی یاد آ رہا تھا، کیا یہ اس کا نظم، وہ فرق نہ کر پاتی کیونکہ اس کا بچہ تاریل تھا۔ اسے اسے وہ اس پابندی کو کوئی بھی نام دینے سے قاصر تھی۔

”جلدی سے شروع ہو جاؤ، بھوک بڑھتا یا سوچ دیکھا کا نظم، اپنی کھجی سی جان پر مت کرو۔ یہ میرا تمہارے ساتھ دوسرا ناشتہ ہے۔“

”اچھا تم نے ایک آٹھ بجاتے ہوئے سلاخی اٹھالیا۔ اسے چند منٹ قبل زوروں کی بھوک مٹی کی جو اس کی ذہنی نشوونما سے انفرادی کی۔ مگر اس کی ذات سے بڑی سیکڑوں مجبور یوں میں سے ایک پیوری یہ بھی تھی کہ وہ انکار کرنے کی جرأت نہیں کر سکتی تھی۔ اس نے خاموشی سے سلاخی اٹھالیا۔“

”جلدی سے فٹس کر کے، وہ اسڑاگ سے گلگ مارنگ جائے کے بنا کے لے آؤ۔ جب سے تمہارے ہاتھ کا ڈالفتہ نہ لگے، اپنے ہاتھ کی چاٹنے سے کو تھکنا دل نہیں چاہتا۔“

”جی جی تیری یہ وہ کھاری تھی اتنی ہی تیز اس کی زبان بھی تھی رسی کی اور دعا سوائے انہاں میں سر ہلاتے رہتے کے اور کچھ نہیں کر سکتی تھی۔“

☆☆☆☆

بظاہر ہر ٹھیک تھا۔ مریم خاموشی سے الیاس احمد کے سارے کام پہلے سے پہنچا اور وقت پر سر انجام دیتی۔ اس کی ہر ضرورت اور فرائض ایک نگار پہ پوری ہو جاتی۔ بچوں کے بیڑ کو بٹا کے، وہ خود اپنی ٹیوشن دینے کی ک ک فارغ وقت اس کے ساتھ گزارتی، الیاس احمد کو بہت ادب و آداب کے ساتھ مخاطب کرتی۔ یہ وہ گھریلو امور خصوصاً بچن میں مٹی کی گچھی لینے لگی تھی۔

اس سب کے باوجود بہت کچھ غلط بھی تھا۔ وہ خود سے شاذ و نادر ہی الیاس احمد کو مخاطب کرتی۔ کبھی تو وہ دد دن نر نہ جاتے۔ وہ اس کی پوچھنی کی بات کا

لبست پہ مگر اب جتنا میرا ہے اتنا تمہارا بھی ہے مگر یاد رکھنا صرف گھر۔۔۔

دعا جرت سے من کو ملے اسے دیکھتے رہ گئی۔ وہ دھماکا بھی یاد آ رہا تھا، کیا یہ اس کا نظم، وہ فرق نہ کر پاتی کیونکہ اس کا بچہ تاریل تھا۔ اسے اسے وہ اس پابندی کو کوئی بھی نام دینے سے قاصر تھی۔

”جلدی سے شروع ہو جاؤ، بھوک بڑھتا یا سوچ دیکھا کا نظم، اپنی کھجی سی جان پر مت کرو۔ یہ میرا تمہارے ساتھ دوسرا ناشتہ ہے۔“

”اچھا تم نے ایک آٹھ بجاتے ہوئے سلاخی اٹھالیا۔ اسے چند منٹ قبل زوروں کی بھوک مٹی کی جو اس کی ذہنی نشوونما سے انفرادی کی۔ مگر اس کی ذات سے بڑی سیکڑوں مجبور یوں میں سے ایک پیوری یہ بھی تھی کہ وہ انکار کرنے کی جرأت نہیں کر سکتی تھی۔ اس نے خاموشی سے سلاخی اٹھالیا۔“

”جلدی سے فٹس کر کے، وہ اسڑاگ سے گلگ مارنگ جائے کے بنا کے لے آؤ۔ جب سے تمہارے ہاتھ کا ڈالفتہ نہ لگے، اپنے ہاتھ کی چاٹنے سے کو تھکنا دل نہیں چاہتا۔“

”جی جی تیری یہ وہ کھاری تھی اتنی ہی تیز اس کی زبان بھی تھی رسی کی اور دعا سوائے انہاں میں سر ہلاتے رہتے کے اور کچھ نہیں کر سکتی تھی۔“

☆☆☆☆

بظاہر ہر ٹھیک تھا۔ مریم خاموشی سے الیاس احمد کے سارے کام پہلے سے پہنچا اور وقت پر سر انجام دیتی۔ اس کی ہر ضرورت اور فرائض ایک نگار پہ پوری ہو جاتی۔ بچوں کے بیڑ کو بٹا کے، وہ خود اپنی ٹیوشن دینے کی ک ک فارغ وقت اس کے ساتھ گزارتی، الیاس احمد کو بہت ادب و آداب کے ساتھ مخاطب کرتی۔ یہ وہ گھریلو امور خصوصاً بچن میں مٹی کی گچھی لینے لگی تھی۔

اس سب کے باوجود بہت کچھ غلط بھی تھا۔ وہ خود سے شاذ و نادر ہی الیاس احمد کو مخاطب کرتی۔ کبھی تو وہ دد دن نر نہ جاتے۔ وہ اس کی پوچھنی کی بات کا

شام کے کھانے کی تیاری کر کے ہوئے اس نے چائے بنا کے ملازمرہ کے ہاتھ نام لکھوا دی۔ وہ دن بھر میں چارہ پانچ جا جائے، ضرور پہنچی گی۔ تو دوی دیر بعد ملازم سب لیے واپس آگئی۔

”چھوٹی لی لی! ایک منگ صلیب کھڑی ہیں کہ نہیں چائے نہیں چینی۔“ ملازم نے کب سلیب پر کھڑا کیا۔

”کیوں، کیا ہوا؟ طبیعت تو ٹھیک ہے نا اس کی؟“ دعا فرماتے ہوئے۔

”چائے نہیں جی، انہوں نے دو پیڑ کھجور بھی نہیں کیا، کچھ چائے، عارضی یا عارضی لگ رہی ہیں بیک صلیب۔“ ملازم نے اپنا انداز بدل دیا۔

”کیا وہ تیار نہیں ہوئی۔“ روز احسن کے آنے سے قبل دو فریٹس ہو کے سبک اپ ضرور کرنی تھی۔ ملازم نے بھی میں سر بلایا۔

”تم کب کب کب مسالا بنا دو، میں انہم کو دیکھتی ہوں۔“ وہ سبک میں ہاتھ دھوئے لگی۔

احسن کے آنے میں آدھ گھنٹہ تھا۔ اس نے نہا کر کپڑے بدلے اور انہم کی طرف آگئی۔ وہ دیر اندازی مثل بنائے بیٹھی تھی۔

”کیا ہوا انہو۔“ ایسے کیوں بیٹھی ہو، تم ٹھیک تو ہو؟“ وہ اپنی بیٹائی چھانٹ پائی۔

”سب ٹھیک ہے۔“ اس نے بے دینی سے جواب دیا۔

”لیکن تمہارا چہرہ کچھ ہونے کی چٹلی کھا رہا ہے۔“

”میں نے کہا تھا کہ نہیں ہوا مجھے۔“ اب کے اس نے بغور اس کے صاف سترے چہرے کو دیکھا۔ بری کا جوڑا پہن رکھا تھا، چہرہ بھی قسم کے سبک اب سے پاک تھا۔

”تو پھر کل والے کپڑوں میں کیوں ہو، احسن کے آنے میں بہت کم ٹائم ہے، انھو بدلی سے فریٹس ہو جاؤ۔“ دعا نے نرمی سے اس کا ہاتھ چڑک رکھا۔

”بجائے میرا ہاتھ چھوڑو۔ تم بہت اچھی لگ رہی

ہو، تم ہی انہیں ایڈجسٹ کرنا، بہت خوش ہوں گے۔ وہ“ اس کا لہجہ طعنے پر تھا۔ ساری شام چپن میں کا م کرنا تھا پھر انتظار کیا جوڑا پہننے کی کیا ضرورت تھی۔

”تم اتنا ڈر کیوں ہوئی جا رہی ہو۔“ اسے انہم کے طے سے دلی تکلیف ہوئی تھی۔

”کیونکہ میرے ساتھ بہت کچھ غلط ہو رہا ہے۔“ وہ دونوں ہاتھ اٹھائے دہشتی سے بولی۔

”بہت زور کا چوکھلا، دعا کا دل کٹ کر رہ گیا۔ وہ دھڑک دھڑک کر اپنے بغیر باہر آگئی۔ انہم نے زور سے لگی میں سر جھکا اسے پرانا نہیں گی۔ وہ اپنے کمرے کی طرف بڑھ رہی تھی کہ گاڑی کا پارن بجایا۔ دعا کے قدم رک گئے۔ اس نے مڑ کر کھاس والی سے باہر دیکھا۔

گاڑی روک رہی تھی، دوڑتی ہوئی پورچ کی طرف بڑھ رہی تھی اس کی دلی کی دھڑکن ذرا سی تیز ہوئی۔ اس نے انہم کے کمرے سے بند دروازے کو دیکھا اور تیز تیز قدموں سے باہر کی طرف بڑھی۔

اس نے مرکزی دروازہ کھولا، چار پانچ باہر سے احسن کا ہاتھ بھی دروازہ کھولنے پر زور لگا رہا تھا۔ دروازہ کھل گیا۔ اسے کچھ کا تمام کھلے ختم ہو گیا۔

احسن اسے اپنے اتنے قریب پا کے چند لمحوں میں نہ پتا لیا۔ اس کے گوت سے اٹھی کھینچی کی خوشبو نے اس کی سانسیں چال کر دی تھیں۔

”اوہ ہوں۔“ احسن ٹھکھار دیا۔

”شاید تم باہر جا رہی تھیں۔“ وہ آگے سے ہٹا۔

”نہیں۔ میں آپ کے لیے دروازہ کھولنے گئی تھی۔“ احسن نے سمجھتے ہوئے بتا دیا۔

”اس۔“ احسن نے دیکھی سے اسے دیکھا اور آگے چلے گیا۔

”یہ خیال تمہیں کل کیوں نہیں آیا۔“ اب وہ اسے چھیننے کے سوز میں تھا۔

”آپ کے علاوہ کوئی اور بھی ہے جس کا مجھے خیال رکھنا پڑتا ہے۔“ اس نے ذمہ داری سنبھال لی۔

”نہیں، میں آپ کے لیے پال لاتی ہوں۔“

وہ چپن کی طرف بڑھ گئی۔ احسن اس کا اشارہ سمجھ گیا اور غصہ مند ہی بھی۔ وہ گوت اور گاٹی اتر کے، پھیل کے صوف پر بیٹھ گیا۔

”یہ نہیں پائی۔“ اس نے گھاس آگے بڑھایا۔

”آؤ بیٹھو۔“ احسن نے اردو سے اپنے برابر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ انہم کے مزاج کے چپن نظر وہ اس کے برابر بیٹھنے کی غلطی نہیں کر سکتی تھی۔ یہ کچھ صرف اس کے لیے مخصوص تھی۔ وہ ساتھ دالے صوفے کی طرف بڑھی۔

”میں نے تمہیں اپنے برابر میں بیٹھنے کو کہا ہے، بالکل ویسے ہی جن کے ساتھ جیسے اون بیٹھتی ہے۔“ وہ اس کا کر زب جلاتے ہوئے بھائی بنے لگا۔

”لیکن میں انہم نہیں ہوں اور اگر اس نے مجھے اپنی جگہ لینے دیکھا کیا تو وہ بہت ناراض ہوگی۔“ اس نے صاف الفاظ میں اپنا ڈر بتا دیا۔

”وہ آج بیکہ دم سے باہر نہیں آئے گی۔“ احسن نے اطمینان سے بولی۔

”آپ کو کیسے پتا۔“ وہ حیران ہوئی۔ سبکی تانے کے لیے تو وہ یہاں بیٹھی تھی اور اسے سب معلوم تھا۔

”کیا آپ کو لوگوں کے درمیان ٹھہرا ہوا ہے۔“ اس نے انداز بدلایا۔

”ایسا کچھ مجھ میں نہیں ہوا۔ بلکہ ماما نے میری کپڑا پہنا کر اس کے کان کیسے ہیں۔“ اس نے بتاتے ہوئے اصرار سے آواز اڑاتے ہوئے۔

”کیسی کہیں؟“ دعا نے بھی بند دروازے کو دیکھا۔

”جی کہ وہ مجھے میری نئی فونی پی سی سے دور رکھتی ہے اور چھوٹی بیک صلیب سنو کے، میرے انتقاد میں بیٹھی رہ جاتی ہیں۔“ احسن نے مسکراہٹ دہائی۔

”کیسی باتیں کر رہی ہیں آپ؟“ دعا کو شرم آگئی۔ ”میں..... میں بھلا کیوں؟“ اس کے منہ میں الفاظ گڑبڑ ہو گئے۔

”دیکھو دعا! ہماری شادی ماما اور انہم کی مکمل

رضا مندی سے ہوئی ہے۔ میں نے بچپن سے لے کر آج تک ان کو محبت ہی محبت دی ہے، میں اس کی محبت کے ساتھ ساری زندگی گزار رہا ہوں۔ اگر وہ مجھے نہ کر لیتی، میں نے اس کے لیے مطلب ہر کر نہیں کر میں تم سے محبت نہیں کروں گا یا ہماری اخذ راہیں نہ ہیں۔ میں تم سے غفلت برتنوں۔

محبت نہیں ہے تو ہو جائے گی لیکن اس سب سے پہلے تم میری ذمہ داری ہو، میں جس طرح کا سلوک انہم کے ساتھ رکھتا ہوں تم بھی بالکل ویسے سلوک کی

میں۔ مجھے تمہارا انتہائی ٹھیک اور ضرور قوتیں سب کا خیال رکھنا ہے اور یہ باتیں انہم کی سمجھ میں آ رہیں۔ وہ سمجھتی ہے کہ میں نے زبردستی شادی کرانی ہے۔ اب میں اس کے اشاروں کے مطابق تمہارے ساتھ چلوں، لیکن میں ایسا ہرگز نہیں کرنے والا۔ میں تمہارے ساتھ رہنا تو نہیں کر سکتا۔“

وہ بولی ہاتھ اٹھا اور دعا کے کان سانسیں سامنے کر رہے تھے۔ یہ شخص اس کے حق کے لیے اپنی محبت سے لڑ رہا تھا۔ وہ اسے محبت، مان، تحفظ اور حقوق دینے کا صرف وعدہ نہیں بلکہ اپنا کر رہا تھا۔ اس سب کا وعدہ اور بھی بہت سے رشتوں نے کیا تھا۔ دعا کا دل اس کے خوف حرف میں ڈوب رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔

”یہ کیا تو مدد نہ لگیں۔“ احسن کو بے ہوشی کے آنسوؤں کی حریت ہوئی۔

”یہ تو خوشی کے آنسو ہیں۔“ اس نے گال صاف کیے۔

”لیکن احسن! اتنی جلد بازی اچھی نہیں، آئی تھک نہیں ہیں ان کو کام دیا ہو گا۔ اسے یہ یقین دلا دیا، بہت ضروری ہے کہ میں احسن کو اس سے نہیں چھین

دے، آپ کو بھی اسے ماننا پڑے گا۔ اب اس سے ہمیشہ محبت کرتے رہیں گے اور اس کے حقوق مجھ سے زیادہ ہوں گے۔ اگر آپ کو یہ نا انصافی لگے ہے تو مجھے بخوشی قبول ہے۔ کیونکہ میں اپنی دوست کو ان چھوٹی

صاف کیے۔

”لیکن احسن! اتنی جلد بازی اچھی نہیں، آئی تھک نہیں ہیں ان کو کام دیا ہو گا۔ اسے یہ یقین دلا دیا، بہت ضروری ہے کہ میں احسن کو اس سے نہیں چھین

دے، آپ کو بھی اسے ماننا پڑے گا۔ اب اس سے ہمیشہ محبت کرتے رہیں گے اور اس کے حقوق مجھ سے زیادہ ہوں گے۔ اگر آپ کو یہ نا انصافی لگے ہے تو مجھے بخوشی قبول ہے۔ کیونکہ میں اپنی دوست کو ان چھوٹی

صاف کیے۔

”لیکن احسن! اتنی جلد بازی اچھی نہیں، آئی تھک نہیں ہیں ان کو کام دیا ہو گا۔ اسے یہ یقین دلا دیا، بہت ضروری ہے کہ میں احسن کو اس سے نہیں چھین

اور معمولی باتوں کی وجہ سے کھوکھلیں پاتھتی۔ میرے لیے آپ کا طبلوں، ہمدردی، اگھر کا تحفظ اور آپ کا نام ہی کافی ہے۔ ان سب چیزوں کے لیے میں ہمیشہ آپ کی محنتوں بروں کی۔ پیلز اتنی اصول پسندی کا بھی مظاہرہ مت کریں۔ انہم کو محبت سے منڈلی کیا جاسکتا ہے۔ وہ خود ہی آہستہ آہستہ سمجھ جائے گی۔

دعا ایسی ہی تھی۔ وہ انہم کی فطرت سے واقف تھی وہ غصے کی تیز نگاہیں دل کی پری نہیں تھی۔ وہ اس کے احساسات کو غلط نہیں کہہ سکتی تھی۔ اس کا رد بھی غیر فطری نہیں تھا۔

”اسے بھی ذہنی طور پر تیار ہونا چاہیے قہار عاادہ مجھے کیوں تمہارا جرم بڑی ہے۔“ احسن بھلا گیا۔ ”آپ اسے مجھ سے بہتر جانتے ہیں۔ وہ غیر مستقل مزاج اور جلد باز ہے۔ بعد میں احساس ہوئے پر اپنی غلطیوں کا اعتراف بھی کھلے دل سے کر لیتی ہے۔ یہی بات آپ کے گھٹ کی توقع نہیں ہے کوئی شکوہ نہیں، میں آپ کی زندگی انچرن نہیں بلکہ اس میں آسانی پیدا کرنے کے لیے لائی ہی ہوں۔“ دعا بولی جوتی کھڑی ہو گئی۔ اس مزید بحث نہیں کرنی تھی۔

”میں آپ کے لیے جانے کا انتظام کرتی ہوں“ آپ جا چکی اور بہت محبت سے انہم کو منا کے باہر لائیں۔ ساری شام اس کے ساتھ گزار دی۔ میں نہیں چاہتی کہ اس کا محبت بھرا مان اتنی جلدی ٹوٹ جائے۔

وہ اسے آخری مشورہ دے کے بگن کی طرف بڑھ گئی۔ احسن کاغذیں بہت سی پوچھیں لیکن لکھنا گیا۔

☆☆☆☆

احسن کے پوچھنے پر انہم نے سر درد کا بیانہ کھڑ لیا۔ دل آرا کی فون کال کا ذکر وہ گول کر گئی۔ احسن نے انہم کو بدستی تیار کروایا۔ وہ دونوں لان میں آکر بیٹھ گئے۔ اس نے ہر ممکن کوشش کر کے اپنا موڈ خوشگوار رکھا۔

وہ نے ملازمہ کو گھانے کے لوازمات دے کر بھیج دیا۔ جان بوجھ کر رات کا کھانا بھی اپنے بیڈروم میں ہی کھا گیا۔ وہ ان کے بیچ آنے سے گریز کرت رہی تھی۔ انہم بہت خوش تھی۔ احسن سب دیکھ اور سمجھ رہا تھا۔

”ایدا! اس بار ہم کافی کاغذ بنا کر بیڈروم میں لے آؤ، میں بہت جلد چکا ہوں، جلدی سوڈوں گا۔“ احسن نے ٹکلی ہی بگڑائی لی۔

کھانے کے بعد، انہم کی فرمائش پر وہ دوا کر رہے تھے۔

”دعا! احسن..... آپ ایسا کریں کہ آج آج دعا کے پاس..... سو جائیں۔“ اس نے بڑے دل سے حوصلہ کر کے کہا۔ اس تبدیلی پر احسن کا دل بلیوں اچھلا۔

”فریڈرک! اگر تم پریشان ہو گی تو میں نہیں جاؤں گا۔ میں تمہیں اواس میں چھوڑ سکتا۔“ اس نے جان بوجھ کر اعلاطری کا مظاہرہ کیا وہ ابھی طرح اس کا حراج جانتا تھا۔

”نہیں..... نہیں اس اوکے، میں بالکل اواس نہیں ہوں، وہ بھی آپ کا دیکھ کر ہی ہو گی، آپ جا میں میں کافی بگڑتی ہوں۔“ انہم پیکا سا سگریڈ۔

”پیلز ڈونٹ مائنڈ! اگر تم خود کافی بناؤ گی تو ٹھیک ہے ورنہ میں دعا سے کہہ دیتا ہوں۔“ اس نے بڑی مصیبت دکھائی۔ یوں بھی اس کا دل دعا کے ہاتھ کی طرف پینے کو جا رہا تھا۔

”نوشینکس، شے پتہ ہے کہ دعا مجھ سے ابھی کافی بنا لیتی ہے، جا میں۔“

اس کے قریب آ گیا۔ نرمی سے اس کا بازو چھو کے چہرے سے ہٹایا۔ ٹکلی میں روٹی میں سا رہا رہے دیا چہرہ بہت مصحوم اور پاکیزہ لگ رہا تھا اس کی آنکھوں کی چمک بڑھ گئی، ہونٹوں پر بے اختیار دھیمی سی مسکان ابھری۔

”عا.....“ اس نے کان کے قریب سر کوٹھی کی۔

نیشہ میں پہلے لمبی کی قربت، پھر جاہت بھری پاکڑ اس کی محبتوں سی لگیں۔

”عا.....“ اس کو واردہ کی پاکڑ پر پٹ سے آنکھیں مکھل گئیں جو نیند کے خمار اور حیرت سے بھری تھیں۔

”احسن آپ.....“ اس کے ہونٹ مسک گئے۔

”جی میں، میرا بروٹ کے بغیر یہ سو گئیں۔“ وہ بیلز پر قریب آ گیا۔

”ہیرا خیال تھا، آپ نہیں آئیں گے۔“ اس نے جب بتائی۔

”نہیں، اب چندوں اس کی طبیعت انتظار پہ رہے گی، وہ ہمارے بیچ رکاوٹ نہیں بنے والی۔“ احسن نے مسکراتے ہوئے ٹپکھن کوٹھی کی۔

”پیلز! اسے رکاوٹ تو مت کیجئے، وہ میری بہت اچھی دوست ہے۔“ دعا کو کافی اس کا کھانا ایسا لگا تھا۔

”بہت سو ف کا رنر ہے اپنی فریڈ کے لیے اور وہ جو زیادتی کر رہی ہے میں ایک دوسرے سے دور رکھ کے۔“ اس کی آنکھوں میں شرارت ناچ رہی تھی۔

”ایک ہی گھر میں تو ہیں پھر دور ہی کیسی، انہم نادان ہے کہ میں کس طرف اور بے خوف نہیں ہوں کہ چھوٹی اور معمولی باتوں پر بدظن ہو جاؤں۔“ دعا انہم نہیں۔

”اچھی اور مثبت سوچ رکھنے والی ایک فطرت عورت! خود کو اتنا بھی عاجز مت بناؤ کہ دوسرے تمہاری نیک دلی کو بے وقوفی گردانیں۔“ احسن نے اس کے سر پر ہلکی سی چپٹ لگائی۔ اس پرت ورت دعا کی سوچ کے دروازہ پر تھے۔

”اچھا چھوڑیں، کافی ہے آپ نے۔“ دوسر جھٹکی اٹھ گئی۔

”نہیں! کافی میں تمہارے ہاتھ کی بیڑوں، جلدی سے بنا کے لے آؤ، تب تک میں شاور لے لوں۔“

وہ چروپوں میں جھل اڑنے لگا دعا بھی اثبات میں سر ہلائی اٹھ گئی۔

☆☆☆☆

الیاس احمد وکیل کے آفس میں بیٹھا عمار کے کہیں پر بات کر رہا تھا۔ اس نے ارادہ کیا تھا کہ وہ اسے ضرور دہا کروائے گا۔ ریاض احمد اس محل پہ ناماں ہوئے تو منت و حاجت کر کے ان سے معافی مانگ لے گا، ایک اور آخری معافی۔

راہیہ احمد کے ممتا بھرے آسور رپ اس معافی پہ بھاری تھے۔

شاہد وور پر دہا پنا گھر، نورنا اور شاہد بھانے کی سنی کر رہا تھا۔ سریم کے دل میں پہلے جیسا مقام حاصل کرنے کے لیے کچھ تو مدد اور تھا۔ رشتوں کو جوڑنے کی آخری کوشش۔

☆☆☆☆

احسن جاگنگ کر کے لوہ تو کچن خالی تھا۔ ملازمہ رات کے برتن دھو رہی تھی۔

”انو! کھر ہے؟“ وہ فریخ میں سے پانی کی بوتل نکالے لگا۔

”وہ تو کچن میں آئیں ہی نہیں۔“ ملازمہ نے جواب دیا۔

اس نے آدھا گلاس پانی کا بھر کے، بوتل فریخ میں رکھی اور فریخ اسٹول پہ بیٹھ کے پانی پینے لگا۔

”رات تک تو اس کا موڈ بالکل ٹھیک تھا۔“ وہ سوچنا ہوا اس کے بیڈروم میں آیا۔

اس کے کپڑے اور ضرورت کی اشیاء کو اس وارڈ روپ میں تھے۔ انہم کی نیند نہیں تھی۔

”انو.....“ اس نے اس کے بازو کو نرمی سے پایا۔



”افو جان.....“ اس نے چہرے پر ہنکمرے بالوں کو کان کے پیچھے اڑاسا۔  
 ”اوس..... ہوں۔“ اس نے ہلکا سا کسمسا کے شمارا لودا نکھیں، شکل کھولیں۔  
 ”اٹھ جاؤ یا، ہر ایک فاسٹ اور کپڑے دو دروند میں آفس سے لیٹ ہو جاؤں گا۔“ اس نے پھر سے اٹھ کا کاتھ تھمایا۔  
 ”پلیز آفسن! مجھے سونے دیں، دعوے کیے وہ ناشی بنا دے گی۔“ کیچے ہوئے اس نے دوسری طرف کمرٹ لے لی۔  
 ”اڑی دارو رب اور ساری ضروری اشیاء اسی کے پیڑرو میں شفٹ کر لیں، گاؤں کو آئیے پڑو ہے۔“  
 دور درج سڑک پر مشورہ دے رہی تھی۔ کچھ کیس کے جذبات سے عاری تھا۔  
 ”بت افو.....“

”پلیز جائیں احسن! اچھے ڈسٹرب مت کریں۔“ اس نے جھوٹا طنز اٹھا کے منہ پر دکھلایا۔  
 احسن حیرت سے اس کی پشت کو دیکھتا رہ گیا۔ شادی کے بعد وہ ہمیشہ اس کا ناشیہ اور آفس کی تیاری میں مدد کیا کرتی تھی۔ حتیٰ کہ وہ اس بھی آفس کی پسند اور مرضی کا پہنکا۔ آج اسے صاف انکار کرتے ہوئے خود دعوے کے سر پر کمری میں بیٹا اس کا ناپا طریقہ تھا۔  
 اس نے خود کپڑے سے نکالے اور واٹس روم میں گھس گیا۔

☆☆☆

وہ گیارہ بجے سو کر اٹھی، اپنی پسند کا بھرپور ناشیہ لیا اور جانے لگے کہ کراؤنچ میں آٹھ بجھی۔ ساتھ ہی اخبار پر نگاہ ڈالی جا رہی تھی۔ تب ہی لینڈ لائن فون کی ٹھنکی بجی۔ اس نے ملازمہ کو داؤڑ دی۔  
 ”ناہید فون! اٹھاؤ.....“ ناہید ڈسٹرکٹ کے فوراً اٹھ گئی۔  
 ”ہیلو..... السلام علیکم..... کیوں فون؟“  
 ”جی ہئی نیکم صاحب، یہ کیس ہیں آپ؟“ ہاید

بڑی فرمایا برادری سے حال احوال پوچھنے لگی۔ انہم کے کان کھڑے ہو گئے۔  
 ”جی..... جی ابھی بلاتی ہوں۔“ ناہید فون ہولہ یہ رکھ کے، دوسری طرف مڑ گئی۔ انہم کا ذہن لگے کے ہزار دہیں جس میں کلک کلک گئی۔  
 ”ناہید.....“ انہم نے آہستہ سے آواز دی۔  
 ”جی بی بی جی.....“ وہ ابھی مڑی۔  
 ”کس کا فون ہے؟“ اس نے جان بوجھ کر پوچھا۔

”جی دل آری تیرم صاحبہ کا، دو دعوای بی سے بات کرنا چاہی رہی ہیں، میں ان کو بلائے جا رہی ہوں۔“ ناہید بتا کے مڑ گئی۔  
 ”چھا سنا.....“ انہم نے اس کے بڑھتے قدم روک لیے۔  
 ”جی..... بھٹی۔“

”ان سے کہہ دو کہ وہ سوری ہے۔“ اس نے تھوک نکل کے، اپنے آفس کے ہوئے جھوٹ کھڑا۔  
 ناہید حیرت زدہ رہی وہ ان کی خاندانی ملازمہ تھی۔ آٹھ سال کی تھی جب گاؤں والی حویلی میں آئی تھی کہ انہم کو اسی نے کھانا پورایا تھا۔ وہ کبھی اپنی ماں سے جھوٹ نہیں بولی تھی۔ انہم، ناہید کی نظر دل سے بچنے کے لیے جان بوجھ کر اخبار پر جگ مچھی۔

☆☆☆

راہبہ احمد کچن کیمٹ کے دودھ کا گلاس لیے آئیں تو راہبہ احمد لیٹ چکے تھے۔  
 ”یہ لیں دودھ.....“ وہ ان کے پاس آ بیٹھیں۔ ان سے بیٹھنا عموماً راہبہ احمد نے ان کی کمر میں بازو ڈال کے سہارا دیا۔  
 ”آرام سے۔“ راہبہ احمد نے گلاس انہیں تھمایا۔  
 ”آپ تو واقعی بوڑھے ہو گئے ہیں ریاض۔“ وہ مسکرا دیں۔  
 ”میری اولاد نے مجھے بوڑھا کر دیا ہے، میری

کر توڑ دی ہے جو ان بیٹے نے، باہر لوگ عجیب و غریب باتیں اور طرح طرح کے سوالات کرتے ہیں۔ وہ کوئی کاروبار میں نہیں جا چوری کے الزام میں نہیں لیں کیا، اس نے جو تھپک اسے کھر میں لگا کی اس کی ہنک باہر بھی کئی لوگوں کو پڑ چکی ہے۔“ انہوں نے اپنی تکلیف کی وجہ بتائی۔

”میں نے سچی کس کا غلط باور نہیں چاہا تھا، شاید ہماری قسمت میں ہی یہ بدنامی لگھی کی۔“ روئے میں نے کب آپ کے خون کے رشتوں کے ساتھ ہر آدمیہ رکھا۔“

انہوں نے اپنی مٹائی پیش کی۔ اتنا حیران کی برائی اور ناراضی دیکھتے کے بعد، ان کا حوصلہ نہیں پڑتا تھا۔ ان کے اعصاب ڈھمکے گئے تھے۔

”میرا خیال ہے ہم سب کو، ایک دوسرے کو مورد الزام ٹھہرانے کے بجائے اپنے اپنے کریاوں میں مگن رہنا چاہیے، اسے یہاں تک پہنچانے میں سب نے کردار ادا کیا، سب نے اپنا اپنا حصہ ڈالا ہے۔“ ریاض احمد نے انصاف پسندی کا مظاہرہ کیا۔ انہیں اپنی خاموشی کا بھی دکھ تھا۔

”اللہ ہم سب کو صاف کرے۔“ راہبہ احمد نے زیر لب معافی طلب کی۔

”جی پی کو صبر دے، جہاں بھی رہے خوش رہے۔“ راہبہ احمد نے کس سے دعا دی۔  
 ان کے دل کو اب صبر آنے لگا تھا۔

☆☆☆

وہ کچن میں آئی تو ناہید چاول صاف کر رہی تھی۔  
 ”احسن! صبح ناشیہ کر کے گئے تھے۔“ اس نے سرسری پوچھا حالانکہ اسے پتا تھا کہ چڑب کیا ہوگا۔  
 ”نہیں جی، اب لوگ سو رہی ہیں، میں نے انہیں روک بھی تھا لیکن وہ نہیں رکے، بڑے خراب موڈ میں تھے۔“ ناہید نے تفصیل بتائی۔  
 انہم کے دل کو توفیق ملی کہ احسن کو اس کی پروا ہے۔ اے لیے اس نے سچ اتنا زور دیا کیا تھا۔ وہ اسی

طرح کی حرکات کر رہی تھی کہ حالات خود بخود اس کے حق میں موافق ہو جائیں۔ اسے خود سے کچھ بھی کر کے، وہ برتاؤ نہ دیکھ سکتی۔  
 ”وہ بھیرو روک دے۔“ سیدی دعوے کے سر پر جا بیٹھی۔  
 وہ واٹس روم سے ہاتھ خشک کر لی باہر آ رہی کی۔ دعوہ اس کی یہ حرکت ہمیشہ نازیبا لگتی کی، لیکن اب کی بار بھی وہ خاموشی عاری رہی۔

”رات احسن کس کے پاس تھے؟“ وہ سینے پر بازو پلیٹ کے تنبیہ کی سے انتظار کر رہی تھی۔  
 ”بیرے۔“ بیرے پاس اور ہماری اجازت سے آئے تھے۔“ وہ کہہ اس کے ٹھٹھارے آئی ہے۔  
 ”پھر ان کے ناشیے اور آفس کی پیچھے کی ذمہ داری کس کی کی۔“ اور سوال پر عید تھا تھا۔  
 ”تم نے خود ہی تو منع کیا کہ احسن کو.....“ دعوہ نے اسے یاد دلانے کی تاکم کو خشک کی، اسے سچ میں ٹوک دیا گیا۔

”وہ کل کی بات تھی، میں آج کا بوجھ ہی ہوں۔“ وہ انتہائی سچی تھی۔ اس کے تاثرات زہر پلے تھے۔

”سوری انہم! مجھے نہیں.....“

”واٹ سوری، وہ بھوکا چلا گیا، پہلی بار میں نے تمہاری دوسرے ذمہ داری لا کر دیا کی، لی، اسے اس بھوکا ہی رہ گیا اور تم معصوم شکل بنائے، معذرت کر رہی ہو۔“ وہ بات پھر سے کانٹے ہوئے طعن کے قلم کی بیج پڑی۔

رات بھر اس نے کمرٹ بدلتے گزاری تھی۔ اس کا قصہ اپنی جلدی انہم ہونے والا نہیں تھا۔ دعوہ عین دہائی رہی تھی۔ اس نے پہلی بار انہم کو یوں چلاتے دیکھا تھا، اسے انہم کے الفاظ اور لہجے پہ ہنک محسوس ہوئی۔  
 ”گرتہم جاگ رہی تھیں تو ناشیہ بنا دیتیں۔“ وہ اپنے دفاع کے لیے ٹھٹھکی کھہ پائی۔  
 ”جست شٹ اپ! رات تم اس کے ساتھ بھر

کر، صبح سویرے اٹھ کے غنڈہ میں بیٹھ کر کہیں۔“ وہ  
غصے میں اٹھ کر بے کی تیز بھول بھنگی گئی۔ اس قدر

ذاتیات پر دعا کا چہرہ سرخ پڑ گیا۔  
”اگلی گھنٹا بات۔“ پیاز اچھم چلی جاؤ۔۔۔ چلی  
جاؤ۔۔۔۔۔

اس کے ہاتھ کپکپانے لگے۔ اس کی بھٹی میں کچھ  
نہیں آ رہا تھا۔ اس کے کان تک تھپے گئے۔ وہ خود کو  
کچھ غلاباؤ بنے سے ہٹ کر روک پادری تھی۔  
”اڈاؤ عزیز بونم بھٹھے اس کمرے سے بھی میرے  
ہی گھر سے جانے کا کہہ رہی ہو۔ تمہاری اگلی  
جرات۔“ وہ چڑھ زور سے چلائی۔

”بس اگلی۔“ خرید بگوت کہنا۔۔۔ دعا  
روٹی ہوئی تیر تھوڑے سے باہر چلی گئی۔  
”مائی فٹ۔“ انہم نے نخت سے پاؤں زور  
سے زمین پر مارا۔

☆ ☆ ☆  
راہبہ احمد کے ہاتھ میں صمغ و ف تمیں۔ آج  
عمر کا بڑھ چکا تھا، وہ ہمیشہ اس کی سالگرہ پر اپنے ہاتھ  
سے ٹیک بٹائی تھیں۔

آج بھی اس کے لیے ٹیک بنایا گیا تھا۔ ان کا  
دل بہت اداس تھا۔ وہ بار بار کہیں کھو جائیں۔ ان کا  
دھیان کی کام میں نہیں لگ رہا تھا۔ شہر اور ریاض احمد  
ناک خود کو رہے تھے نوال کے امتحانات ہو رہے  
تھے۔ وہ اداں لہول علیہ میں ماں کے سر پر کھڑی تھی۔  
”ماں جان! میرے کس اور چائے ابھی تک  
نہیں آئی۔“ اس کا مزاج برہم تھا۔

”کب کہا تھا؟“ انہیں داغی پادیں آ رہا تھا۔  
”کیا مطلب؟ آدھا گھنٹہ پہلے، میرے تو بڑے  
بڑے کمر میں خود ہو رہا ہے۔ آپ نے کہا تھا کہ  
ٹیپاٹ، چائے اور ٹکس لائی ہوں، کب سے آپ کا  
دین کر رہی ہوں۔“ نوال نے منہ سورا۔  
”سواری بنایا، میرے ذہن سے ٹکلی مگر، صرف  
اس منٹ مزید ہم اپنے پیاکے پاس بیٹھنا۔“ راہبہ احمد  
نے خود کو دل میں گوتے گوتے اسے مثبت سے

”مجھے نہیں بیٹھنا کسی کے بھی پاس، نہ ہی کچھ  
کھانا ہے۔ میرے سر میں شدید درد ہو رہا ہے۔“  
وہ اپنی بھٹی دہانی، ہمارا اس صورت لیے مڑ گئی۔  
عمر کا دھیان ان کی گفتگو کی طرف تھا۔ نوال کے  
جانے کے بعد، وہ بھی اپنا سر پکڑ کر چیخنے پڑھے گئی۔  
غیر ماں کو پریشان دیکھ کر فوراً ہاتھ کڑا دیا۔

”ماں جان! طبیعت تو ٹھیک ہے آپ کی؟“ اس  
نے ان کے کندھوں پر ہاتھ دھر کر۔  
”نہیں۔۔۔ ہاں! ٹھیک ہوں میں۔“ انہوں  
نے سر اٹھایا، چہرہ سرخ ہوا ہوا تھا۔  
”پاکل ٹھیک نہیں ہے آپ، لیکن میں اتنی دیر  
سے کھڑی کیا بنا رہی تھیں۔ ملازمہ بھی پر ہے۔“ اس  
نے گھر مگر کی سے لکھی سوال کر ڈالا۔

”ملازمہ یہیں پر ہے، ابھی آ چکی ہے۔ میں  
۔۔۔ ٹیک بنا رہی تھی۔“  
جو چیز سب سے چھپا کر رکھی تھی، وہ سب سے  
شیخڑ کر لی۔

”ٹھیک۔۔۔“ عمر نے دہرایا۔ اچانک اس  
کے ذہن میں جھماکا ہوا۔  
”عمر کے لیے ٹیک۔۔۔! اس کی تھڑے  
“؟“ اسے فوراً یاد آ گیا۔ راہبہ احمد اثبات میں سر ہلا  
کر رہے تھیں۔

”اچھا چلیں انھیں۔“ آئینہ ریسٹ کریں۔“ اس  
نے ماں کو سہارا دے کے اٹھایا۔  
وہ ان کی خستہ حالت کی وجہ جان گیا تھا۔ آج  
عمر کی سالگرہ تھی۔ وہ انہیں بہت یاد آ رہا ہو گا۔

”نہیں۔۔۔ میں نوال کو تاراض نہیں کر سکتی، تم جاؤ  
اسے سناؤ، میں چائے اور ٹکس لائی ہوں۔“ وہ کوٹنگ  
رینج کی طرف بڑھیں۔  
”لیکن ماں جان آپ کی طبیعت۔۔۔؟“ اس  
نے دہانے پر چڑھ کر کہا ہوا۔  
”بہت کچھ ہو چکا ہے، اب میں اپنی بیٹی کو تاراض  
نہیں کر سکتی، اس کے اکیزما زور ہے جس، وہ اسٹریس

لے گی، تم جاؤ۔“ اس کا دل ماں کی ممتا پر بھگ گیا۔  
نی جانہا ماں کے سارے دکھ اپنی انکھوں کی پردوں پر  
جئیے۔

☆ ☆ ☆  
یہ دعا کی طبیعتوں کا ہی تھا کہ اسن شام تک  
سب بھول کے گھر میں داخل ہوا تھا۔ اس کا سوڈا بھی  
خوش گوار تھا۔ دعات کے کھانے کی تیاری میں لگی  
ہوئی تھی۔ انہم کمر بند تھی۔ دعات دھو کے خود کو غسل  
کی چھٹی دے گئے، پھر سے رینز پر مڑے۔ معمول میں  
جست لگی۔ وہ ان کی دینی کیفیت کو سمجھنے کی کین آج  
کا رکنل بہت شدید اور تکلیف دہ تھا۔

اسن ریفٹ نہیں اور کوٹ لاؤنچ کے صوفے  
پر رکھ کے سیدھا چکن میں آ گیا۔  
”السلام علیکم۔۔۔!“ دعا نے سلام میں جھٹکی۔  
”وعلیکم السلام، کیسی ہو؟“ اسن نے نرمی سے  
اس کے کال کا کچھوا۔

”تم ٹھیک ہوں، آپ سنا میں دن کیا  
گزارا۔“ دعا پوچھتے ہوئے، فرنیچ میں سے پانی  
نکا لگنے لگی۔

اسے شک تھا کہ انہم نے اسن کو آفس کال کر  
کے مضر و سب کچھ بتایا ہو گا۔ کھانے اس کا دل چٹکیا  
ہو، لیکن اس کا ہشاش بشاش چہرہ تھا تھا کہ ایسا کچھ  
بھی نہیں۔ اس نے بھی سکون کا سانس لیا۔  
”بس ٹھیک، کام کا رڈن زیادہ تھا۔“ آخر تم بتاؤ،  
کیا بنا رہی ہو؟“ وہ بیٹھ کے پانی پینے لگا۔

”آپ چائے کے ساتھ کیا میں گے۔“ وہ انا  
اس سے پوچھنے لگی۔  
”اسٹرائٹ کسی کافی دو کوٹنگ مکٹ اور یہ پرنسپل  
صاحبہ کوھر ہیں۔“ اس نے جھوٹی اچکا تھیں۔

”کون، الو؟“ دعا کی ہنسی ٹکلی گئی۔  
”اسی آج پوچھ رہا ہوں، آج پھر عتاب ہے۔  
مزاج ٹھکانے پر ہیں ناں۔“ اس نے شرارت سے  
آنکھ دبا کر اس کا تکرار کر دیا۔  
”مزاج کافی کرم ہے آپ جلدی سے تشریف

لے جائیں۔“ اس نے خود سے کچھ تانے سے گریز  
برتا۔  
”تم بھی ناں۔“ اسن نے اس کے سر پر ہلکی سی  
چپت رسید کی۔

”چائے ذرا جلدی بھجوا دیتا۔“ وہ کہتا ہوا باہر  
نکل گیا۔  
انہم اسے کھڑکی میں سے آٹا دیکھ چکی تھیں۔  
جان بوجھ کر کھڑے نہیں آئی تھی۔ وہ نوٹ کر رہی تھی  
کہ وہ اس کی غیر موجودگی کا فائدہ اٹھائے، دعا کی  
طرف لپکا تھا۔ دندنہ وہ رڈن اس وقت اس کے  
انتظار میں لاؤنچ یا بھراں میں ہی براہمان ہوئی  
تھی۔

”بیٹو، کیسی ہو انہم؟“ اس نے آتے ہی  
معمول کا سوال کیا۔  
”ٹھیک ہوں۔“ وہ بھیدگی سے کہتی کھڑکی سے  
بہت کے صوفے کی طرف بڑھی۔

”ٹھیک لگتو تمیں رہیں۔“ اس نے لمبے لمبے  
میں اس کی حالت اور تازی ہوئی صورت بھانپ لی۔  
اور اس کے قریب آ بیٹھا اور سر جھک کر۔  
وہ اس کی نظر شام سے واقف تھی۔ وہ سینکڑوں  
سپل دور رہے انہم کی آواز سے ہی اس کے دل کا  
حال جان لیتا تھا۔

”یہ کپڑے تم نے کس سے چڑھا رکھے ہیں،  
بالوں میں شام کے برش بھینے کی زحمت ہی  
نہیں کی تھی۔“ اسن نے بازو پکڑ کے اس کا چہرہ اپنی  
طرف موڑا۔

”آپ کو کیا پروا، ابھی آپ اپنی خوب صورت،  
ترتازہ، نئے جوتے میں ملیوں شکر سے ٹل کر آ رہے  
ہیں، یہ یقیناً اس کی قربت کا اثر ہے کہ میں برکی لگی  
رہی ہوں۔“ اس نے الفاظ چپا چپا کے ادا کیے۔  
اسن نے نفی میں سر ہلایا، اسے انہم کی سوچ پر  
حیرت ہوئی۔ اس کا لہجہ اور الفاظ اخلاق سے عاری  
تھے۔

”تم اتنا فضول کیوں سوچتی ہو، اس نے تمہیں

پہلے شعلے فروری 2018 222

بہادی ہوئے قدم اٹھاتا باپ کی طرف بڑھا۔ اس کا سر شرم سے جھکا تھا۔ اس نے دونوں ہاتھ معافی کے لیے ہاتھ دھرے۔

”میں اس قدر شرمندہ ہوں کہ معافی کے لیے میری زبان میرا ساتھ نہیں دے رہی۔“ وہ رونے لگا۔ الیاس احمد نے معافی کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔ ریاض احمد نے چھوئے معافی کو دیکھا۔

”بھائی جان! معاف کر دیں، میں نے بہت عرصے بعد اپنے باپ جیسے بھائی سے کچھ مانگا ہے۔ اس کے لئے شکریہ میرے، میری بات کا کان رکھ لیں۔“ الیاس احمد نے التجائی۔ رابعہ احمد نے شوہر کے سامنے ہاتھ جوڑ دیے۔

”بلیز رابعی صاحبہ.....“ ان کی آنکھیں بھی ایک ہی منظر کش کر رہی تھیں۔ وہ خود خاموش، سر جھکائے، ہاتھ جوڑے کھڑا تھا۔

”اے! میں اپنی بیٹی کے صدقہ تمہیں معاف کر.....! یہ الفاظ بہت مشکل سے ادا ہوئے۔ یہ معافی بہت برداشت کے بعد کی گئی۔ ریاض احمد بے دلی سے وہاں سے نکل گئے۔ الیاس احمد نے اس کا ہاتھ تھپکا۔ عمر چہرہ ہاتھوں میں چھپا کر رو دیا۔

☆☆☆

دعا کھانے کے لیے ٹبل تک نہیں آئی۔ ملازمہ کھانا ترے میں لے گئی دوپہی واپس آگئی۔ احسن نے کھانا کھایا اور احم کے بیڈروم میں آ گیا اسے ذرا پر نہیں تھی۔ اسے دھارے شہید فضا رہا تھا۔ ابھی اس نے رشتے کا رنگ اتار کر چڑھ کر نہیں بولا تھا کہ وہ احم کی آنکھوں میں آنسو برداشت کر رہا تھا۔ ایک لمحہ اس کی آنکھوں میں ہلکی کر دھڑکی گئی۔ ایک محبت کے علاوہ ان دونوں کے اندر کوئی بہت سے رشتے تھے۔ ایک رشتہ جو کبھی قاجو احم پر بھلا گیا تھی۔ احسن کا یقین تھا کہ وہ کسی محبت نہیں ہوتی۔ دعا کی فطرت سے آگاہی کے لیے احم عرصہ درکار تھا۔

”بلیز احسن! آپ اتنے باخبر مت ہوں، اس

بجائے مجھ سے سواری کر لی ہے۔ اب یہ سب تو ہمارے گناہ ہیں۔ برداشت کرنے کی عزت ڈالنی چاہیے۔ میں زیادہ ہی اسی وقت بھول گئی تھی۔“ وہ انتہائی دل گرفتہ سے بولی۔

وہ ایسا نہیں تھی لیکن چند دنوں میں ہی ایسی بن چکی تھی۔ نہ ہی اس کی ایسے ماحول میں پرورش ہوئی تھی۔ اب تو کھر کا ماحول بدل گیا تھا۔ تیسرے فرد کا اضافہ۔

”ایک سو کوڑی مس احم! آپ خود کو زیادہ انڈر اسٹیٹ میٹ کر لیں۔ اے اسے اپنے خاندان کی دلچسپ سمجھائیں۔ رہی بات برداشت کی وہ تم دونوں کو کچھ بتانی چاہیے۔ کیونکہ میں نہیں چاہتا کہ کسی ایک کی وجہ سے، میں دوسری کے ساتھ نا انصافی کروں، میرے لیے تم دونوں ہی برابر۔“

وہ اپنے حساب کا لگا تھا۔ یہی انصاف پسندی احم کو کھٹکتی تھی۔ وہ دعا کو اپنی برابری کے درجے پر فائز نہیں دیکھنا چاہتی تھی۔

”میرا اس سے ایک درجہ زیادہ ہے کیونکہ میں آپ کی محبت بھی تو ہوں۔“ وہ بڑی محبت سے اس کے سینے سے جا لگی۔

”محبت تو اس سے بھی ہو ہی جائے گی۔“ وہ طنز سے مسکرائی۔

”مجھ جتنی.....“ اس نے نظریں اس کے چہرے پر گاڑیں۔

”اوں ہوں۔“ اس نے غبی میں سر ہلایا۔ ”کچھ اس سے اور بہت زیادہ اس سے بچے، جو وہ نہیں دے گی۔“

وہ اتنا کچھ نہیں تھا کہ احم کی تقسیم میں آ جاتا۔ اس کا اپنا حساب کتاب تھا۔ ”کچھ“ کا لفظ بھی اس نے مبالغہ داری کے طور پر استعمال کیا تھا۔

”ہوں۔“ وہ ہنسنے لگا۔ اس کی نگاہوں میں الجھن پر بھی جا سکتی تھی۔

”تو ظہر تو میں ہوں تم دونوں برابر۔“ اس نے سر کے نیچے ٹھیکہ درست کیا۔

”آپ بلیز اس کے پاس چلے جائیں، وہ آپ کا پیٹ کر رہی ہوگی۔“ احم کو دل پر چڑھے سے اچانک ہو گیا۔ وہ اس سے تھوڑا پر نہیں تھی۔

”اس کا ذکر نہ کرو۔ اگر اسے پہلے پہل غلط روپے کا احساس نہ دلایا گیا تو وہ اگلی بار اس سے زیادہ بدترین بھی کر سکتی ہے۔“

جی جی احسن کے موہاں کی تلی بیجے تھی۔ احم نے موہاں کی گھٹائی دل آزار کر بھرنا۔

”السلام علیکم ما جان! اس نے گلا کھکھکارتے ہوئے سلام بھجوا دیا۔

احسن بھی سیدھا ہوا۔ اسے اپنی شامت بخنی تھی۔

”ایک سلام! انو جان کبھی ہو؟ کیا کر رہی تھیں؟“ دل آزار بھی احسن کے موہاں کی اس کی آواز کے چونک گئیں کیونکہ ان کے انداز سے کے مطابق اسے دعا کے پاس ہونا چاہیے تھا۔ انہوں نے دعا سے یہ بات کرنے کے لیے کال کی تھی۔

”ٹھیک ہوں، بس پوچھنی میں اور احسن باتیں کر رہے تھے۔“ اس نے تھوک کھلا۔

”کیوں کوئی خاص نام بتائی ہیں، جو شام سے ختم ہی نہیں ہوں، دعا تو دیت دیت کہ ہوں سو گئی ہوگی۔“

دل آزار نے تنجید کے ساتھ ذوقی الفاظ میں صاف جتلا دیا۔

”احسن سے بات کر لیں۔“ اسے ماں کی طرف داری بری کی تھی۔

”السلام علیکم ما جان، کبھی ہیں آپ؟“ اب اس کے کان میں بچنے جانے تھے۔

”ایک سلام! میں ٹھیک ہوں لیکن تمہاری طبیعت شاید ٹھیک نہیں جو تم میری حکم بدلی کر رہے ہو۔“ دل آزار کھنکھاتا تھا۔

”جی میں نے کیا کیا ہے؟“ اس نے کن پر چھما۔

”تمہیں اس وقت دعا کے پاس ہونا چاہیے، وہ

تمہاری غبی ہوئی ہو جی ہے۔“ وہ سختی سے ٹریک بدل گئیں۔

”فریڈنٹ تو ما جان، اس نے احم کے ساتھ بدتمیزی کی ہے۔ اسے گھٹایا کیا اور کمرے سے نکال دیا۔ میں اس سے انکی براعاتی! ایکٹس نہیں کر رہا تھا۔“

اس کا فضا پھر سے غور کر آیا۔ البتہ احم کو لینے کے دینے پڑے دانتے تھے۔

”تو تم مراے طور پر اس کے پاس نہیں جاؤ گے، اس سے بات چیت بند کر دو گے، وہ دونوں فریڈنٹ ہیں بیان کا پر احم سے کہہ دو۔“

”مجھے تنجید آ رہی ہے، ما جان.....“ اس نے ماں کا وعظ سننے کے بجائے موہاں کی احم کی گود میں پھینک دیا۔

”کیا ہو گیا ہے اس کے کو؟“ دل آزار کی آواز میں تنجیلا میں لٹھیا لٹھیا تھی۔

”آپ جانتی تو ہیں ان کے فتنے کو، فی الحال کچھ بھی سننے کے موڈ میں نہیں، میں نے خود بہت سمجھا ہے۔“ وہ بہت سوچ کے الفاظ چن رہی تھی۔

”احسن نے چڑ کر کیکھ لائے۔ وہ ایک ہی جیلے کی کمر سے اس کا کھاتا تھا۔

”تم دونوں کا بھڑکا کیوں ہوا تھا؟“ اب انہیں معاملے کی تیک پہنچا تھا۔

احسن کا ہاتھ ٹھیک سے کمرے سے باہر آ گئی۔ یہی مناسب تھا۔ اب وہ انہیں آرام سے اپنی مرضی کے مطابق کھانی سنا سکتی تھی۔ احسن اگر بھی بدتمیزیت میں لٹھیا اور کمرے سے نکل جائے گا اس کی جہاز چمک گیا تھا۔ دعا کے یہ کیوں کہا، یہ جاننے کی کوشش نہیں کی، جبکہ دل آزار جذباتی اور جلد باز نہیں تھیں۔

احسن نے فحوت کی آہیرش کر کے خود کو محفوظ کرنا تھا۔

☆☆☆

دورات دعا نے انکاروں پر ٹوٹے ٹوٹے تھی۔

اسے بہت سی تکلیفیں ملی تھیں۔ ہر تکلیف پہلی سے زیادہ ہماری ہوئی۔ احسن اس کا شوہر جسے دعا پر اس نے ذرہ ذرا بھی ایمانی رخصا سے مسلط کیا تھا۔ لیکن دعا نے اس رشتے کو اللہ کو حاضر و ناظر جان کر قبول کر لیا۔ ہر شہر دو گھوڑے پر چٹا خٹاب ایک جہت اور محفوظ ساتراں کے لیے ایسے ہی رستہ چنتا چنتا۔ یہی سوچ کر احسن سے شادی کے لیے ہاس کر دی تھی کہ درود کریم شکر کرنا کھانے سے بچ جائے گی۔ اس نے احسن سے یہ بھی توقع کر لی تھی کہ اس کی ساری باتیں سن کر جو کچھ اس پر چہرے تھی، یہی کالی تھا۔ دو دن باخشی بھلا کے اس کے ہر اندک زندگی گزارنے کی کوشش کر رہی تھی۔

”تمہیں بلکہ میں جان گئی ہوں کہ اب ہمارا تعلق صرف مطلب تک محدود ہو کر رہ گیا ہے۔“ دعا کی نظر میں ابھی بھی دو پار ہی تھیں۔

”اس دوست کا حق تم پر کھل کر چکی ہو۔“ دعا نے صاف کہہ دیا۔ ”اُم کو اس سے اتنی صاف گوئی کی توقع نہیں تھی۔“

”پہنیز دعا، ابی ائم رنکلی سو رہی، میں ایسا ہرگز نہیں جا رہی تھی، بس اہم بہت بائیر ہو گئے تھے، یوڈنٹ وہ میرے لیے بہت نرسو ہیں، ان سے ہر اور ماہر اور تکلیف پہلے برداشت نہیں ہوئی اس لیے انہوں نے اتنا بردباری ایک کیا۔“ ائم نے بے دلی سے دعا کی بات سننے کے ساتھ اپنی ہیست کی تبادلی۔ ”مجھے کسی سے کوئی شکوہ نہیں، خود کو اپنی قسمت سے جس نے مجھے مطلب پرست اور منگ دل لوگوں کے حوالے کر دیا ہے، ایسا کون سا گناہ ہو گیا ہے جس کی سزا داتا تو فحاشی ہوتی ہے۔“ وہ اپنے نصیب سے شکوہ کرائی، خود کو کوس رہی تھی۔

”ائم کو تب بہت چڑی لیکن اس نے خود پر مضبوط رکھا۔“ ائم خود بھی اس کی کچھ بھوری ہو دعا، اس نے تمہاری زبان سے اپنی منگلی کے لیے ایسے القابات سن کے تو بہت بری طرح چٹخ اٹھی گئی، پھر تم یہ اڑھٹ کر لو کہ میں اس کی کوئی بات یاد کر رہی ہوں۔“ انہیں سمجھنے سے بے نیازی کرنا دعا نے۔ اب تم نصیب کو دوش دینے کے بجائے اپنی عقل کی اعتراف کر لو۔“ ائم نے اسے دھکانے کے ساتھ ساتھ ڈھٹائی کا بھی مظاہرہ کیا۔

”تمہیں مجھے اپنے دفاع میں جواب دینے کا بھی حق نہیں، کوئی میری ذاتیات میں کسی آئے اور میں خاموش رہوں۔“ ائم نے ہرگز نہیں۔

”انسان کو اپنے لیے ایشیڈ اپنی پوزیشن اور بیک گراؤ نہ دیکھ کے لینا چاہیے، تم ازم یہ تو سوچ لیتیں کہ میں خانا اپنی بہو بننے کے ساتھ جتنی بھی

ہوں۔“ آئی سویر مجھے بھی تمہارا لہجہ اور الفاظ بہت برے لگتے تھے۔“ ائم نے مجھ سے دعا کی بات کی تو کیا ہوا اور اصرار تھا وہ کیا اور دل میں تمہاری طرف سے صاف ہو گیا۔ اینڈ نوڈا کر یہ سب ماما کی تکلیف جاتا تو پتا نہیں تمہارے ساتھ کسی طرح چٹخ اٹھیں۔

بہت برا حال ہو تمہارا۔ اس نے تو پھر رعایت دیتے ہوئے دعا کی طمانی یہ معاملہ پتا دیا ہے۔ دعا جان کر شاید ٹھیک سے ہماری منگلی کو جان نہیں پا کر، یہاں ایسا ہی ہوتا ہے۔ آئندہ سے محتاط رہنا۔“ آخر بڑے خوب صورت اور مناسب الفاظ میں اس کی ذات کی دیکھیاں اڑا رہی تھی۔

”اچھا! میں جانتی ہوں، اس کو کال بھی کر، یہ دن وہ دراصل ہو جا رہی گے۔ یہ چھ سات گھنٹے انہیں میری آواز سن کے ہی کر اڑا کر پڑا ہے۔“ وہ منکر کے جھٹکا کر رہی تھی۔

”اب یہ دوستی ختم کرنے والی بات اور نہ ہی کچھ اور اتنا سیدھا سا سوچنا، شاور لو، فریش ہو، میں تمہارے لیے کھانا بچھوا رہی ہوں۔“ ائم نے اس کا گال تھپکا۔ اسے اپنے فارغ ہونے پر یقین تھا۔

”مجھے بھوک نہیں ہے۔“ دعا نے جتنی سے منہ کر دیا۔ ”میری بات، ابھی میں نے تمہیں کتنے پیار سے کہا ہے، پھر بھی اگر تمہارا خیال ہے کہ اس نے سو رہی یا نہ سو رہی، تمہاری کمر کے غلط ہے۔ وہ تم سے شدید ناراض ہو جائیں گے، غلامی غلام اور فریش ہو جاؤ۔“ ائم نے بڑے پیار سے بھوکاری باہر نکل گئی۔ وہ بہت خوش تھی کہ اس نے دعا کو اور بھی بہت بچھ بچھا دیا ہے۔

دعا کے لیے نہیں نکلی تھی۔ کھانا اس نے کھالیا تھا۔ ائم نے اس کے فیورٹ مکر کی ساڑھی زیب تن کی اور خوب لالہ لگا کے تیار ہوئے۔ اس کے ہاتھوں میں کورول کے اس نے لیے بالوں کا جڑا بنایا۔ خود پر ڈیمرون خربوئیں لٹکا کے تیار تھی۔ اس کی توجہ خود پر مرکوز رکھنے کے لیے۔ اس کا خیال تھا دعا نے اس کی تشنگی کا

اتنا اثر تو ضرور ہوا کہ کچھ دنوں اس کی طبیعت استعمال پر رہے گی۔ اس کی طبیعت میں کچھ تبدیلی آئی۔ اس نے بہت تھکا ہارا لالہ تھا۔ ائم کو اس قدر فریش دیکھ کے اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ رہ گئی تھی۔

”یو آ رنکلی سو ساواش۔“ اس نے پورچ میں گاڑی سے اترنے کی بات کی۔ ائم نے اسے ہاتھ پر دیا۔ ”تھک ہے۔“ ائم نے اسے اس کے سر پر دیا۔ ”میں تھک رہی ہوں، تمہارے ساتھ کچھ نہیں تھا، میں تمہارے اس روپ نے، مجھے بالکل دھندلا کر دیا ہے۔“ اس نے میرے اس کا گال تھپکا۔

”مامی پھیرو، میں نے اس کے پڑے نکال دیے ہیں، فریش ہو جائیں، میں چاہنے لگتی ہوں۔“ لاؤنج میں داخل ہوئے اس نے ریف سے کپڑا۔ ساری شام ائم اس کے ساتھ رہا۔ اس نے بھول کر بھی روکا دعا کا ذکر نہیں کیا تھا۔ ان دونوں نے ذکر کیا اور پھر ائم کی فرمائش پر بلا ٹیگ روک دیا۔ پھر چلے گئے۔

اس کا دل خوشی سے بار بار تھا۔ ”اوہ ماما، کڈ، میں بہت تھک گئی ہوں اس، آج کی شام، بہت اچھی رہی۔“ وہ صوفے پر گر کر گئی۔ اس کے دھرم سے خوشی چھلک رہی تھی۔ ”اُم کے تم کی لائی کہ ابھی کی نیند لو، میں ذرا دعا کر دوں گا۔“

ائم بچا نہیں تھا۔ وہ ائم کی طرف دیکھے یا نہ بغیر ان کی سیدھا دعا کے کر کے طرف ہو گیا۔ ائم میری ہوئی۔ اس کی سر کا درد اچانک بڑھ گیا تھا۔ سہائی شام کا انعام بلانا میٹ ہو گیا تھا۔ اسے لگا کہ اس کا دل بھلائے کو یہ سب کر رہا تھا۔

وہ اس کے لیے دو دو لاسی تو وہ ناکوں میں سر دے بیٹھا تھا۔ ”بہر دو وہ جو میر، تمہارے باپا نے کہہ کر بھیجا تھا کہ اب کام نہیں کرنا۔“ انہوں نے اس کے پاس گلاس دھرنا۔ ”دوسری پینل پر دکھ دیں ماما، میں یہ کام ختم

کر کے لی لوں گا۔“ اس نے سر اٹھائے بغیر دیا۔ ”میرا بیٹا سارا دن آفس میں بھی سر کھاتا ہے۔“ گھر آ کے پھر سے ناکوں پر جھک جاتا ہے۔ انہوں نے بچے کے بال سہلائے۔

”پھر اوروں کا کروں، پاپا جان بے رڈن ڈالنا نہیں چاہتا، ان کے اصرار بہت کم کر دوں گے ہیں، مجھے اگلے ہی کرنا پڑتا ہے۔“ اس کا ہاتھ ذرا کی ذرا مارا اور پھر تیزی سے چلے گا۔

”میری قسمت تمہاری بہتر ہو جائے تو اسے کہوں گی کہ تمہارے ساتھ آفس جایا کرے، تمہیں بھی آسانی ہو جائے گی۔“ انہیں بھی مناسب لگا تھا۔ ”میرے کچھ کام ہیں، کر گیا، اس نے ہر اٹھا کر ان کو دیکھا۔ رات بھر اس کی عمر سے خواہش تھی کہ میری طرح وہ بھی اپنے باپ کا ہاتھ بنائے، ان کے کاروبار کو سنبھالے۔

”پہنیز ماما، آپ باپ کچھ بھری ہیں، وہ واقعی کافی بدل چکا ہے لیکن وہ ایک آواز بھی ہے اور فطرت بہت مشکل سے بدلتی ہے۔ آپ اسے وہی کرنے دیں جو وہ چاہتا ہے۔“ پھیر۔ ”اس نے منت پھرئی نظروں سے بال کو دیکھا۔ وہ واقعی خود سے کوئی ملنگی نہیں کر رہا جتنی میں اس لیے انتہا میں سر ہلا رہی۔“

اس نے تاب تھما کے دو دواڑے کھولا۔ وہ صوفے کی کسی پر سر کے دوڑ رہی تھی۔ ”دعا۔“ اس نے گھر کے کچھوں کچھ رک کے اسے پکارا۔ وہ سیدھی ہوئی۔ ائم اپنی جگہ ساکت رہ گیا۔

گھٹا لاس، بکھرے بال، سوچن زوہ آ نکھیں، زور چھو وہ اس کی حالت پر مڑ رہی۔ ”جہن نے اپنا کیا بل پڑا ہے؟“ اس کا سکتو ڈا۔ یہ سوال کے لیے اسے خند کی محسوس ہوئی۔ ”کیا ہوا ہے مجھے، کبھی چلتی ہوں، آپ کے ساتھ بہت باعزت اور خوش و خرم زندگی گزار رہی



# سہیلی خواہش

تاریخ کے اہم اور قابلِ فکر ابواب کسبہ ہے  
حرفوں میں غائب اسی لیے لکھا جاتا ہے۔ کہ سہرا  
رنگ و صرف شان و شوکت کی علامت ہے بلکہ سونا  
ایک ایسی سودمند وحیات ہے جس کی رنگت ماند  
بڑھ جاتی ہے پر خم نہیں ہوتی۔

چودھری وہاب رئیس کے دل میں بھی ایک  
سہری خواہش تب ابھری جب انہوں نے اپنے  
چوتھے بیٹے کو پہلی بار گود میں اٹھایا۔ انہیں لگا کہ وہ مکمل  
ہو گئے ہیں، کیونکہ ان کے گھر کے چاروں کولوں کی  
حفاظت کرنے سے لے کر ان کے جنازے کو چار  
کندھے دینے تک کا انتظام ہو چکا تھا۔ چودھری  
وہاب رئیس کوئی چندی پیش رئیس نہیں تھے۔ لیکن ان کا



ہوں۔ اس نے گردن اٹھا کر ادھر ادھر ہلائی۔  
اسن لا جواب ہو گیا۔  
”بلیر، اٹھو، نہاڑو کے، کپڑے بچھ کر دو اور ہال  
بناؤ۔“ اسن کو پانیٹ نے گھیر لیا۔ اگر دل آرا ہے اتنی اقدر  
حالت میں کچھ پیشیاں ڈان دونوں کی درگت بن جاتی۔  
”ہاں دانی مجھے نہاڑو کے خوب صورت سا  
جوڑا پہننا چاہیے۔ ہا سنا سیک اب اور چیلری بھی  
کیونکہ میرے بھائی نے خدایا کا حکم ہے۔ میں صاف  
سٹھری ہو گئے۔ اس کے پہلو میں آؤں۔“ دروہ کے  
اس کے خواہش منظر ہو گئے تھے۔  
اسن نے جو کیا فاسو کا اہم کی چند گھنٹے کی  
گئی تقریر نے اسے سر پہ ڈھسب کر دیا تھا۔  
اسے جرح کر نہیں آتی تھی لیکن وہ ایم اے  
اکا کس کولہ میڈسٹ مکی۔ اسے اپنے حق کے لیے  
بولنا آتا تھا۔ ایک بار پہلے بھی وہ خاموش رہے دروہ  
ہوئی تھی۔  
اس غلطی کا احساس انہم نے ہی اسے بار دہرایا  
تھا کہ اس کی خاموشی نے ہی اسے نقصان پہنچایا ہے۔  
وہ چاہے جتنی چلائی ناں، آہستہ آواز میں ہی سہی اپنے  
حق اور سچ کے لیے بول سکتی تھی۔ اس رات اسے اپنا  
دعا کرتا چاہیے تھا۔  
”بلیر دعا۔“ اسن کی آنکھیں شرم سے  
جھک گئیں۔ دعا ہے خالی آنکھوں سے نکلتی رہی، وہ  
دوسری بار وہی غلطی نہیں دہرائنا چاہتی تھی۔  
”تم نے کہا تھا کیا؟“ اسن نے موضوع بدل دیا۔  
”جی میں نے پیٹ بھر کے کہا کیا، آپ کے  
ساتھ والی چیز پر تو تنگی تھی۔ کہا تھا انہم کرنے اور وہا  
خوردی کے لیے لگا لگا ڈرا نیو۔ بھی مجھے تھے۔“ اس  
نے ایک اور نیشنر بھجوا دیا۔ وہ جھجھکا تاہو اس کے قریب  
آ بیٹھا۔  
”یہ تو ذرا ہی اہم کیوں اپنی پوزیشن کو کمزیر  
آ کورڈ رسی ہو۔ تم خود اچھی طرح سے جانتی ہو کہ  
اہم غصے کی تیز ہے۔ اس کر نے کچھ برا بھلا کہہ دیا تھا  
تو تم برداشت کر گئیں، اس سے اچھے کیا کیا ضرورت



اندازِ رُعب اور گھٹا ہٹا ہٹا کسی حاکم سے کم بھی نہ تھا! اس کی وجہ ان کی محکمہ پولیس میں ملازمت کی وجہ سے انہوں نے تمام عمر ایسے رعب اور دب سے بھری کرسی پر گھسواور بادشاہت کا پیکر نظر آتے تھے پھر خدا نے ان کی عظمت کو حقیقت میں چار چاند لگا دیے اور ایک کے بعد ایک اولادِ پرنان کی چھوٹی شاخیں ڈال دی۔

جب کرکٹ کھینچ کر کھینچ کر لیا بیٹا ٹھیک کرنا ہوتا تو ان چاروں بھائیوں کی ٹوٹی بھائی چارے کا کھلکا نمونہ بن جاتی۔ بڑا بھائی شہزاد اور دوسرا بھائی شہزاد ساتھ کھڑا اور ریش چھت سے آرمس سے تک جانے والے ٹیس کے باپ میں سے آواز دے کر ٹی وی کی صورت حال پر چھتا۔ نیچے آپ کے دوسرے سر پر کھڑا، اظہارِ ریش اور کی ٹی وی پر کرنی وی کے پاس کھڑے چھوٹے بھائی مزدور میں سے پوچھتا کہ تصویر صبح ہوئی کہ نہیں پھر اسے باپ کے ذریعے پیغام دایں اوپر بادشاہت چوری چوری اور ان کی تحسین میں کو لگنا کہ چاروں محبت کی زنجیر سے ایسی طرح مہر مہر ایک دوسرے سے بڑے رہیں گے اور یہی وہ شہری خزانہ جس کی چوری چوری دہان کے دل میں جب بیٹوں تو سونے کی قیمت کی طرح آگے اور سرخ آگے بڑھتی لگی۔

یہ تو جب بڑی بہرہ فزہ عیاہ گرائی تو چورہری صاحب کو احساس ہوا جس بھائی چارے کو وہ خالص سوا بیٹھے تھا اب اس میں ملاوٹ شروع ہو چکی ہے۔ گھر کے حالات میں مہسوس کی طرح کرکٹ بدلنے لگے۔ چند ماہ سکون رہتا پھر ایک چابک لوفانی بارش کی طرح فائزہ چھٹ پڑی اور ان ایک ایک کام لگوانی جیسے کھڑے کھڑے اجڑ سیت گئی وہ لے گی۔ مگر طوفان تھا چند ہفتے پہلے ہی خوشی خیز رہا تھا۔ فائزہ کا سب سے بڑا گھوڑہ یہی تھا کہ وہ دیہیوں کی چاکری کر رہی ہے اور یہی مسئلہ تھا جس کی حل تلاش کا فیصلہ ہو گیا تھا۔ چورہری دہان کو لگا تھا کہ فرار کی شادی کے بعد سال میں چند بار نہ والے طوفانوں

پر مشتمل چند جگہوں پر کیا۔ فرار کی بوی سداہ کیانی پر کسی کھی اور کھانڈ کرانی۔ دو بھائی بیٹے تھے کرکٹ سادہ دانشوروں کا پوتہ یہ دیکھ لے۔ اب نہ ختم کے تازے سے جنم لینے۔ بڑی بہرہ فزہ کیانی دی کے سامنے کی کھائی بانے تو چھوٹی بھند ہوئی کہ کبیز پر کھاتا ہے۔

ایک خشک کی شام فائزہ نے بیٹوں کے سلیپ کپڑے لاؤنگ کے میز کے سامنے پھیلا دیے اور اتفاقاً سداہ سے بچی بیٹوں کی کھانڈوں کو کچھ سب سے محبت پٹ کھوٹ کھوٹ کرکٹ تو لے کر لیا ابھی تم صوفوں پر جب مہمانوں کو بٹھا لیا تو سداہ پر کاہا رانا چڑھا کہ چورہری دہان کو لگا لیا ہے پلانے کے قبول کا احساس ہو گیا۔

”حکیم نیک نام اب تک جذبات کی نظر سے دیکھ رہے تھے جب بیٹوں کی شاکھائی تو بے بسی کا صبح احساس ہوا۔ سداہ سے کھڑا اور انہیں تھا کہ کسی ایک کو کچھ پانڈا کھڑا لٹا ہی نہیں۔ رات کی تو آرامی ان کے چہرے سے عیاں تھی۔ چاروں ہوں تو کھڑے تو ہیں۔“ حکیم نے خبر پر کھل دی تھی۔

”چار برتن صرف کھڑے ہیں لیکن چار بیٹوں ایک ہی محبت کے نیچے ہوں گا تو گھر کے ستون ٹل جاتے ہیں۔“ وہ کھڑا رہ کر ہی کہنے لگے۔

یوں خاموشی سے بسز پر چہرے جیسے سامنے بیٹھا کوئی مصور ان کی تصویر بنا رہا ہو اور ذرا سی جنبش سے اس کی عظیم تخلیق خراب ہو سکتی ہو پھر جیسے وہ مراقبے سے نظر اور انکس مل گیا۔

رنا زمرنت کے لیے اسے اور کچھ چھوڑنا تھا جس کی ایک معقول علاقے میں کچھ شادو ہلاٹ لے سکیں۔ چورہری دہان نے محبت زمرن خریدی نقش بنوایا اور بنیادیں کھدوا دیں۔ چار منزلہ وہ ایک ایسا مکان بنوا رہے تھے جس میں ان کے بیٹے ایسے ایک ساتھ رہیں کہ دوسروں کی زندگی میں گناہوں سر پرانگ رہے ان کی طرح جس کی چار خانوں میں رہیں۔ دہانے رہتے ہیں۔ دیواریں فرخ ہوں گی پر محبت تو سادہ ہوگی۔

یہ منصوبہ بنے بیٹوں کو سب ہی قبول تھا اس لیے گھر میں اس دن والوں کی انکس ہوا میں ملنے لگیں جن کا ذکر کچی پڑی براجم کے دواوں میں ملتا ہے۔

تیسرے بیٹے طلحہ کی بات چڑھی تو دونوں بھابیوں نے بیٹوں کے فرض نبھانے اور سرمہ کی ڈولی گھر میں اتاری تو بائیں پھیلا کر سب نے استقبال کیا۔ چاروں بیٹے باپ کے دست دہانے تو تیار تھے والے مکان شان سے زمین سے بلند ہونے لگے۔ گھر کا گیت چورہری دہان نے اپنے پسندیدہ نمبر کا رنگ کا بنوایا تھا جس کی کارگیری اور ذرا انکس اتنا حسین تھا کہ خالص سونے کا معلوم ہوتا تھا۔ یوں اس گھر میں آنے سے پہلے اس مکان کا نام شہری منزل پر گیا۔

چورہری دہان اور حکیم نے اپنے لیے ایک چھوٹا سا گھر کھاتا تھا جس کے سامنے ایک کھڑا لاؤنگ تھا۔ چاروں بیٹوں کے پورٹن کا ایک دروازہ باہر کھلا تھا دوسرا اس لاؤنگ میں کھلا تھا۔ تہا بتا سداہ کا قاعدی سے انور کا کھانا اس لاؤنگ میں کھانا تھا پھر سارا دن بچے کسی کسی کام سے اوادادی کے پاس پکڑ لگتے

رہتے تھے۔ لاؤنگ کے ایک کونے میں تسلیم بچہ کی جائے نماز چھٹی بچی اور دوسرے کونے میں ریلوے مسافر خانوں میں بڑی رہنے والی بچی سے آرام کر سکتی تھی۔ کرسی پر لٹ کر چورہری دہان کھڑکی سے باہر ہوتے پوتوں کو کھینچا بیٹھے۔ تیسرے کونے میں کی وی اور جوتے میں فرخ تھا۔ غرض دونوں میاں بیوی کی تمام ضرورتیں اس چورہری دیوار میں پوری ہو رہی تھیں اور پچاس سالہ رسی میں۔

سب سے چھوٹا جنازہ بھائیوں کی طرح ہی بڑھائی میں اوسط درجے کا تھا کھڑا کبڑے خوب دیکھنے کی بنا دی گئی اور بچے ڈھول اے ہمیشہ اپنے گھر کی آوازوں سے زیادہ سہانے لگتے تھے۔ ماں باپ بھی بیٹھے کہ بچپنا سے ڈسروادری آئے کی کچھ بھی آجائے گی۔ شادی کے بعد بھی اپنا فرض پورا کرنا سب کی عمر میں اسے اہلی کر دی مگر شادی لگام نہیں ہوتی ہوتا ہے کہڑا نے کے خواہش مند مرد اپنے ساتھ ساتھ بیوی کو بھی پر ہی بنائے لڑنے کی تک وہ وہ میں لگ جاتے ہیں جڑہ چند ماہ بعد ہی باپ کے قدموں میں آ بیٹھا تھا۔ بہت شہری موصی ہے ابو! عرب ملک سے ایک باقاعدہ کم جائیں تو زندگی سنور جائے گی۔

بہت ہاتھ پاؤں مارنے کے بعد وہ ایک نوکری حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ ”مزدور چار اور خوب ترنی کر سیری رعائیں تمہارے ساتھ ہیں“۔ نیچے ہاتھ پر زیادہ چاہیے۔ نیچے اجازت چاہیے ابو جان میں اپنا حصہ بنانا چاہتا ہوں۔ سالوں سے کیا عرصہ بھی شاید چار حصوں میں بٹ چکا تھا۔ جو غصہ ہونے کے بجائے دھک ہے بیٹے کا چہرہ دیکھتے رہے ”میں چلا بھی جاؤں تو کھلی کولانے میں سالوں لگ جائیں گے۔ اگر اس ملک میں بیٹا کی جائیداد ہو تو بڑا دیرہ بہت آسان ہو جائے گا۔“

نہیں سچ کہتے۔“

باپ اس بات کیلئے تیار نہ تھا اس لئے اس سے  
نہ نہ ہوا۔ دن بھر باپ کے قدموں میں بیٹھ بیٹھ  
کرتا کرتا رہا پھر اپنے بیٹے کے لاکر باپ کو بوند  
کرنے کی کوشش کی ”میں جانتا تھا میرے بیٹے ہمیشہ  
ساتھ رہیں۔“ ہر سوال کے جواب میں ان کی یہی  
رٹ تھی۔ سب سے بڑے بھائی شہزادہ نے معاملے کا  
حل پیش کیا کہ جڑ کا حصہ وہ خرید لے اور جب  
تازہ پھل جمع ہو کر لے تو بھائی سے اپنا حصہ دوبارہ  
لے۔ اس بات پر چودھری وہاج ان تو بے فکر یہ  
احساس کر، دل کا ایک ٹکڑا جدا کر دیا ہے تو سدا سوچا۔  
”کوئی تمام عمر نہیں رہتا دوسرے کے ملک“ کچھ  
سال کا کر دیا وہی آئی جانے کا۔ ”تکلیف میں شوہر کو  
تکلی دی۔“ لیکن اس کی واپسی کی راہ دیکھتے دیکھتے  
میری عمر تو گزر رہی جاتی ہے۔“

بیٹا گیا اور تحائف آگے لے کر باپ کا غصہ اعتبار  
سے آدھا مکان بڑی بھو فائزہ کا تھا۔ سالوں سے وہی  
فائزہ وار سجدہ ہے سچ کی چٹائی بھر سے بھرتے تھے۔  
”مجھے تو دیے ہی تھے اور چھوٹے کرنا وہاں  
گھر پہنچ نہیں تھا اس آج کی نسبت میں تڑا کر رہی  
تھی لیکن فائزہ بھائی کی چاکری مجھے ہرگز منظور  
نہیں“ سجدہ یہ روز دہائی کی سٹ لے کر شوہر کے پاس  
بیٹھ جاتی۔  
”تم اپنے راستے جدا رکھو میرے بیٹے بے زار  
آئے لگا تھا۔“  
”جے لان میں کھیلنے جے فائزہ بھائی کوئی ہیں کہ  
ان کی نیند خراب ہوتی ہے جڑ کے پورٹن میں قاری  
صاحب کو بٹھا کر سٹ لے لیا تو ان کا من نہ گیا“ سجدہ یہ  
جن لوگوں کی جی حضور کی رکتی تھی ان میں فائزہ مرے  
سے آئی ہی نہ تھی۔  
”چند سال کی بات ہے پھر میری اتنی حیثیت  
ہو جائے گی کہ الگ ٹھکانہ نہ کر سکوں۔“  
اس بات پر سجدہ یہ پوچھ پڑی ”تو حرا ہوا اپنی  
حیثیت پر کیا ہے اپنا حصہ اس نے بچا ہے تو ہم کیوں

دونوں سے سچ کر اپنا الگ گھر لے لیا۔

☆☆☆

گھر کھینے کے لیے گھبراہٹ میں تو ایک کلب میں  
باپ کے کمرے کے سچ سے گزری اور وہاں دیوار  
کھڑکی کی گڑھی کی۔ گھبراہٹ میں کھانسی سے باپ کا  
دل تپیم ہو گیا تھا۔ لاؤنج کالی دی اور فرنیچر والا حصہ  
بھی بیٹے والے حصے میں آیا تھا۔ اب بس علیحدہ جہ  
باپ کے پاس تھا کراس فرس برادر اور لاڈ سے باپ  
کرماں باپ کو کڑک رہے تھے۔  
خوش قسمتی سے علیحدہ کے حصے میں لڑکی والی علیحدہ  
چھان چودھری وہاج کی آرام کرسی پر بھی ساتھ ہی تسلیم  
تھیں نہ اپنی جائے نماز بھی بچا لی تھی۔ چودھری وہاج  
تمام دن اس ہی کرسی پر بیٹھے رہتے گلاب وہاں سے نام  
”آرام کرسی“ کہہ دیتی تھی۔ خواب دیکھنے جا میں تو ساتھ ہی  
ان کے ٹوٹنے کا حوصلہ بھی پیدا کر لیا جاتے چودھری  
وہاج سے ہمیشہ غلطی ہو جاتی تھی۔ علیحدہ اور مریم ہر طرح سے

خدمت کرتے وہ اب بھی ہوتے ہوتے میں گھر سے  
رہتے تھے گھراٹے ارمانوں نے کی بے سکوئی میں جودن  
بدون ان کی صحت گھرنے لگی تھی۔

اب دوسرے تھے اپنے بچوں کو سونا بنانے کی  
کوشش کر کے غلطی کی انہیں اولاد کو پاس بنانا چاہیے تھا۔  
سنہری منزل کے آگے میں پرانے بچے پڑتے دیکھ کر  
جیسے ان کی عمر کچھ دیر کم ہو گئی۔

گھر میں بھر دو گئی۔ سب بچے ہوتے ہوتے  
واپس آئے اور چودھری وہاج بریس کو کاغذ ہمارے کے گھر  
میں اتارا۔ پھر شامیانے بیٹھے گئے سجدہ سے منگوائی گئی

مغفلان واپس بھجوا دی گئیں۔ سب اپنے گھروں کو  
واپس لوئے مگر فرار از اور سجدہ یہ وہیں روکے۔

”مجھے کہاں جگر یہ کڑس کا شوروں میں کافی  
مناج ہو تھا۔“ میں نے اور پیسے لگا دیے کھینچے کھینچے  
ہے کہ سجدہ یہ کہ بہنوئی نے میرا جنازہ نہیں دیا۔ اپنا  
نقصان میرے پیسے سے پورا کر لیا اور مجھ سے کہا کہ

ادارہ خواتین و انجمن کی طرف سے بہنوں کے لیے 4 خصوصیت مائل

میرے خواب

لوٹاؤ



نگہت عبداللہ

تبت: 4000/-

کسی راستے کی

تساویں



بیونہ خورشیدی

تبت: 3500/-

اُجالوں کی بستی

اور ایک تم



فاخرہ بیگم

تبت: 4000/-

ایک میں

اور ایک تم



حنظلہ ریاض

تبت: 3500/-

مکتبہ عمران و انجمن 37 اردو بازار کراچی

فون: 32735021

کچھ نہیں بچا۔ اب ایسی صورتحال میں تھیں اس کی ماں کے گھر نہیں رہ سکتی۔  
 ظلم کی آواز کی ٹھوڑی تھی مردول بڑا تھا۔ ”یہاں با کا ہی گھر ہے“ سہیل روٹھتے اصرار نہیں۔  
 ”شکر یہ دینے میری نوکری تو قائم ہے میں جلد الگ گھر کا انتظام کر لوں گا۔“ سہیل کہتے ہوئے فراز نے دیوار کا وہ گوند دیکھا جہاں سے بھی اس کے پورشن کا دروازہ کھلتا تھا اور اب اسی کے نصیب کی طرح اس راستے پر بھی آئیں جیسی دلی تھی۔  
 ☆ ☆ ☆

چودھری دہاج بیٹوں کو ایک ساتھ دیکھنا چاہتے تھے اور یہ ارمان ان کے دل کے ساتھ تھی تھکنے والے ہو گیا تھا۔ دور اندیشوں کو لگ رہا تھا کہ اب اس ارمان سے درشت الگ آیا ہے جس پر کل بھی گھٹنے کا ہے۔  
 مزہ دیکھ کر سہیل نے کھینچی میں کام کرنا تھا۔ اس کی کھینچی ایک اہم ہونے کی بنا پر ہی اس کی عزت اہم اس لیے تھی کیونکہ وہ اس ملک کی نامور مسجد کے باکل ساتھ تھی۔ اس ملک میں آنے والے ہر سیاح کے لیے وہ مسجد فہرست ہوتی کی دہاج کا وہ مسجد نہیں دیکھی تو مسجد ملک نہ دیکھا۔ ڈاک گٹ سے لے کر سو درپے کے نوٹ تک وہ مسجد دیکھی تھی جیسے ساری گلی روایات کا پچھڑ ہوئے غیر کے ایک معمول کے دن ایک دلی کی کرپن سے قابو ہو کر مسجد پر گئی۔ مسجد کی ایک دیوار نوٹ کی اور کئی سیاح نیچے آ کر ہلاک اور زخمی ہو گئے۔ پھر عالمی مسئلے کی طرح اٹھری۔ لوگوں نے الزام لگایا کہ کھینچی مالک نے ملک دشمن عناصر سے مل کر جان بوجھ کر مسجد کو مسمار کرنے کی کوشش کی ہے کھینچی کے مالکوں تک کاوری باستر بندھ گیا تو مزہ کیا چڑھا۔ وہ بھی مختصر سا مال اسباب سمیت کہ سنبری منزل لوٹا جس کے سنبری گیت سے داخل ہونے کا حق نہیں تھا اب ان کے پاس نہ تھا۔ وہ سب بھٹی چھوٹا گیت استعمال کرتے تھے۔  
 اس کی کھینچی ڈگریوں اور تجربوں پر اصرار ہو گیا چکا

قہاں لے لے اس نے ایک جزل اسنو خرید لیا۔ آدھن آجی تھی کہ گڑا ادا تھا اور آجی نہیں تھی کہ ایک انگ انگ انگ انگ کر کے تسلیم کر لیا اب آرام کرنے کی عمر تھی مگر کھوکھو بھرا ہوا تھا۔ وہ اس کو روٹی کر دان کر اس میں خوشی تلاشیں اور اس روٹی میں اپنے آخر کی دن گزار کر دیکھی سنبری منزل اور دنیا سے رخصت ہو گئی۔  
 چند دن تو سب کو لگا کہ کچھ کشادہ ہو گیا ہے مگر ماں کے پاس کی روٹی بھڑا اور نافرمانہ آئے تو معلوم ہوا وہ بھی رہنے کے لیے آئے ہیں۔ کسی شیخ جلی دوست کے مشورے پر انہوں نے بھی ان دیکھے کا رو بار میں مر ڈال دیا تھا جو گھڑی گھسی کے چھتے میں چھانکے کے حراف ثابت ہوا۔ کار بار میں گھر کی دھک کر باہر ڈالا۔ بڑی شان سے بیٹے کو یو پ پر چھتے بیجا اور کھینچی کی بڑے گھر میں کھینچی کر ڈالی۔  
 جہاں نوکری کرتے تھے وہاں بیٹا لے لے لگا کر چونکہ وہ کئی سالوں سے ناز جانے والی گھنٹری میں کام کرتے تھے اب کار بار جس کا ایک پہلو ناز دیکھا سلائی کا تھا جس پر نہیں خست لفظوں میں کہہ دیا گیا تھا کہ نوکری کریں یا کار بار انہوں نے نوکری کو خیر یا بد کہہ کر یا بھڑکے میں سے کار بار کی دلی چکھی سی ماٹھ بڑی کھینچ کر قرض ادا کر دیا اور اس پر بچا تھا کہ ایک چھوٹا گھر لے لیں یا جی کو شان سے رخصت کریں تو انہوں نے بچی کے مستقبل کا سوچا۔  
 سنبری منزل سے کھینچی ڈلی پوری آب و تاب سے آئی۔ بہت عرصے بعد دہاج میں کا آشیانہ دشمنی اور پھولوں سے یوں سما کر سنبری رنگ میں جھجکا اٹھا پھر زندگی دوبارہ معمول پر آئی۔  
 ”بھائی جان! میں آپ کی بہت عزت کرتا ہوں مگر جس طرح جلد بازی میں آپ نے میرا اصرار بھیا دوا آخر آپ سے ہی آگے آیا۔“ مزہ زیادہ دن چپ بندہ سکا۔  
 ”بھابھا! دیکھ تم نے خود بچا تھا۔ جب میں نے بچا بپا دیا تو میرا تھا۔“

شہزاد کے پاس تو نوکری بھی نہیں تھی اور اس عمر میں دوسری نوکری لینے کی امید بھی نہ تھی جو چیک میں سرایہ تھا۔ وہ بیٹے کی بڑھالی پر خرچ ہو رہا تھا۔ اب جب سے پیسے نہیں لگتے تھے تو بھائیوں کا لحاظ کم ہوتا جا رہا تھا۔  
 ”ابن بطور امانت آپ کو سونپ کر گیا تھا خیانت نہ کی ہوئی تو آج میرے سر پر بھی بھت ہوئی۔“  
 ”بھابھا“ کام کا آشیانہ باقی رہی تا کہ تھرا رہا مستقل بن سکے اور تم بھی ان گھنٹیں دکھا رہے ہو۔“  
 حلو نے قریب سے گزرتے ہوئے بے بحث سنئی تو بچا جس پھیر کر گزرا تھا۔ اب ہر روز کا معمول تھا۔ وہ جتنا کر سکتا تھا پہلے ہی گرا تھا۔ بار بار جھٹوے سلجھا کر وہ ان کا پائیں میں سلک تھا۔ الگ گھر کا راز بار رکھنے میں چودھری دہاج کے بیٹے پر حق تھے۔ مگر باپ کی جمع پونجی کے اس کی زندگی میں کٹے کر نے نے بھانے اگر اپنے مل بوتے پر سب حاصل کرتے تو انہیں اس میں آتا۔  
 چودھری دہاج کی یہ خواہش کہ بچے ساتھ رہیں ایسے پوری ہوئی کہ جن کو اسکل کے زمانے میں شرفندہ فقیر کا مطلب سمجھ میں نہیں آیا تھا بہت اچھی طرح سمجھ میں آئی کیونکہ اب وہ ایک گھر میں ایسے رہتے تھے جیسے ایک درخانے میں چار ہاتھ ڈال دیے ہوں ایک دوسرے کے غم اور خوشی میں ساتھ رہنا تو لازم تھا یہ مگر لڑائی جھگڑوں سے بھی بچ نہیں پاتے تھے۔ آدھی عمر باپ کی جمع پونجی کے مل پر لڑا اور اب اپنی اولاد پر لگا نہیں تھیں کہ وہ اپنے پاؤں پر کھڑی ہو اور اپنا ٹھکانہ بنا کر انہیں بھی ساتھ لے جائیں اب ان چاروں کے دلوں میں ایک ایک سنبری خواہش کا دیا مل چکا تھا۔

پیارے بچوں کے لئے

# قصص الانبیاء



تمام انبیاء علیہ السلام کے بارے میں مشعل ایک ایسی خوبصورت کتاب ہے آپ اپنے بچوں کو پڑھانا چاہیں گے۔

یہ کتاب کے ساتھ مشعل چھ شیعے کا شجرہ وقت حاصل کریں۔

قیمت - 300/- روپے

بذریعہ ڈاک منگوانے پر ڈاک خرچ 50/- روپے

بذریعہ ڈاک منگوانے کے لئے

مکتبہ عمران ڈائجسٹ

32216381 اردو بازار، کراچی، فون:

”میر تو آپ کے شوہر نامدار یا ماس محترمہ سے  
ہیں۔ یہ تو مجھے سو فیصد یقین ہے مگر بات کیا ہے جس  
نے ایک ہی رات میں خونِ نبوؤ لیا آپ کا۔“ چائے  
کا گھونٹ بھرتے ہوئے اس نے بغور ان کا چہرہ  
دیکھا۔

”جانبہ زنب اور امیر اور محبت ہر ایک کو رام نہیں کر سکتے۔ ایسا ہوتا تو ہماری ماں بی بی کی اس مگر ..... مگر وہ کیا کر دوں میں اور کس کو؟“ جی ”کڑا چاکر کر یا لکھڑا کر اچانک کر لینا سیکھو ورنہ تاریخ اپنے آپ کو ہرے کی اور وقت ہمارے سامنے ایک اور زنب اور شفا کو ان کی صورت لا کھڑا کرے گا۔“ دونوں بھانجیوں کو پیاد کرتے ہوئے اس کی آواز رنہ نہ تھی۔

”انسان بھول بھی جائے شفا! وہ ستر ماؤں کے برابر چلے جائے والا اپنے بندے کے ساتھ تو ہونے والی زیادتی کبھی نہیں بھولتا اور وقت آنے پر اسے دو گنا کر کے لوٹتا ہے۔۔۔ میں نے اپنا ہر معاملہ اپنے اللہ کے سپرد کیا۔“

تاؤلیٹ



”وقت کس نے دیکھا ہے زینب! آبی۔“  
لیٹ ہو کر بیٹھیں۔ وہاں آ کر بات کرتی ہوں۔ انھو  
سو نہ! اپنے گھر چاچو کا گلاؤں۔ دوتہ پہلا جیڑو کیا  
میرا۔“

”سائے تو قدر کی نہیں میری کم از کم بچوں کے  
سائے غم موجود کی میں ہی زنت سے پکارا کرو دیکھا  
چاچو حاضر ہے۔ ابھی جلدی سے ناشتہ دے میں  
دوتہ آپ کی ایک چڑھی بہن کے انھوں آج میری  
خیر کریں۔“ پھر انھیں اسادہ سامنے تھا۔

”خبردار خبردار جو تم نے اب ناشتہ کا نام بھی  
لیا۔ صرف میں منہ رہے میں کلاس شروع ہونے  
میں۔۔۔ ناشتہ کرنا تھا تو جلدی میں ابھی اٹھ  
جاتے۔ جلدی چلو۔“ وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر کھینچتی جا  
لے جانے لگی۔ دونوں بچیاں چاچو کی اس حالت پر  
بے بسی ہو گئیں۔

”خفا! اسے ناشتہ تو کر لینے دو۔ چچو کو پتہ چلا  
کہ ہادی ناشتہ کے بغیر گیا ہے تو بہت ناراض ہوں  
گی۔“ زینب تو بے چارہ چھوڑ کر بھاگی چلی آئی تھی  
ان کے پیچھے۔

”اگر ہمت ہے تو روک کر دکھا دیں اپنے  
بیادے دو پر ہو۔“ اس کے انداز میں ایک محسوس کیا  
جانے والا تھا۔ زینب طویل سانس لے کر درہن  
کر دھاتی دو اس کے روکنے کے باوجود ایک ٹپک لگانے  
لگا تھا۔ یہ تو کھر کا فرخ ہی جانتا تھا کہ ہادی کے لیے  
صرف شفا کی خوشی زیادہ اہمیت رکھتی تھی۔ وہ اس کی  
بڑائی سے بچنے کے لیے ایسے ہزار ناشتے قربان کر  
سکتا تھا۔

☆☆☆

تو ماہنامہ نہیں کیا تھا اس کا مگر سرخ مسند چہرے  
پر نئی آکھوں کا استراحت اتنا بھلا کہ قہار کو کہہ سکتی  
باتوں نہ کہ جس نے اسے کیا کہہ کر پکارا تھا کہ بعد  
میں۔۔۔ نیکل! انتہا مشہور ہو کر اس کا نام بھی پیچھے رہ گیا  
تھا۔ تاپا کے دو درواں بنے تھے۔ جن میں سے ایک  
کوٹہ پیدا ہوتے ہی تانی نے اپنے بے اولاد بھائی کے

حوالے کر دیا تھا۔ سوئی ہی اٹھتا تھا تاہم اور تانی کے  
گھر کا مگر نہیں اور لاڈلہ ہر کسی کے حصے میں نہیں آیا  
کرتے۔ پانچ سال بعد ہی چچے کے گھر ٹیلی آڈیٹ  
جہاں علی کے اگوئے ہیں تو کم کی تعداد میں نیکل کی  
اہیت ہی سچی تھی۔ تاپا، تانی، بی بی ماں، باپ کے برابر  
ایسے کے باز آگئے نہ جیسے سہیلی کی۔ انھوں کی  
خوشگوارگی تو تاپا کے چچا کا گھرا۔ کسی بھی ٹیلی آڈیٹ کی اس  
قدر اہمیت پر جھٹولا ہی جاتا تھا۔ مگر جہاں پھر بھی اسی  
طولی میں بندگی جس کا نام بی بی تھا۔

گھر والوں کے لاڈ پیار نے اسے لگاؤ نہیں  
تھا مگر کسی حد تک مغرور ضرور گرد آتا تھا۔ بچے کے لیے  
کر لڑکیں اور لڑکیوں سے لے کر جوانی تک ہنر سے  
لطفے والی ہر فراش ایسے پوری ہوتی کہ کسی کے کٹنے کے  
لیے نہ سنا مانگن ہو چکا تھا اور مزاج کسی حد تک  
حاکمانہ۔۔۔ ان ہی دنوں جب گھر میں ان دونوں کی  
شادی کی باتیں ہو رہی تھیں۔ نیکل کے اماں، اماں کی  
حادثی وفات نے جہاں نیکل کی دجائید میر کر دی تھی  
وہاں تاپا اور تانی بھی کوٹ سے گئے تھے۔

☆☆☆

”ہاں بھئی! ابھی تک باہر نہیں آئے تم  
لوگ؟“ یہ کھول کر چارہ ہی ہیں سز پچھتہ لوگوں کو  
میں شیشہ نہیں کرنے دیا تم نے ظالم لڑکی۔۔۔ اب  
آدھے گھنٹے سے پچھتیں میں بیٹھا ضرور مری راہ تک رہا  
ہوں۔ گرم سموسوں کی خوشبو سے حواس اڑے اڑے  
سے ہیں۔

عینت میں الگ چہروں نے کرکٹ کا میلہ سجا  
رکھا ہے۔ اب! ملکہ عالیہ کی اجازت ہو تو بھوکہ کچھ  
پیٹ پوچھا کر لے۔“ اب! سا نیٹ اسے بھیج کر  
اس نے کرسی سے ٹپک لگائی۔ وہ وہ دو کاس شیلو تھے  
اس کا ٹکڑا کر چٹا ان کی دوستی کا نقطہ آغاز بنا تھا اور نہ تو  
وہ اس سے چلی جاتی تھیں تو ایک دوسرے کے  
دوسرے نے راسخی کی کالی میں جہاں ہونے کو رک گیا ہوا  
تھا۔ اسی پتے پر مری ہوئی چھٹی رکھ دی گئی۔ نیچر نے  
جیسے ہی کالی کوئی ایک زوردار چچ ان کے حلق سے نکل

تھی۔ اس کے بعد ایک ٹیوں کا ایک طویل سلسلہ چلا  
تھا۔ زورواں آئے پانی کی تیشیں لگی کر کسی کی تیش  
تو شفا کا نام پڑتے ہی ایک زبردستی سر اور جوتن  
گھٹنوں کے لیے پتھر پکڑا ہونے کی کئی کہنے شفا کو  
انجانی شرمندگی سے دوچار کیا۔ یہی نہیں پہل  
صاحب نے الگ گاڑیں میں آ کر اس قسم کے جوہر  
خفاق پر اسے مجاز پلائی تھی۔ اس دوران ہادی کی  
آنکھوں کی چمک اور چہرے کی مسکراہٹ نے صاف  
تباہ کیا تھا کہ یہ برسوں والی شہادت کی سزا کی جو اس  
نے اس کی ذرا ٹنگ ایک پر راک کرانے پر دی تھی۔

اس دن بیچ پر اس میں کئی شفا نے فیصلہ کیا تھا  
کراس بارہ ہادی کو لایا یہ سب کھانے کی جو وہ بیٹھ  
باد رہ گئے۔ اور اس وقت انتہائی منصوبے بنائی شفا  
نہیں جانتی تھی کہ وہ واقعی اس کو لایا یہ سب کھانے والی  
تھی جو اسے سرخمر ہوا اور پتا چلا کہ اس کا موقع اسے  
بڑی آسانی سے ہی شامل کیا تھا۔

وہ اپنے دوستوں کے مہراہ چھت پر چنگ اڑا  
رہا تھا جب کہ شفا بھی وہیں اپنی لڑائی سے لپکتی ہوئی  
تھی۔ کچھ دیر اس کی چنگ بازی کو دیکھتے رہے کے  
بعد جانے اس کے دل میں کیا تھی کہ بالکل مندر  
کے کنارے کھڑے ہادی سے بھاگ کر آن کران، وہ  
اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکا اور ایک زوردار آواز نکالنا  
بچنے جا کر تھا۔ دفعتاً کندھے پر زور سے فاصل گئے  
پر وہ ان یادوں کے سفر سے باہر نہیں آتا تھا۔  
”ہاں بھئی! پہنچ پہنچ پہنچ کر مجھے خانا خواہ کے  
احساس جرم میں جھکا کر دیا تم نے۔ پڑے آف  
ہوئے ہی میں بھاگی چلی آئی ہوں کہ کترم بے ہوش  
ہی نہ ہو گئے ہوں مگر یہاں تو اگلے دن اور کل پر لکھ کر  
ایسا لگ رہا ہے کہ ابھی ابھی میں کھانا تناول فرما گیا  
ہوں۔“ بیٹھے ہی اس نے بیز بجا کر ساتھ کرانے  
لے کر کوٹہ جاکر جو ساتھ والی بیڑ پر چاچے کو کھاتے  
”اب چھوڑ کر ذات پر تم نے نہ کچا ناشتا  
چھوڑ کر ایک بڑا احسان کر ہی دیا ہے تو اب تباہ میری  
جیب سے لیا کھانا پینڈ کر کے۔“

”جہاں تک میرے علم میں ہے تو میں تو صبح  
اماں سے پڑوں کہ پیسے اور کچھ اور دوپے لے کر آیا  
تھا تم نے تو وہ بھی نہیں لے تو میرا ہی کر کے صرف  
میرے ساتھ رکھ کر ہو جاؤ۔ یہی بڑی بات ہو گی  
میرے لیے۔“ طغیانی انداز میں کہتے ہوئے اس  
نے لڑکے کو گھر میں بوسوں اور چائے کا لاڈ دیا تھا۔

”مترم ہادی صاحب! انھیں شاید یہ علم نہ ہو کہ  
اپنی ذات کے لیے کسی دوسرے سے کچھ بھی ہاتھ پھیلا  
کرنا بھلا سمجھتی ہیں۔ کئی پینڈ نہیں رہا۔ چاہے وہ دوپے  
ہوں۔ محبت با حق۔ میری جن نیو خنز کا مٹاؤ  
اڑاتے تھے انھوں نے مجھے اس مانگنے میرے کہ  
چکر سے اڑا کر کے اس احساس سے چھٹکا کر دیا  
ہوں۔ میں نے جادو بار دیکھ لگ جاتا ہے ہشتوار  
میگزین میں تو اس کی بے منت سے اچھا خاصہ کراہا  
ہو جاتا ہے میرا۔۔۔ اس لیے کوئی ترس دوسرے کھانے کی  
ضرورت نہیں ہے مجھ پر۔“ اس کے ہی انداز میں کہتے  
ہوئے اس نے ہر گراھا کھانا شروع کیا۔

”والدین دوسرے پاس کی نہیں ہوئے شفا! بلکہ  
یہ وہ وہاں حشر ہے جس سے انسان اپنی ضرورت اور  
فرمائش تو کیا ہر خواہش بیان کر سکتا ہے۔۔۔ کیونکہ  
والدین پر اپنی اولاد کی نکالت ایک فرض ہی تو ہے  
جب تک وہ اپنے بیٹوں پر کھڑے نہ ہو  
جائیں۔ مجھے اچھا نہیں لگا جب تم اپنے جیڑو  
سے اسے میرے برتی ہو۔“

”ابھی میرے نہیں۔ صرف تمہارے، صرف  
تمہارے والدین ہیں وہ۔ تم ہی اپنی ضرورت،  
فرمائش اور خواہشات پوری کر دیا کرو۔ اب کیوں  
اور کیا کے سوالات مت کرنا کیونکہ ایک بار یہ بحث  
شروع ہوئی تو مشکل سے ہی ختم ہوگی۔ جلدی سے  
ختم کر دو۔“ سب نے ایک دھجک سے مرے پاس  
تھے اور یہ چڑیا کی طرح ٹونگ رہے ہو۔ میری  
ٹیکٹ کلاس اشارت ہونے میں دس منٹ وہ گئے  
ہیں اور آج بھی تینوں کے لیے چھوڑ دینا۔ سوم

کے تہذیبیہ فحش نہیں لگے رہے تو ایسے موسم میں کنزہ کا براہِ رُہ ہو جاتا ہے۔" کولڈز دیک کر کھونٹ بھر جاتے اب وہ بول بھی رہی تھی اور اس سائنٹسٹ پر کسی نظر دوڑا ہی کسی جس کی جاگراسے پر پیشین دینی تھی۔

☆☆☆

وقت بڑے سے بڑے دکھ پر بھی موصول ڈال کر اسے بھلانے میں مدد دیتا ہے۔ اگر جو وہ وقت ٹھہر جائے تو ہر دکھ کے بعد انسان کا جینا ہی مشکل ہو جائے۔ قدرت نے ہر چیز کو کھن فطرت کے مطابق رکھا ہے۔ بتایا، تائی اور دل کے خیال رکھتے رہے سنبھل گئی۔ شادی کے ہی کسی زندگی کی طرف لوٹ آئی تھی۔ پر حالی ہیں اس کی دوپٹی واہجی کی سوا البتھ اس کے بعد یہ تعلیم کو تیر با کھدیا تھا اس نے۔ علی کا بیوروہی میں آخری سال تھا۔

تا اور اب کا لیدر کا مٹش کا چھوٹا سا کار وہ تھا جس کی تعلیم مکمل کرنے کے بعد علی کو ہی سنبھالنا تھا۔ سو بتایا، تائی نے ان دونوں کی شادی کر دی تھی۔ دونوں ایک دوسرے کو پا کر بے حد خوش تھے۔ شادی کے پہلے سال ہی بعد علی نے ان کو دس آٹا تھا۔ بتایا، تائی نے دس دو برس ہی جی پائے تھے تمام فرائض سے سبکدوش ہونے کے بعد وہ دونوں بچ رہ گئے تھے اور اس کا سبک دے کے دوران بھگدڑ بچ جانے کے دوران شہید ہو گئے تھے۔ محبت بچھاؤ کرنے والے ہاں باپ کا دکھ ان دونوں کو کون سے آنسو دلا گیا تھا پھر ہادی کی آواز نے ان کو اس سے نکلنے میں مدد دی تھی۔ زندگی ایسے ہی گزر رہی تھی کہ پھر وہ ہو گیا جس کا ان میں سے کسی نے تصور بھی نہیں کیا تھا۔

☆☆☆

"صرف تمہاری زندگی تمہاری بیٹی کا پی ہو بناؤں۔ اب بتاؤ کہ کتنی بیٹیوں کا بچا ہمارا ڈالے گا میرا بیٹا۔" کسی پسند بھی کر چکی تھی اور شادی کے دن آئی تھی۔ مگر صرف تمہاری وجہ سے میں اپنی زبان پر قائم نہ رہی کہ اور ہر عمر کی شرمندگی مول لے لی

اپنی کرن کے آگے۔ میں کہے وہ دہری ہوں کہ اب کیا بارگرا بیٹا نہ ہوا تو میں کچھ اور سوچنے پر مجبور ہو جاؤں گی۔ دیکھتے کی وہ پٹی بٹیاں تھی بیوہ ہر ہاں کے در پر وہ بدادہ آن تھی ہے۔" وہ دہری ہی تھی تھیں۔

"بیٹوں یا بیٹیوں کی ماں بننا عورت کے اختیار میں تو نہیں ہوتا سمجھتے آج بیٹیاں ہیں تو بیٹیاں ہی ہو جائے گی۔ اس میں کون کی پریشانی والی بات ہے۔ بانی کس بات کی کمی ہے تو بیٹی میں، بڑی کھچی ہے خوب صورت تھی اور سلیطہ مند اتنی کہ ہوش سنبھالنے ہی کچھ کار کا سارا مال خوش اسلوبی سے سنبھال لیا تھا۔ شادی کے بعد تو مزید سردار ہو گئی ہے۔ ہاں شادی کا خوشی کا پراد ہے۔"

"صرف لا پرادہ نہیں۔ فریاد دروازہ بدل ملحقہ اور جو بڑا کھو میاں اپنی صاحبزادی کو۔ اور میں نے کب کیا کر زینب میں وہ تمام خوبیاں نہیں جو تم بیان کی ہیں مگر مسئلہ یہ ہے کہ یہ جو خوش بلڈ پریش کا مرض اس کی جان کو چھٹا ہے تو اس سے بچنے کی کونسی چیز ہو پاوی۔ سو بتایا بچ برس کی ہو گئی۔ اس کے بعد میں دھن امید بندگی ہر باری معاملہ بڑا کم اس کم بہت لی لی کی وجہ سے۔ اب تو ڈاکٹر بھی ہے کہ رہے ہیں کہ تندرستی چھوڑا کرنے کی کوشش زینب کے جان لیا ہو گئی تھی ہی ڈاکٹر سے کی نسبت کرا کے آئی ہوں۔ اللہ کا دیا بہت ہے ہمارے پاس۔ میرا تجربہ اور ڈاکٹر کے بعد دوسری بیوی تو کیوں ترستا رہے مگر تجربہ اور ذریعہ کے لیے۔ روز ہی یہ دراک لاتی ہوں مگر تمہاری بیٹی نے الگ درد درد کر کر میں غصوت ڈالی ہوئی ہے تم الگ ایشیے بیٹھے ہو۔ بتاؤ بھلا دریا نہیں گئی وہ دو مشاوار اور سنبھالنے ہی ہے۔

زینب کی حیثیت وہی رہے گی جو ایک بہو کی ہوتی ہے۔ اور یہ شفا کے بھی پر کاٹو ڈرا۔ تو اس کے لیے کسی مدد نہیں ہیں۔ نہ آئے اس کا وقت نہ جانے۔ نہ بات کی سیر نہ ملحقہ ہی کام کا۔ ہادی کو تو غلام بنا کے رکھا ہوا ہے اس نے۔ یہ طور

فرطے ہوئے ہیں شریف بچیوں کے۔ زینب نے بھی تعلیم حاصل کی ہے۔ ہادی کا کھانہ ہو کر کھن کے بچے نہیں ہوتا ہے۔ یہ ستر مرد اور دو بچے کے مغرب کے وقت کھڑی ہوئی ہیں۔ نور بڑی مٹاٹر ہے اپنی شفا آتی ہے۔ کہیں وہ اس جی روض شانتا لے۔ سم کو گھر کے برا نہیں ماننے کی۔ مجھے تو دشمن سمجھتی ہے اپنا وہ پہلے دن سے جو بھر باہر ہے۔ آج تک دیکھ ہی قائم ہے۔" وہ دفتر سے واپس تھیں اور ان کے ماتھے کے بل پر ہاتھ تھے۔

☆☆☆

"میں پہلے ہی کالج کے وقت کہا تھا کہ ہماری ماں کو اللہ نے لایا۔ باپ کو بچی نے جھٹھالیا۔ اور بچی وہ عورت ہیں جو بغیر مطلب کے کی کو لپٹا جائز بھی نہیں دیتی۔ وہ ایسے کچھ نہیں ہو سکتا کہ کھن کی سی کھوڑ پر کھوڑا ہو۔ اس کا کھن نام لینے پر اس عورت نے مجھے میرے گئے باپ سے پتو لیا کہ میں پھر بھی اڑی رہی کہ یہ کھن نہ ہی کم از کم میں لاکھ جرمانہ ہی لکھوا لیں اگر سعدی بھائی نے دوسری شادی کی تو وہ دیں گے۔ نہ ہونے دیتی کالج اگر جو تم جی سادری کی بن کر چچی بن گئی کہ ہمدردی میں گھڑی نہ ہو۔ سو بتاؤ اس وقت سب کو میں دشمن لگ رہی تھی۔ تم نے تو مجھ سے بات چیت ہی بند کر دی تھی کہ میں خواہ مخواہ امداد کے لوگ ڈال رہی ہوں۔ تمہاری خیریتوں کی راہ میں رکاوٹ نہ ہوں تو اگر میں تمہیں حب و دشمنی کی تو اب بھی میرے سامنے مت روؤ۔" وہ دہری زینب کو کچھ کھٹے سے بولی تھی۔

پہلے دن سے کچھ نہیں دے دیا تھا کہ وہ کچھ ہی دنوں میں کرن کو اس گھر میں بجا کر لانے والی ہیں۔ ناشتے کی میز پر خوش قسمتی سے سب بہت دنوں بعد جمع ہوئے تھے سو بچی نے وہیں بیٹھا چھوڑا تھا۔ اب اور سعدی بھائی تو اطمینان سے ناشتا کرتے رہے تھے۔ شفا نے ناشتا چھوڑ کر ایک کٹلیں نظر پڑی پر ڈال دی تھی اور پھر طرے نظر سے ہادی کو دیکھا تھا جو خدائے پر بل

لیے ایک نوک پر کچر ہوا تھا۔ "جو مسئلہ باہمی کے ساتھ ہے اماں اس میں ان کا کوئی تصور نہیں ہے۔ پھر آپ کیوں۔" ناشتا کے پتہ کی انتہا کرتے ہوئے کھانہ کھا لی تھی ڈسٹر کر رہی ہیں اور باہمی کا دل ان کو توڑ رہی ہیں۔ یہ کیوں نہیں سوچتی کہ اللہ نے انہیں بے اسلوبہ تو نہیں رکھا ناں۔ دوپٹی پر پیاں بچتی ہیں ہم کہہ لیں۔ اس رمت سے کیوں منہ منہ رہی ہیں۔"

"لو بھلا۔ گھر کا کھا لی کیا خراب ہوتا۔ وہ اور اب اگر پورٹ میں رہے گی۔ نیچے دالوں کی روغن پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔ اور بیٹیوں کا کیا ہے رخصت ہو کر گلے گھر چل جاتی ہیں۔ باپ کا بازو ہوتے ہیں۔ اور وہ تو جتنے جتنے خاندان کے پھر یہ صرف میری نہیں سعدی کی بھی خواہش ہے۔ اس کے خیال میں کرن کی بدوعامی ہیں جو اس کو دھارت کی خوشی نہیں لکھا رہیں۔ دوسری شادی کوئی گناہ تو نہیں ہے اور اب تو وہ ایک بیوہ سے نکاح کر رہا ہے، اسے اس نیک کام سے روک کر گناہ کا گتو مت ہو۔"

"ہمیں تو خیر کسی کھا نے میں رکھا ہی نہیں آپ نے کیونکہ ہماری ماں سرکھلے ہے اور باپ۔" اس نے ایک تھکری نظر سے ان کو دیکھا اور پھر پچی کی طرف بڑی۔

"کل اگر کوہ کے ساتھ یہ سب ہو۔ تو کیا ایسا ہی تو ایسا ہو گا۔ شوہر کو بھی کمانے کو نہیں لگا۔" "بیزار ہو کر تیرا شفا! اس میں خاک پڑے۔ اسے کیڑے پڑیں تیری زبان میں۔ پھر نہیں ڈانٹے ہیں۔ ڈانٹے۔ ایسے منہ بھر کے بدو دادے دلی میری کی ہو گی۔" ان کے دادے پیلے پر بت بٹے پایا کو بھی ہوش آیا تھا۔

"آئندہ ایسی کوئی کھانہ کی ماں شفا! زبان کاٹ دوں گا کہ تمہاری۔" طرے سے ہر کھٹے سے انہوں نے کہا تھا۔ شفا بھی ڈرے بغیر کسی کھانہ کھڑی



245 2018





مخفی تو میں نے اس کے لیے شدید نفرت محسوس کی..... اس واسطے کے بعد جب میں اسکول گیا تو مضطر، لوگ اور روئے تیرے لیے بول چکے تھے۔ اس روز میں اپنے دوستوں تک کے نزدیک ہاؤز پر جا تھا..... ایسا لگا جتا جو سٹل ہیں ان کا ساتھ نہیں دے سکتا تھا۔“ اس کی آواز بجبجکی گئی۔ حکمت یکدم کے چہرے کے نقشِ حق بن گئے۔ دل میں ایسا درد اچھرا جسے ابھی کی بات ہو۔

”مجرمان میں سے ایک کے منہ سے ایسا فقر و نکلا جو میرے اندر تک کب نہ گیا تھا۔ اس فقر سے میں ان کو تنہا رہنے کا سننے سے جنہوں نے میرا وجود نیل و نیک کر دیا تھا۔ جانتی ہیں وہ فقروں کا یا تھا۔“ دور درک کر بولا۔

”جھنک یو اماں..... جھنک یو سوچ..... میں  
کوشش کروں گا آپ دونوں کے درمیان عمار کی  
نوبت میں نہ آنے اور دوسری بھائی کو بھی سمجھا کر  
دوسری شادی برآمد کر سکتا ہے مگر دونوں کے درمیان  
توازن قائم صرف ایک مومن ہی کر سکتا ہے۔ کم از کم  
کسی ایک معاملے میں یہی سچ مسلمان ہیں کہ دکھا  
دیں کہ حقوق العبادہ کو سناٹے کی سخت چڑ ہے۔  
پچاس اگ اب کے چار کوڑے کی ہیں۔“

رہے تھے۔ ”نچو نہیں بھو اچھے، ابس کچھ وقت اپنے ساتھ گزارنے کو دل کر رہا ہے۔ آخر بھی انسان ہوں، میری بھی کچھ خواہشات اور خواب ہیں..... آپ مرد لوگ تو جاب چاہتے ہیں، عورت بس آپ کی حق پوجا بات میں لگی رہے۔ آپ کے بچے پیدا کر کے پانسی رہے۔“ وہ گیابات کھانے کو دوڑی گئی۔





”کرو گی آئندہ ایسے..... بتاؤ کرو گی  
 ”جیسے.....“ وہ زور زور سے اس کے ختمے ہاتھوں پر  
 لگڑی سے ضرب لگا رہی تھیں۔  
 چھوٹی سی بچی کو انہوں نے جائے بنانے کو کہا

نے کہا کہ وہ حسن سے ملنا چاہتی ہے پرنس کے حوالے سے کچھ بات چیت کرنی ہے۔ مزید اس نے کہا کہ وہ جانتی ہے کہ وہ عدت میں ہے مگر پھر بھی حسن سے اس کا ملنا بہت ضروری ہے۔ وہ رد سے میں ملے گی۔ اس

”تم اسے نہیں چھوڑ سکتے.....! پھر علی کون تھا۔  
وہ بھی تو میرے بچوں کا باب تھا..... مجھے کیوں اتنی  
جلدی فصلیے پر مجبور کیا۔“ وہ چلائی۔

"اللہ کے لیے اپنی سوچ کو بدلو۔۔۔ اپنی حالت کو بھی۔۔۔ بچی کی شادی سر پر ہے۔ ایسے میں سیرا ساتھ دینے کے بجائے میری پریشانیوں کو بڑھا رہے

ہو۔ حسن! ہم سب تمہارے اپنے ہیں۔ کوئی تمہارا دشمن نہیں ہے۔“

وہ ایک بار پھر وہ باتیں دہرائیں جنہیں جو کچھ دنوں سے دہرائی آ رہی تھیں۔ ایک دوپہش میں ڈاکٹر نے ان کو بھی ساتھ لیا تھا وہ کئی تھیں۔ جسکی احتیاط و جانت۔ مریض کے لیے تھیں اس سے بڑھ کر ان کے لیے تھیں مگر وہ انہوں سے اور قہریاں سے ان کے ڈپریشن کے دوروں میں وقت تو آ گیا تھا مگر اس کیفیت میں وہ رہتے اور حالات کبھی کبھی صرف خود آ کا ہی اور خود احتیالی کی کیفیت میں ہوتے جو کہ ان سے زیادہ حکمت یکم کے لیے کمزور وقت ہوتا تھا۔

☆☆☆

اس نے سوچ لیا تھا کہ زندگی بنانے کے لیے اب بھی انتہائی قدم اس کو اٹھانا تھا۔ پہلی غلطی کے لیے سب سے قدم اٹھانے بعد وہ بیمار ہوتا ہے مگر منزل پانے کے لیے انسان بہت با غلطی کی کثیر غور کر کے جرم تک بھی جا پہنچتا ہے مگر اسے خبر ہی نہیں ہوتی۔ جن کو کسی بھی جائز اور ناجائز خواہش کی قیبل کے لیے بعض اوقات بہت تابی لے کر آتا ہے مگر اس وقت انسان اسے اپنی خوشی کے تاثر میں دیکھ رہا ہوتا ہے۔ حسن! ابھی کہ میں بات کرتے کہ سوچ رہا تھا

اور وہ اسے پانے کے لیے ایک بار کمر زوری کی دوسری بار کمر کرنے لگی۔ جس موقع کی تلاش میں تھی۔ اس کی عدت ختم ہوئے وقت ہوئے تو کھانا۔ حسن کے ماں باپ دوسرے شہر کی عزیزی فرم گئے تھے۔ حسن نے سب بچوں کو تیار کیا اور بارک لے گیا تھا۔ ایسا اسے پسند نہ کرنے کا تھا اور وہ نہیں جانتا تھا کہ اس کے پیچھے اس کا کیا کرنا کہ مستمور ہے۔ اس نے تو کہا تھا کہ بچوں کو ان کا باپ پر بھیج دالے دن بارک لے کر جاتا تھا۔ سو وہ چاروں بچوں کو لے کر گیا تھا۔ لیکن سب سے گھر میں غصہ لگائی ہوئی تھی۔ حسن کے گھر سے نکلنے میں اس نے کھانا شیک کے دو گلاس تیار کیے اور وہیں لیا دالے پورٹن میں لے آئی تھی۔ لیکن پچاسی کے شکر گرازی

کے احساسات اس کا ساتھ دے گا اس قسم کی تھا اور لوگوں میں ہی اپنا گلا پکڑ لیا تھا۔

”جی! میری طبیعت خراب ہو رہی ہے۔ اس دودھ میں۔“ وہ کچھ بول ہی نہیں پاری تھی۔ آگ لگتی کوئی چیز تھی جس نے لوگوں میں اس کے گھمے وعدے اور دل تک رسائی پر اندر خستہ پر کر دیا تھا۔

”جی! احسن کو کال کرو۔ مجھے ڈاکٹر؟“ اس کی بات میں پوری نہ ہوئی تھی ڈاکٹر کے اندر سے نکلنے والے خون نے لوگوں میں ماربل کا فرش سرخ کر دیا۔

”حسن گھر پر نہیں ہے لینا۔ میں، میں کسی اور کو بلاتی ہوں۔“ اس نے جلدی سے کہا اور دھڑکتے دھڑکتے ساتھ باہر نکل آئی اور اس وقت بھی اس نے وہی کمر آؤ ڈھائی کی۔ اوپر سے دروازہ بند کر کے شیش کا پردہ ان کرنے کے ساتھ ہی چکن میں آئی اور بار بار جوسر چلائی رہی۔ وہ جانتی تھی کہ وہ اتنا تیز زہر تھا کہ اسے کچھ بولنے کی مہلت نہیں دے گا مگر پھر بھی رنک لینا نہیں چاہتی تھی۔ ایک بار حسن آ جاتا تو ہو سکتا ہے اسے ہسپتال لے جاتا اور یاد دہیں چاہتی تھی۔

ایک گھنٹے سے زیادہ وقت ہو گیا جب اس نے سخت سردی میں اپنا پیچہ خشک کیا اور خشک معلق کچھ تر کرتے اس نے لاؤنچ کا دروازہ کھولا۔ ایک طویل سانس اس کے حلق سے نکل گئی۔ چھوٹے سے خون کے تالاب میں وہ اونٹن سے مڑی تھی۔ عادی جرم کی طرح اس نے فرش صاف کرنے کے ساتھ ساتھ اس کے کپڑے تبدیل کیے تھے۔ آگین کے ساتھ اسے کمرے سے باہر میں رکھا پھر کسی طرف لینا کے مردہ جسم کو حکیمیت اس نے داغک شیش کے پاس لا ڈالا۔ دودھ والے گلاس دھو کر چکن میں رکھنے کے بعد اس نے اسے کمرے میں دھار دہم میں جا کر اس کے خون آلود کپڑوں کو آگ لگا کر اس کی راکھ فلیش میں بہا کر داسی دھو کر اپنا طیلہ درست کیا

جو اس اٹھا چم میں عجیب بکھرا کھرا سا ہو گیا تھا۔ جرم کی ساری نشانیاں مٹا کر اور خوب سلی کر لینے کے بعد اس نے اطمینان سے لینڈ لائن نمبر سے حسن کا نمبر ملایا تھا۔

”حسن! غضب ہو گیا ہے۔ جلدی آؤ۔ لینا کو کپڑے دھوئے ہوئے داغک شیش سے کرنٹ لگا ہے۔ چائین وہ بے ہوش ہے پامر مٹی ہے۔ جلدی آؤ۔“ مجھے بھی پڑی پڑی مسوکتی تھی سونو کی اور اطمینان سے اس کی ہونٹ پیچڑی لینے سے پٹ کر رو دی تھی۔

”سواری لینا! مجھے صاف کر دینا۔“ میں نے بہت کوشش کی کہ اس کو پانے کی خواہش کو دل سے نکال دوں۔ مگر وہ کسی آکاس تیل کی مانند تھی سے پٹ کر میرے اوپر جادی ہو لی جی تھی۔ میں تمہارے ساتھ اس کو تیسر تھیں کر سکتی تھی۔

دروازہ میں سے کھڑے حسن نے سنا کہ نظروں سے پیچھے سے مدھ پڑی لینا کو یکھا۔ اس کا چہرہ عجیب طرح سے بکڑ گیا تھا اور پلا پڑ چکا تھا۔ لیکن اس کے لپٹ کر زار و قطار دور رہی تھی۔ قطار و قطار اس کی آنکھوں سے بہہ کر چاروں بچوں کے سر پر گر رہے تھے جو اسے اس منظر کی حقیقت کو سمجھنے کی کوشش کر رہے تھے۔

☆☆☆

نوری رخصتی تک گھر کا احوال ایسے ہی رہا تھا‘ عجیب افسردہ اور یاد داسا۔ صدی بھائی کو کسی خدا نے قتل دے دی تھی کہ اب کچھ وقت زینب کے ساتھ بچوں کو بھی دینے لگے تھے۔ شاید اوپر والی دن میں تارے دکھائے تھے ان چند دنوں میں تب ہی نیچے والی بیگم کی یاد آئی تھی جو ان کے منج اٹھنے سے ان کرات سوتے تک ان کی نر بائیں پوری کرنے کے لیے ایک پورے روز کی رات کی۔ پھر کرن جو امید سے تھی تو اظراسا دے چاہا چل گیا تھا کہ بیٹی کی۔

☆☆☆

”ہادی! یہ یہ کیا ہے؟“ اُمد سے سے

ان کے منہ سے لفظ بھی ٹوٹ ٹوٹ کر نکلے تھے۔ وہ دونوں احتجاجات سے فارغ ہو چکے تھے۔ شفا نے تو ایک کاج میں انہیں شپ لے لی تھی۔ جبکہ ہادی جس کے۔ عوام بھی بہت بلند تھا اب سب کچھ بھول کر اپنے کمرے میں بند زانجانے کیا کرتا رہتا۔ کیا سوچتا رہتا۔ آج کل حسن کی طبیعت کچھ بہتر تھی تو ان کی طرف سے کسی کے لاڈلے کے پاس آئی تھی۔

”سچہ سچہ، بڑی شیو۔ سرخ آ نکھیں۔ اور اب دل میں اس کی حالت پر کڑے سے اس کی تمام گھڑی چیزیں سمیٹے ہوئے اس سے باتیں کرنے لگیں پھر امدادی کھول کر بے ترتیب چیزوں کو کھینچتے انہیں سرکٹ کی فلیا۔ اور سنیڈ پاؤڈر دو دین گھیلیاں لی گئیں۔

”ہنس۔“ ہیردین۔ کیا ہے یہ۔ ایسی ہی کوئی بلا ہے ناں یہ ہادی؟ ایسے مت کر ہادی! اس مر جانے کی بیٹا۔“ وہ پڑی آئی تھیں۔

وہ چپ چاپ نظریں جھکا کے انہوں میں ہاتھ بھنسنے بھنسنے رہا تھا۔ کھنکھنے کے ایک کچھ کچھ سوچا اور بھاگ کر شفا سے بنانے کیا کہا تھا کہ وہ پھولی پھولی سانسوں کے ساتھ بھاگی چلی آئی تھی۔

”کیا عبت کرنا چاہو ہے وہم اس تم کی گھلیا کر تیں کر کے۔“ سرگشیں فہیوں سے نکال کر اس نے ایک ایک کے ٹوڈیز اور چیج کر بولی۔ وہ بغیر کسی تاثر کے بیٹھ گیا۔

”حسن! کوئی بات تم۔“ جنہیں کچھ تھکے پر میں لوگوں کا طیلہ بگاڑ سکتی ہوں تو تمہیں خود کو نقصان پہنچانے پر میں تمہارا بھی چیز شکر کروں گی۔“ وہ اس کے کان کے پاس آ کر جی تھی۔

”پندرہ منٹ ہیں تمہارے پاس۔“ تمہا دھو کے یہ بخون والے گیٹ اپ سے باہر آؤ غصے چائے پانے جا رہی ہوں۔ زینب آئی شاید غصے جا رہی تھیں۔“ ہیں مگر میں آ جاؤ۔ وہیں تمہاری اناڑن شپ کے حوالے سے ڈسکس کرنا ہے۔ غضب خدا



کا! تین دن میں نے تیرے خبریں لی تو موصوف آگے لڑکوں والے مخصوص اور جھگڑندوں پر۔ بارود رکنا تم! آئندہ یہ فضول چیزیں تمہارے پاس بھی نہ ہوں اور دیکھی تو کمر بلیٹن رکھنا کہ میں بھی نہ ڈرائی کر کے دیکھوں گی کہ کیا انوکھی چیز ہے جس کو تم جیسے غلطی بھی چیک کے بنا نہ رہ سکے۔ اچھا یہ مل نہیں گئے دیوانے دو اور سونے لگا نہیں گئے سرگرت کے۔

”بکواس بند کر دھوا! ہر وقت اول قول مت بکا کرو۔ چلو اس آ رہا ہوں باہر۔“ فضول نہ ہو تو۔ وہ ناگوار سے بولا اور سر ہٹے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔ الماری سے پڑے اور اوراش میں دم میں چلا گیا۔ حتمیت یکدم نہ سکون کا سانس لیا۔ انہیں پتا تھا کہ اب شفا اس کی طبیعت اور بھی طرح صاف کرے گی۔

☆☆☆

خوشی گوادر سادہ خان نور اپنے خاندان کے ساتھ آئی ہوئی تھی۔ شفا اور نسیب آئی بچن میں لگی ہوئی تھیں۔ اللہ پاک نے بہت عرصہ بعد نسیب آئی پر اپنا کریم کیا تھا اور وہ امید سے تھیں اور چونکہ سعدی بھائی مسکین ان کو ڈاکٹر کے پاس لے کر رہا رہے تھے اب تک ان کی طبیعت اور خاندان سے خفا نہ رہا ہے۔ پہلے تو چنگی کار برادر یہ سعدی بھائی کی بے گامی و بے رہی کے ساتھ ساتھ علاج کا بھی تصور نہ تھا تو دونوں میں ہی ان کا کیس جڑا جاتا تھا۔ بلڈ پریشر بھی مسکین بھائی رہتا تھا جو کربا بن تھا۔

”سو! ماٹے ہو! کربا بہت سی ناگوار باتیں جب توڑ پھڑ پڑتی ہیں تو ان میں کوئی نہ کوئی پہلو خوش گوادر بھی ہوتا ہے۔ میں نے ایک بار پڑھا تھا۔“ قندھریں کھٹے پر بھی شہوہ دیگر انسان! اوقاتا تھیں مندریں کرب کے درد ان کو کچھ سکے۔ ”تمہاری زندگی کے سدھار کے لیے شاید یہ شادی ہوئی ہوگی۔ بھائی کو بھی ایسے ہی احساس ہونا تھا آپ کا بار بچوں کا۔“ وہ خلیے میں بیٹھ چلا تے ہوئے بولی۔

”اور میں نور اتم سنا۔“ خوشی تو ہونا؟ ٹھوڑا سا تپ دھون اور جوش اور خوشی اور خوشی مگر گک رہی ہے۔“ نوکر سامنے کھڑا کر کے ناقدانہ گھبراہٹ سے اس کا جائزہ لیتی ہوئی بولی۔

”قوت یہ ہے شفا! عمر تو ہر معاملے میں پولیس والوں کی طرح ٹک کرتے تھی ہو۔“ نسیب آئی نے اسے ٹوکا۔

”نہیں آئی! اللہ کا شکر ہے میں خوش اور مطمئن ہوں مگر شفا کی کھال پر یہ میری لائف میں واقعی کچھ مگر ہے۔“ اس کے بچے بچے لہجے نے ان دونوں کو چھوٹا کر دیا تھا۔

”کیا ہوا؟ خاقان اچھا نہیں ہے کیا؟“ شفا نے تشویش سے پوچھا۔ حتمیت یکدم سے اختلافات ایک طرف ہو کر دوسرے کنارے پر آ گئی۔

”نہیں نہیں شفا! اچھا ہے، بہت اچھا ہے۔ مگر میری خطائی کا ہول ہے پورے گھر۔“ اچھی بات سے وہ بھی۔ بلی ہیں وہ گھر کی۔ سانس کی جگہ ”مگر۔“ وہ سوچ سوچ کر بول رہی تھی۔ ”دونوں بیٹیاں۔“

”بیٹیاں تو لوگوں کو دیکھیں نہیں جیکر دو واڑے میں کھڑی حتمیت یکدم ساکت ہو گئی تھیں۔“

”ان کی یہ نقلیں سے صرف مجھے تکلیف ہوتی ہے۔ بھائی اور خاقان تو محسوس بھی نہیں کرتے۔“

☆☆☆

گھبراہٹ سے زانی بلی اب تک میں ان کی وصل اندازی بہت تکلیف دہ ہے۔ اور۔۔۔ یہ پتا نہیں میں ہی محسوس کیا ہے یا حقیقت ہے کہ ہماری یہ نقلیں یا خوشی ان سے برداشت نہیں ہوتی۔ خاقان کا اصرار، بیٹیاں میرے ساتھ برداشت نہیں کرتیں۔“ نور اور بھی بہت کچھ کہہ رہی تھی۔ حتمیت یکدم لڑکھاتے ہوئے پیچھے نہیں گئیں۔ مکافات عمل شروع ہونے کو تھا۔ انسان جس کی اصل پر کھلم کھلا جب کی خواہش کیسے کر سکتا ہے اور اولاد کو تو آزمائش کیا گیا ہے۔

☆☆☆

میں خابریں کر چکی تھیں۔ پتا نہیں ان میں اسے ان کی بات کی شکل نظر آئی تھی یا احساس جرم جاگ اٹھا تھا ان کو دیکھ کر، دیتے دینے کے لیے اس نے ان پر زندگی بچ کر کے دھڑکی۔ پھر شادی کے سال بعد ہی نور آئی تھی ان کی زندگی مکمل کرنے۔

حسن البنت بہت سنجیدہ ہو گیا تھا۔ پھر ایک دن اسے نجانے کیا سوچیں کہ اس نے اس کا ہاتھ دوسرے پر رکھا اور پوچھا کہ وہ کچھ بتائے کہ کیا اس کی موت دینی ہے ہوئی تھی جیسے اس نے کیا تھا؟ اس کی بات سن کر وہ ششدر ہو گئی تھی۔ اس نے اپنے فیرے متروک طور پر اسے عرصہ بعد اسے پکڑا تھا کہ وہ اپنا دفاع بھی نہیں کر پاتی تھی اور سر جھکا کر سچ بول دیا تھا۔ یہ سن کر وہ کچھ دیر چپ چاپ اسے دیکھنے رہنے کے بعد اٹھ گیا تھا اور کچھ دن بالکل باقی چیت بند کر گئی تھی مگر پھر ٹھیک ہو گیا تھا۔

☆☆☆

”تم عورت نہیں ناگن ہو۔ جو اپنے بچوں تک کو کھانا جاتی ہے۔ تم نے۔ خود سے جڑا کوئی رشتہ سلامت نہیں رہتے دیا۔ کھانا کس سب کو۔“ سن پندہ زندگی اور مرد کو اپنا بنانے کی خواہش اپنی شریعتی کا ایک ایک کر کے سب ختم کر دیا۔ تمہیں ذرا وحشت عورت کو میرے بھائی کو مار ڈالا۔ میرے بچوں کی ماں کو کھٹی ترپا کر ڈیا کہ اذیت ناک موت دی۔ پھر تمہارے اندر احساس طالع تک نہیں نہیں جاگا۔“ وہ زور زور سے روتے تھے۔

”اور یہاں میں ہوں بلی بل پر ہا ہوں۔ وہ دونوں میرے خوابوں میں آ کر روتے ہیں، شکوہ کرتے ہیں۔ میں تو جرم کا شریک نہیں تھا۔ میرا جرم میرا حال ہے۔ تمہیں یہی گورت ہو؟ کیسے درد مختصر ان لوگوں کا سامنا کرو کی جن کی تم بھرم ہو؟ خدا کو کیا منہ دکھاؤ گی۔“

عمر بچن مرادوں کا انہوں نے خود سے بھی چھپا کر رکھا تھا۔ آج بیماری کی حالت میں دوسرے راز انہوں نے کھول کر نہ صرف سب کے سامنے بیان کر

دے تھے بلکہ ان کے ہاتھ سے دوایں لے کر ان کے منہ پر ہی باردی تھی۔ حتمیت یکدم کسی بت کی مانند کھینچی تھیں۔ اس میں نظریں اٹھا کر اپنے بچوں کی آنکھوں میں پتھر پتھر تھمتھمت کیسے کیسے تھمتھمتی۔ وہ ایک ایک بلی کی داستان جیسے جیسے انہوں نے علی اور لینا کے ساتھ کیا تھا، اسے عزیز از جان شریک حیات کے منہ سے ایسے سن رہی تھیں جیسے وہ خود ان کے ساتھ شریک ہے۔ ہوں۔

نجانے کیوں تب اتنی سفاکی سے کام لینے والی حتمیت عرف کی آواز دے دوسرے سر کر ان انسانوں کی اذیت۔ اپنی دہک دگ دگ میں اتنی محسوس کر رہی تھیں۔ وہ ان کو روکا جادو بھی نہیں کر سکیں کر دیں۔ وہ اس سے زیادہ برداشت نہیں کر پا رہیں۔ ان کو سن کر اتنی تکلیف ہو رہی ہے تو ان کو سہتے ہوئے کئی اذیت ہوئی۔ ”ایک بلی کوان کے اندر پھر رہی ہے دوڑی گی۔“

”ڈاکٹر! کبہ تھا کہ ایسے پر بلی میں ان کی کیفیت ان کا کھانا کس ہوئی ہے۔ ان کے کچ کو سنا اور برداشت نہ کھائیں۔ مگر ماں! میں اس کچ میں چھپا آپ کا کمرہ چھو نہیں دیکھ پا رہا۔“ اسے بھنے بھکاے میں اتنا آگے بڑھ گئیں کہ آپ نے اپنے شوہر کو مار ڈالا۔ یہ بھی نہ سوجا کہ وہ مارا ہوا بھی ہے اور ان کو دھو دھو میں ان کو۔۔۔ اتنی سفاکی پر تو شیطان بھی شرمایا ہوگا۔ شرم سے ڈوب مرنے کو دل کر رہا ہے سوچ کر کہ آپ میری ماں ہیں۔“

سعدی بھائی بیٹھ چلا پٹے کی جب کہ ہادی جیسا حساس بندہ تو ایسا کڑوا چ اور اس کی حقیقت سن کر نجانے کیسے اپنے قدموں پر کھڑا تھا مگر نظروں میں ہاں کے لیے صرف اجنبیت ہی تھی، حیرانی تھی۔ صرف شفا کی جس کو اگرچہ مورد دیے بھی پہنچا تھا جیسے سب کو مردہ باپ کی ایسی دوگرہ حالت برداشت نہ کر سکی۔ ڈپریشن کے ساتھ ساتھ ان کو بے کا ایک بھی





ہم اہل دل کو بھی کر دار کیا دیے گئے ہیں  
کز غم کھاتے گئے ہیں، دوا دیے گئے ہیں

ہم اپنی آبلہ پائی پہ متعل تو نہیں  
جو تیز رو تھے، انہیں راستا دیے گئے ہیں

جہاں عشق سے کیا دل سانا جدار گیا  
جو شہرِ درم کے پرچم بجھا دیے گئے ہیں

تو کیا کوئی بھی تعلق نہیں رہا باقی  
تو کیا وہ جتنے دیے تھے، بجھا دیے گئے ہیں

سو شہرِ علم کا کیا حال اب کہیں کہ وہاں  
محببتوں کے صحیفے جلا دیے گئے ہیں

نئے زمانے میں آتے رہیں گے لوگ نئے  
ہمارے نقشِ قدم بھی مٹا دیے گئے ہیں

احمد فرار

میر نیازی

ہو رہا تھا۔ سو پیش کی طرح وہی آگے آئی اور بڑی مشکل سے ان کی بری بھلی سن کر ان کو ان بھلے دریا۔  
دو آئی وہی۔ سکون آدو آدو اٹھانے کے بعد جب تک  
ان کی سر پہلائی رہی جب تک وہ نہ گئے۔  
بہت سے الفاظ تھے جو زبان کی نوک پر بھل  
رہے تھے مگر چنگی کی ہارے ہوئے جواہری جھنکی  
بہتر حراست دیکھ کر وہ ایک لفظ بھی نہ کہہ سکی اور آہستہ  
سے کمرے سے باہر نکل آئی۔

☆☆☆

اگلا روز اس سے بھی زیادہ عجیب تھا کہ چچی نے  
رات کی پہ پہ خوشی کر لی تھی۔ یا تو کس کی شہ پرانی  
بہادری کر دو جیتے جیتے نفوس کو سوت کی خیر بادا تھا اور  
اب ایسی بڑی کر جرم کے آئینے میں اپنی کر پہ  
صورتِ برداشت نہ کر پائی تھیں۔ حسن کی پت کی  
مانند بٹھے لوگوں سے ہنس رہے تھے۔ گزری  
زندگی کی فلم کی طرح، سچی دماغ کی رگ پر دکھائی دینے  
گئی تو جی اس کے مناظر نظروں کے سامنے گھوم گھوم  
جاتے۔

☆☆☆

جالوس کے بعد وہ ایک روز اس کے کمرے  
میں آئی تو اس کی حالت دیکھ کر اس کی آنکھیں بھر آئی  
تھیں۔ وہ سب ایک جیسے دیکھ کر سے گزرتے تھے مگر ہادی  
کی حالت سب سے خراب تھی۔  
اس کے۔ پاس بیٹھ کر اس نے اس کے  
دووں ہاتھوں پر اپنا ہاتھ رکھا۔ وہ بالکل سبک جیسا  
رہا تھا۔ اس کی انگلیاں بھی پر ضرور پھٹنے لگی تھیں۔  
"مالک کے راز تو ہی بھتر جاتا ہے۔ وہ تو ایک  
طرے سے تو ازان سے سب کچھ چلا رہا ہے۔ ہم  
انسان ہی ہے مگر ہے ہیں۔ جس دفعہ اتار دے ہو کر  
اس کے کام میں دل انداز کر کے خود کو کھینچ کر رکھنے  
کئے ہیں۔" وہ ہنسنے لگی۔  
"جو ہوا اس میں ہم سب کا برابر نقصان  
ہوا۔ ہم سب ہی متاثر ہوئے۔ اس کو بھلانے  
میں سب کو ایک دوسرے کا سہارا بننا ہوگا۔ عجب



دُھن کی اور دُھن کو کرنا  
دُھن سے دُھن سے دم اُٹھائی ہوئی  
سکاپے رکھتے ہیں، کھاپے پلتی ہے  
رات اپنے ہی مگر رہے  
نوکری، ٹیکسی، ملنگی سانسوں سے  
ناگاہاں ایک شعلہ اُٹھتا ہے  
پیسے وہ شب کے خامیائے میں  
کوئی گھر کا شگاف ملے گا  
شعلی۔ نارسائی کی سوز  
نچھتے نچھتے بھڑکنے لگتی ہے  
سر دھری کی باجی یاد  
خواب کے تپ سے حساسی ہے  
آکڑو۔ بارسری کی مردم لے  
دل پہ چھکے سے پاؤں دھرتی ہے  
دغنا دھان کے جھروکے سے  
ایک کو نالایک دکھاتا ہے  
کاش یہ شبی غماری آج  
دُھن کی آنکھ نور سے بھرے  
رات کی حریت بدل جانے  
مغول جھوٹے لکیر ستاروں سے  
آگ شکر رگ بخت سے  
دغنا دغنا سے کر دیاں ڈالیں  
اس الاولیٰ کی آشنائی کی  
اور بھول کی آنکھ سے دونوں  
آج آگ دوسرے کا چہرہ پر دھیں  
شاید یہی

عمر اس خوش قیام سے آگے نکل گئی  
وحشت وہی کے شام سے آگے نکل گئی  
نارنج نہ جلیے مجھے مصروف جنگ ہوں  
اس چپ سے جو کام سے آگے نکل گئی  
تم ساتھ ہو تو دھوپ کا احساں تک نہیں  
یہ دوپہر تو شام سے آگے نکل گئی  
جب معرکہ ہوا تو مری تیغ درگزد  
شمیر اتقام سے آگے نکل گئی  
مرے کا کوئی خوف نہ بیٹے کی آرزو  
کیا زندگی دوام سے آگے نکل گئی  
عام وہ کوئی دوست نہیں تھا جو مہر  
دُنیا ہی اپنے کام سے آگے نکل گئی  
لیانت ملی عام

### پہچانی

عطاء الحق قاضی امریکہ کے قاضی لڑائی کے لیے  
جرائی سے پوچھا۔  
کیا کچھ آپ کے ملک میں شادیاں دوہلا،  
دہن کے بجائے ان کے والدین کی مرضی سے طے  
ہوتی ہیں اور لڑکا لڑکی شادی سے پہلے ایک دوسرے  
کی صورت سے آشنا بھی نہیں ہوتے۔  
عطاء الحق قاضی نے کہا۔ بات صرف ایک حد  
تک درست ہے، یعنی شادیاں طے تو دوہلا، دہن کے  
والدین ہی کرتے ہیں، مگر طے کرنے سے پہلے وہ  
لڑکے بالڑکی سے اس کی رائے ضرور لیٹھتے ہیں۔  
”انکار کر دیں تو کیا ہوتا ہے؟“ لڑکی نے  
استیفاء سے پوچھا۔  
”مگر بھی کر دیتے ہیں۔“ عطاء الحق قاضی نے  
غصیلی سا مسرور کر بتایا۔

### نشان

امریکی غصہ پولیس کے ادارے ایف بی آئی  
کے ڈائریکٹر نے اپنی جوان بیٹی سے پوچھا۔  
”آج شام کس لڑکے ساتھ میر کرنے گئی  
تھیں۔“  
”بابا! معلوم نہیں۔ میں نے اس کا نام بہت  
پوچھا، لیکن اس نے بچہ نہ بتایا، لیکن آپ کو پریشان  
ہونے کی کوئی ضرورت نہیں ہے، میں نے اس کی  
اگلیوں کے نشان حاصل کر لیے ہیں۔“

### ترکیب

امر کسی اسٹیشن پر ٹرین صرف ایک منٹ کے  
لیے رکھی ہو اور وہاں انسان کا دل چائے پئے کو چاہے

تو کیا کرنا چاہیے؟  
”گارڈ تو ساتھ لے جانا چاہیے۔“

### فوانہ

بروکر مکان کے موقع خریدار سے کہنے لگا۔  
”مگر فوانہ اور نقصان دونوں رکھتا ہے۔ میں  
ایک دیانت دار انسان ہوں۔ اس لیے پہلے آپ کو  
نقصان بتاتا ہوں۔ مگر کے مغرب میں ایک میل دور  
بھینسوں کا اڈا ہے۔ مشرق کی طرف رہو بنانے والا  
کارخانہ ہے۔ شمال کی طرف تھوڑے ہی فاصلے پر  
کوڑے کرکٹ سے لکھا بنانے والا پلانٹ ہے اور  
جنوب کی طرف سینٹ ٹیڈی ہے۔  
متوقع خریدار نے کڑوا کھونٹے کھتے ہوئے کہا۔  
”اور فوانہ کرنا چاہیے؟“  
”آپ ہمیشہ آسانی سے جان سکتے ہیں کہ کبھی  
رجسٹر کس طرف ہے۔“

### بدذوق

کیسے بدذوق لوگ فلم دیکھنے آ جاتے ہیں۔ کل  
میر سے ساتھ بیٹھا ہوا ڈی سیٹر خزانے لیتا رہا۔  
”لیکن تمہیں کیسے پتا چلا؟“  
”اس کے خزانوں سے کی مرتبہ میری اپنی آنکھ  
سکلی۔“

### تدبیر

ایک بحری جہاز میں اٹھان سے سارے مسافر  
پولینڈ کے رہنے والے تھے۔ نہ جانے کیا ہوا کہ  
سارے مسافر ڈوب کر مر گئے۔ لیکن جہاز بچ

سلامت کھڑا رہا۔ جس ملک کی سمندری حدود میں یہ حادثہ رونما ہوا، وہاں کی انتظامیہ نے تحقیقات کا حکم دیا۔

تحقیقاتی ٹیم جانے وقوعہ پر پہنچی تو پتہ چلا کہ جہاز کسی خرابی کے باعث سمندر میں دھمک گیا تھا۔ قسام فوجی مسافروں نے تدبیر سوچی اور اسے دھکا دینے کے لیے جہاز سے نیچے اتر گئے۔

بالا سے ستم

دو شکاری ایک بار دھمکے کو شکار کرنے کے بعد دم سے پکڑ کر پھینچے ہوئے لے جا رہے تھے۔ ایک اور شکاری نے انہیں دیکھا تو مشورہ دیا: ”اگر تم اسے ہم کے بجائے سنگوں سے پکڑ کر پھینچو گے تو بہت آسانی رہے گی،“ پیسنگ بھی جہازوں میں نہیں چھین گئے۔ انہوں نے اس مشورہ پر عمل کیا۔ نصف گھنٹہ چلنے کے بعد ایک شکاری بولا: ”سنگوں سے پکڑ کر چلنے والے طریقے سے واقعی بہت آسانی ہو گئی ہے۔ بہت کم زور لگانا پڑا ہے۔“

دوسرا شکاری بولا: ”تمہاری بات درست ہے۔ لیکن اب ہم اسی سمت میں جا رہے ہیں، دوسرے آئے تھے۔“

دست بردار

پوسٹ کی بیگم کلن تاہم ملازمت، بچوں کی پرورش اور گھریلو ذمہ داریوں سے ایک ساتھ تھوڑا آرا دیتی تھیں۔ ایک روز بھلائی اور شوہر سے لڑنے لگیں۔

یوسف نے اپنی بیوی کی دل جوئی کرنے کے لیے کہا: ”دیکھو دیکھو۔ تم ایک اچھی بیوی، اچھی ماں اور اچھی بیچارہ ہو، لیکن انسانانہ ہر وقت ہر محاذ پر کامیاب نہیں ہو سکتی۔ کبھی کبھی اس کا محاذ پر اس سے کوئی تباہی بھی ہو جاتی ہے۔ اس لیے گھبرانے کی ضرورت نہیں، بلکہ عارضی طور پر کچھ دیر کے لیے کسی ایک ذمہ داری سے دست بردار ہو جانا چاہیے۔“

باکمال لوگ

ایک صاحب اپنے دوست کو بتا رہے تھے۔ بھی یہ ہر اپنی ڈیڑھ بڑے کمال کے لوگ ہوتے ہیں۔ چھکے دونوں ایک ڈیڑھ کے گوادری کو دو ایکڑ زمین نیچے بیچ دی۔ اس کا کہنا تھا کہ وہاں زبردست فلیٹ تعمیر ہوں گے اور میں چند لاکھ ادا کر کے کروڑوں کمالوں کا۔ جب میں نے وہاں جا کر دیکھا تو وہاں دس فٹ پانی کھڑا تھا۔

”اوہ وہ ہو گئی..... پھر تم اس سے اپنی رقم واپس لینے گے؟“ دوست نے اظہارِ افسوس کرتے ہوئے پوچھا۔

ہاں کیا تھا..... پیسے تو نہیں ملے، البتہ اس نے مجھے ایک لالچ دلا دی، ان صاحب نے ٹھنڈی سانس لے کر جواب دیا۔

نیل پہ دھلا

آسٹریلیا کے شہر سڈنی میں ایک بادی نے شہری انتظام کے کچھ کٹھن کیا۔ ”میرے کٹھن کے دو دروازے ہر ایک کو گھوما ہوا پڑا ہے۔ براہ کرم اسے اٹھوانے کا بندوبست کیجیے۔“

فون اٹھانے والے نے الزامہ خفاق کہا۔ ”جنتا ہر نے والے کے کٹھن دفن کا انتظام تو آپ نے کرنا ہے۔“

بادی نے جواب دیا۔ ”مے شک! امگر میرے والے کے عزیزوں کی اجازت کے بغیر میں، کیسے کٹھن دفن کا انتظام کر سکتا ہوں۔“



کھانا پینا



نواز شکیل راڈ دوسراں چند خرابی کے کھانا پینے کو دیا دیکھنے وقت کے حوالے تھے کہ جن کو سورن میری پوکھت ہے ملکا راتھا اب وہ جرات میں دیتے ہیں اہلہ تھو

مدثر علی کے جہاز پھینچے نکلے ہوئے ہیں لوگ زندگی پڑھا ہوا اخبار ہی تو ہے ملائکہ کوڑ

سامنے سخن اس لب سخن کے اسیر سامنے موسم کلاب ہیں جیسے شہزادہ بھی بدل بدل کے نہ کر کچھ سے کھنگر پیچا تھا ہنسا رنگ تیری بات کا ضمیر اسن اور

ایسا تو کابے تنائی کا پندار کہ بس دل نہ بٹھلے ہیں محنت میں وہ انکار ہیں ایک نے کئی دن پہلے میرے ہاتھوں سے کٹے اس قدر تیز ہوئی وقت کی رفتار کہیں

عذرا نا، واقعی ناہم کرنا کا ہے سکوت شب میں وہ کٹر مجھے کھینچ کر آتا ہے میرے اندر سے وہ دہا کٹر مجھے کچھ بڑھلے آؤ اس کی فردی کی بارش تو اب بہت سوتا ہے اس کے بنائے کھچے

یاسین کنول سات دنگوں سے کھینچے والا اک نیارنگ اچھل کر کتے زلف ہو یا عریب کی قسمت دوسرا کب سوار سکے ہے

فرزانہ مغل مسافر راہ میں عکس ہاتے ہیں جہد کوئی تو لگے کہیں زرتاش تیرا زنی تو کوئی بات یا سلی ہوگی میں کو دریافت تھا تیرے بچکے آداب سے کچھ کراس کی کٹھ کا سیوہ تھا خفا ہو جانا اور کچھ بھول ہوئی دل پہ تابے بھی تویرا بھی

ہاتے ابھری بات کو دل کی بات کر اے کہنے ہو آکھیں ہندل بندھری ہیں اچھے خواہن خوب ہوا برسوں گزرے ہیں نہ فراق تو کتبہا تنہا دکھا تھا اب بھی وہی تنہائی ہے کہ خبر تو ہے صاحب بھلا غائب تھا کچھ

فرزند تیری راہ میں، شب آرزو تیری جاہ میں بجز آرزو کیا وہ بسا نہیں، بجز پھر کیا وہ لا نہیں جودل و دل کا سرود تھا سہا سہا کے ہونے تھا وہی اک کلاب ایک کٹھری مشاں جلیں پکھو نہیں

میت نہایت ڈرا برسوں سے پھر یہ تھا میں جس کی تلاش میں وہ مل گیا تو اس سے سنا راہیں ملا صدف حراں اس سے کیا کچھ جھٹاتے شکست اس کے موب کچھ بنادیا میں نے

اسیہ جاوید اسے دھانکے موڑ پرک سے کھڑے ہوئے میں دور رہا ہوں اب نہیں کچھ دھونڈتے ہوئے



**رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،**  
حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا۔  
اے اللہ کے رسول! مسلمانوں میں سے کون افضل ہے؟  
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس کی زبان اور ہاتھ دوسرے مسلمان محفوظ ہوں!

**عرش کا سایہ،**  
حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک شخص کو ش کے سامنے میں دیکھا اور اس کے الی مقام کی اندو کرتے ہوئے سو گیا کہ حق تعالیٰ کے پاس اس کا بڑا درجہ ہے۔  
حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہ الہی میں عرض کیا: الہی اس شخص کا نام کیا ہے؟  
اللہ تعالیٰ نے نام ظاہر نہیں فرمایا لیکن فرمایا: میں اس کے عمل کی تم کو خبر دیتا ہوں کہ اس نے کبھی حدیثیں کیا، ماں باپ کی نافرمانی نہیں کی اور نہ عازری کی؟  
خاندانی کے سختی میں ایک کی بات دوسرے سے لگا، تابعین جتنی کراہی بھی تھی اس کے ایسے کام یا ایسی بات کو ظاہر کرنا جس سے وہ ازدرد ہو۔

**خوف الہی،**  
لوگوں نے شیخ سلیمان بن عاذ راہنی سے دریافت کیا: یا سلیمان! قیامت میں کون کسے سے بھرسے گا؟  
انہوں نے فرمایا: وہ جو راج دینا میں برسلان رہے۔

**تہذیب و قناعت،**  
اسباب غائبہ گھر کے ساز و سامان میں سب

سے اعلیٰ درجہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کہے۔ یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام سب سے بالا درجے پر فائز تھے۔ وہ سولے ایک اکٹھی اور گزے کے ایک اور کچھ سامان نہیں رکھتے تھے۔ جب اس کے ایک روز ایک شخص کو دیکھا کہ انگلیوں سے راضی میں غوال کر رہا ہے تو کھلی چمک دی۔ جب ایک شخص کو پتہ چلے گا کہ وہ کھانا کو کھانا نہیں کھاتا۔

**اعتدال،**  
کھانے پینے میں اعتدال وہ ہے جیسا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔  
بھئی کھانا گھٹ کر کھالیا کرو۔ ایک بار دودھا، ایک بار سر، ایک بار پیو، ساراں گے روٹی کھاؤ۔  
(اس کو اپنا معمول بنالو)  
(کیسا ہے سعادت۔ امام غزالی؟)

**کیسا ہے سعادت،**  
حضرت ابی بن کعبہؓ نے چیمے دیکھے ہیں ان کے کئی شاگرد مل رہے تھے۔ حضرت عمرؓ نے دیکھا تو ان کے شاگردوں کو کئی دوسے مائے۔ انہوں نے کہا: اسے اصرار فرما لیکن آپ ایسا کیوں کر رہے ہیں؟

حضرت عمرؓ نے اللہ تعالیٰ حذ سے فرمایا۔  
اس طرح ان لوگوں کے لئے ذلت ہے جو چیمے پینے پل رہے ہیں اور ان کے آگے چل رہے ہیں۔  
ان کے لئے یہ عجز و خجرت کا سامنا ہے (یعنی اس سے ان کے اندر عجز پیدا ہوگا)

**نام و فخر کی خواہش،**  
حضرت ابراہیم اور ام کاوشا سے جو شخص شہرت

کا طالب ہو رہا نام و فخر کا خواہاں ہے۔ وہ اللہ کے دین میں مادی نہیں ہے۔

**خاموشی،**  
حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا ہے۔  
مجاہدین دس ہیں، ان میں سے نو خاموش ہیں اور دسویں لوگوں سے بچا اور گز کر رہا ہے۔  
(کیسا ہے سعادت، امام غزالی؟)

**عمود فروزی کے شہات کا بیوی، جواب،**  
معروف خاوی خورج خاوی منہاج مریخ جو خاوی نے لکھا ہے کہ سلطان محمود فروزی کو شہات تھے پہلو اس حدیث کی صحت کے متعلق خاکہ غلطیہ لکھ کر ان کے وارث ہیں عوامی حدیث ہے یا نہیں؟  
دوسرا شہ قیامت کے بدلے میں خاکہ قیامت واقعی آگے یا نہیں؟  
تیسرا شہ اس میں میں خاکہ سعادت میں سلگین برباد ہے یا نہیں اور اس کا کیا پھل ہے یا نہیں؟  
ایک رات محمود فروزی قیام گاہ سے نکل کر اپنے ساتھیوں کے عہدہ دار ہی جمع روئے گئے ہوتے تھے جا رہے تھے کہ ان میں ایک ایسا طالب علم تھا، جو ملائے کے لیے روئے۔ ہونے کے باعث اخیر میں بیٹھا اپنا بیٹی باکر مارا تھا۔ جب کتاب میں گئے کی حاجت، ہوتی تو قریب میں ہندو کے چراغ کے پاس جا کر افسانہ دہائی آجاتا۔ محمود کو اس کا بارگاہ کی حالت پر برا لگتا۔ ترس کر اٹھ کر انہوں نے دھج دان جوڑاں لے اٹھا رکھا تھا، طالب علم کو روئے دیا۔

جس رات یہ واقعہ پیش آیا، اسی رات خواب میں محمود فروزی کو خواب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہوئی۔ سرور کونان محمود کو اس نے فرمایا۔ اے ناصر الدین سلگین کے ذریعہ اللہ تعالیٰ قیامت میں تجھے بھی میں عزت سے فائدے سے ترے میرے ایک وارث کی قدر ہے۔  
سب مبارک سے نکلے ہوئی مذکورہ بیوی دعا میں سلطان محمود فروزی کے تمام شہات کا جواب دیا

کا ازالہ موجود تھا۔

(طبقات: ناصر سے انتہائی)

**گمروں پر ظلم،**  
حضرت شیخ سعدیؒ کے ایک ایک بادشاہ کی کہانی بیان کرتے ہیں کہ وہ اپنی رعایا پر اس قدر ظلم کرتا تھا کہ اس کی رعایا ملک چھوڑ کر دوسرے ممالک میں آکر پونا شروع ہو گئی۔ جب ملک میں عوام کی تعداد کم ہو گئی تو ملک کی آمدنی بھی کم ہو گئی اور پھر ایک وقت کی کہ تمام وزراء خالی ہو گئے۔  
اس ملک کے خدوں نے جب یہ صورت حال دیکھی تو ان کے دل میں اس ملک کو فروغ کرنے کی خواہش بے خطر ہوئی۔  
ایک بادشاہ کی محفل میں ایک شاہنشاہ ہر رضا کی جس میں خاک بادشاہ ادا فریدون کا ذکر تھا۔  
خاک ایران کا نام بادشاہ تھا جس نے عہد کی حکومت برقرار رکھی۔ ایک فریدون عادل اور منتظم بادشاہ تھا۔ اس نے خاک کو شکست دے کر اس کی حکومت برقرار کیا۔  
دوسرے بادشاہ سے لکھا: کیا آپ جانتے ہیں کہ اگر فریدون کے پاس وزراء تھا اور نہ ان کی اس کے پاس کوئی بڑا لشکر تھا۔ اس کے بارود و حکومت حاصل کرنے میں کیوں کامیاب ہو گیا۔  
پھر خود ہی جواب دیتے ہوئے کہا: تمام اس کی حمایت کے لیے لڑ کر رہے ہوئے تھے۔  
بادشاہ نے دوسرے سے پوچھا: تم مجھے کس طریقہ بتاؤ جس سے وہاں میرے دشمن ہولتے؟  
دوسرے کا: ان پر ملط و کریم کیا جائے گا کہ آپ کے دربار میں رہتے ہیں خوف محسوس نہ کریں۔  
قائم کی حکومت میں کر سکیں۔ جو بادشاہ ظلمی بنا دیکھا ہے وہ خود ہی حکومت کی تباہی کی تیار دیکھتا ہے۔  
بادشاہ کو وزیر کی نصیحت پسند نہ آئی۔ اس نے اس وزیر کو عقد میں آکر قید کر دیا۔  
کچھ عرصے بعد بادشاہ کے گیارہ زاد بچائے اس سے



مجاہد شجاع کے لیے چا  
37- اردو بازار، کراچی۔  
Email: shuaa@khawateendigest.com

تقریبی تہ تو سالوں نے" تاکہ مشرق اور وسط  
آموزگری اور "نیت" موضوع پند آید۔ دیکھ سکتے ہیں  
قابل تریف تھے۔ "کتاب کہانی" سیر احمد نے فارغین  
کو بہت اچھا کاغذ کیا ہے۔  
رج: بہارِ سرت آپ بھی مفرد حسینی اسیر ہو  
عسکری نے چان کر حیرت ہوئی۔ مفرد لوگ بھی بھلائی کو  
اچھے لگتے ہیں۔ یہی دیکھ کر غیر ہے۔ اس کا تو فریضہ ہے۔  
آپ کا انتخاب کی اور نام سے شائع ہوا اس کے  
لیے حضرت آئمہ ذوالخالدین کے۔  
عزیز حسین، مریم حسین جرات سے کھلی ہیں  
مومن تھیں اس شاعر پر تو بہادر تھی ہوئی ہے۔  
اگر کہ یہ بہارِ بہار ہو آئیں۔  
سال کو "کلی شاعر" ہم بھی آپ کی دعاؤں اور  
اسدوں کے پورا ہونے کی امید میں آپ کے ساتھ ہیں۔ جو  
دست کے شاعر بہت عمدہ، پیارے بی بی کی یادیاں ہوں سے  
ہم جیسے ہر اکوہہ بی بی کو کون کا بہت بھلا ہو جاتا ہے۔ "سیرا

آپ کے خط اور ان کے جواب لیے حاضر ہیں  
آپ کی سلامتی، عافیت اور راحت کے لیے  
دعا میں۔

اللہ تعالیٰ آپ کو نیا اور آخرت کی ہر نعمت سے  
نوازے، ہمیں اور ہمارے ملک کو شیطان کے شر اور فساد  
پھیلانے والوں سے محفوظ رکھے۔ آمین

اب آئے ہیں آپ کے خطوں کی طرف سے  
پہلا خط کراچی سے سرست الطاف احمد کا، جس میں ہیں  
"نو تو آئے گا نہ ہی جیسا آئے گا" کے بعد احادیث  
بلا کر خالی انتظار کے بعد سے تاریخ شجاع نے اپنا کھنڈا  
دھکیا۔ نازل کر لیا کہ اس کا لپٹا پند آیا مستقل جلتے  
"ہاتوں سے خوشبو آئے" جو بے نظری کی حیرت کا  
شہید بھلا کا، میری بی بی ہوں ترخہ جی "میں" "نہ" "اترا  
کے نام سے شائع ہوئی کی اور یہ سبکی پادشیں ہو جاتی باتو  
میں نے انکو رد کیا لیکن ہر بار۔

سطح و زوال نام میں "شہرِ زاد" بہت ہی سبک دوی  
سے آگے کی جانب رواں دواں ہے۔ در شکار کی خود مرضی  
دیکھ کر کالی انیسویں ہادی کے لیے اسے اپنے  
مستقبل کا بھی نہیں سوچا۔ شہرِ زاد اور ہم زاد کی کامیابی  
شواہد اور لوگ لوستوری ایک آنکھیں بھائی۔ اس کی آئی  
برودہ داری "بزدل نہ ہو"۔ "خراب پیشے کا" آئی آل  
عام فیرت یہ اپنی سوڈو پائنڈ بلوگ تھا۔ "سہری دھوپ"  
کی یہ قط پڑ کر مج میں نہ صرف منکر واد ہو گیا بلکہ ایک  
آدمی دوسری آف ہا۔ دعا کا نفاذ والا کیا نہ بیت  
زیادہ آکر بہت دور ہو گیا۔ "میت کا راج" آؤٹ  
الینڈنگ کی طرح فرائض کروں گے، نصیب کیا کا ہمارا  
کردار بہت پند آیا۔ راشدہ رفت سے کمال کر دیا اور  
ہمیں گل خشاں کے سے پیاز دوئیے اور مفرد حسینی نے تو  
نیلی کی داری سے بہت الجھا لے کر دیا۔ ایک ملی بھی  
مسکراہٹ ہوئیں سے ہوا ہو گیا پائنڈ فرائض ہو گیا کچ  
میں! "عشق پر ہند" آپ کی بہت ہی جان دار اور  
سازگار تھا۔ سیرا طر پر بھی پند آیا۔ منزل کا کردار بہت  
اثر انگ تھا۔ امیرہ اور منزل کی سوٹی کی لوستوری پند  
آئی۔  
انسانوں میں "ہم نے نہ جانا" بہت ہی اثر انگ

جل جلا ہے گزرنے کا گمان ہوتا ہے۔  
جب آپ کو اپنی شخصیت کے علاوہ کچھ نظر نہ  
آئے تو کچھ مانے کہ آپ خود پندی کے مرقع  
میں مبتلا ہو چکے ہیں۔

آفسر اور ادیب دوڑ، یہ سوچ کر نہیں کہ  
جانی خواہشات پوری نہیں ہوں، بلکہ یہ سوچ  
کر کہ "میں نے زیادہ کیا" گا دیں کہ اللہ تعالیٰ تک  
بھاری دغا میں نہیں آجائے۔  
صدف عمران کے دلی لہے سوسائٹی

### حکمت

و غری کی سوز، انکشاف کا درخشاں ہے۔  
و غلی پرا حاد، حادثات کا سبب بنتا ہے۔  
و جس صبریں جبر ہو، اس کا اجر نہیں ملتا۔  
و وقت سے تاریخ کے صفحات پر ہے شہدائیاں  
رق کر گئی ہیں۔ ان داستانوں کو دیکھیں نیلے  
کلیے ان پر خون کے پھینٹے پھینٹے گئے تو بھی  
وقت کے رنگ بکھر گئے۔  
و غامضی ایک ایسا پردہ ہے جس کے نیچے لایق  
بھی ہو سکتی ہے اور عورت بھی۔  
مزین زہب۔ کبر و دنیا

### اقوال

و جب کسی انسان کا اس بات کا احساس ہو جائے  
و جب ایسے فرائض، خوبی سرا انجام نہیں دے  
و ربا لڑوہ اس کام کو چھوڑ دے۔  
و جہاں عزت نفس اور احترام آدمیت کو  
فجور کیا جائے وہاں سے چپ چاپ چلے  
جا پاتا ہے۔  
و اپنے خیالات اور حجاب ویز کو اپنی زبان دے۔  
و غری گوارہ دہنی گزارنے کا بہترین طریقہ یہ ہے  
کہ اپنی یادوں کو اپنے دل سے مٹا دے۔  
و ملاوٹ اور مبالغہ رفتوں سے خود کو بچاؤ۔  
عذرا ناصر، اصفی ناصر، کراچی

مطلبہ کیا اس ملک میں ہمارے باپ کا بھی عقیدہ ہے،  
ملک کی رعایا نے بھی اس کا ساتھ دیا اور انہوں نے  
ایک بڑے لشکر کے ذریعے اس ملک پر قبضہ  
کر لیا۔  
بادشاہ ہو کر مزدوروں پر غلام کر کے زمینیت  
کے وقت اس کا دوست بھی اس کا دشمن ہو جاتا  
ہے۔  
عذرا ناصر، اصفی ناصر، پاکستان جوہر

### یاد رکھیے

و ہمسایہ کے بے دردی اور جج کی آمد پر غور کرو،  
کیونکہ "من" غم کرنے والوں کے غضب میں  
ہے۔ (میل جرنل)  
و زندگی کو نادمہ مگر خیالات کو بلند رکھو۔  
و خوش بھی ایک ایسا پند ہے جو مختصر کی منڈیر  
پر بھی نہیں بیٹتا۔  
(منصفین تارڈ)

### لفظوں سے لفظ ملتے ہیں

و رشتے اور سوسے میں رشتہ زنی ہوتا ہے۔ رشتے  
قام کے جاتے ہیں، جبکہ سوسے ملے کے جاتے  
ہیں۔  
و دوسروں کی خوشیاں اپنے دامن میں بٹ کر  
مست ہو جائے کہ آج بھی عمارت کی بنیاد آپ  
نے جوری کی اینٹ پڑھیں ہے وہ بھی نہ بھی  
مزدور کے گی۔ کسی اور کے ہیں آپ کے اپنے  
امیر۔  
و اپنے غلام انسان ہیں جتنے غلام دے سکتے ہیں۔  
و امیر ایک ایسی جہاں ہے جو اپنے دامن میں  
انسان کو نہ دے کہ مالوری کے کہہ کرے سمندر  
میں ڈوبے نہ بجائی ہے۔  
و لک غلش دوست تو تلاش کرے ہی، مگر غور  
بعض ہرے کی رحمت نہیں کرتے۔  
و بعض رشتے ایسے ہوتے ہیں جنہیں جھلنے ہوئے



صاحب نے ”کتاب کہانی“ لکھ کر ہماری بڑائی کی۔  
 ”جب تجھ سے ناتا جوڑا ہے“ ایک بہتر جزیر سلسلہ  
 جس کے بارے میں کہنے کی بہت کچھ ہے مگر بہتر تر یہ  
 کہ جی کہی لکھا جا رہا ہے حقیقت پر مبنی ہے۔ ہم حال ہی میں  
 کاؤں سے ”شیر“ خفٹ ہوئے ہیں۔ یہاں کے لوگوں کا  
 اپنی ہڈوں سے صرف ہر اسلوب کی بلکہ ہر کاغذ کاظم  
 اور ان کی کہانیاں بھی جائیں تو یہی سوال اٹھتا ہے آج  
 کے دور میں سب کا نہیں یہاں کے دور میں ہے۔ آج بھی  
 عورت مظلوم ہے، بڑا طرح کی ان دیکھی زنجیروں میں  
 مقید۔ بہر حال اچھے کوئی بھی نہیں اور محبت میں نہیں۔  
 ”خواب شیشے کا“ دلچسپ موزے پر آگیا ہے۔ حرا  
 آئے گئے کہ یہ تھوڑا کچھ ان کے اور ہم لکھنے کی جگہ، تو  
 یہ ضرور کہنے کا کہانی اچھی ہے۔ لیکن کردار مضبوط نہیں  
 ہیں۔

”شیراز“ میرا پسندیدہ ترین ہے آج کل۔ بہت  
 انتظار رہتا ہے اگلی قسط کا۔ مضبوط کرداروں اور مضبوط  
 لوگوں کی کہانی۔

”میں نے نہ جانا“ بہت اچھا لکھا، لیکن تو بدگمانی ہے  
 جس کے بارے میں شے کیا گیا ہے۔ موضوع کے لحاظ سے  
 سب سے اچھا انسان نہ تیرم کا افسانہ لگے۔ ”محبت کا ران“

پکے پکے لمحے میں بڑی بات اچھی طرح برقی ہے، غرضی،  
 انسانیات اور ظلم کے رنگوں سے رنگی ہوئی۔ ”افسانہ عام“  
 کا کردار بہت اچھا لکھا، میرے لوگ اسے اور ہے۔  
 ”صفد آصف“ کی ناولیں پرانا موضوع لیکن  
 کیا کریں تو موضوع تو ہر گھر کا ہے، سنسٹی روپ، ”کہانی  
 اچھی ہے لیکن طرح پر اچھی آتی نہیں۔ احم کے کردار سے  
 ایک بات تو سمجھ میں آئی کہ نشان تو اپنے آپ کو اپنی  
 جانوں کو ہی نہیں سمجھ پاتا تو کسی دوسرے سے سمجھے،  
 سمجھا کہ کیا لکھا، اپنے بارے میں اتنی غور کرنا ہے  
 مومن کو سوچنے پر راضی ہو گئیں۔ دوسروں کی زندگی میں  
 زہر مہلے ہوئے یہ کب دیکھا ہوتا ہے کہ ہمارے اپنے  
 لمحے کی خاص بھی جاری ہے۔ ”مشتی پر بند“ کا  
 بخاری کی بہت اچھی خبر ہے، بڑا مزہ آتا لیکن یہ کیا اتالیق  
 افتخام۔ زبردست دیکھا لیکن کیا کرے۔  
 ”تاریخ کے گھر دلوں میں“ تو پیش ہی پسندیدہ رہا

ہے۔ لیکن اس وقت تو بہت ہی دلچسپ اور معلوماتی تھا۔  
 خاص طور پر سترے سال کے بارے میں۔ موسم کے کچھ ان  
 میں دوست چکن کی مختلف رمیجز دیں ناں بلیز اور  
 سنگھ پر رہ گئی۔  
 یہ جاتا تو رہا کیا کر آپ کے جواب خط سے بھی زیادہ  
 دلچسپ ہوئے ہیں۔

جان، چاری، خیر اور مریم! آپ نے صاف ستری  
 موتیں بھی لکھائی ہیں کیا بات مگر ہمہ گیر پیر پر خفا لکھا، پھر  
 تبصرہ کی نہایت جامع اور معلوماتی برکھائی پر بھی رائے اور  
 الفاظ کا مناسب استعمال۔ چاہیں تو مزہ آگیا بڑھ کر  
 عورت اگر مظلوم ہے تو ظالم بھی عورت ہی  
 ہے۔ عورتوں پر ہونے والے ستر فیصد مظالم کی ذمہ دار عورت  
 عورتیں ہیں۔ یہ خود خوش رہتے ہیں نہ کسی کو خوش رہتے  
 دیتے ہیں جب تک عورتوں میں خود نہیں آئے گا یہ سلسلہ  
 اس طرح بدلتا ہے۔

آپ کی فرمائش پر سنگھ پرین رائے کی زکبب ضرور  
 دیں گے مگر افسانہ لکھیں۔

بیلہ شاہ لکھنے کے لئے والا ملتان سے شرکت کی  
 ہے۔ لکھا ہے

اس دفعہ شعاع بہت اچھا تھا ”خواب شیشے کا“ بہت  
 اچھا لگتا ہے۔ ایڈر بڑھ کر آگیا۔ میرا اندازہ دیکھ لیتا۔

موجود ہی نہیں ہے مکمل ناول دلوں ہی بہت اچھے تھے۔  
 راشدہ رفت، بلیز، پر ایک دو ماہ کے بعد ایسا ہی اچھا سا  
 ناول لکھا کریں۔ جہاں ناول کی ناول بھی بہت اچھا تھا اور  
 سراپا بھی بڑھ کر آگیا لیکن ہمارے پیشین کی وہ نہر ہر گھر  
 کی زبان میں خود اپنی بہت فرق ہوتا ہے۔ جہاں کا دل بہت  
 اچھا تھا اور ایک بھائی کی ہے یہی بڑا درد آتا ہے کیا حقیقت  
 میں نہیں نے دیکھا ہے۔ نازہ جہاں کی بھی اچھی کاوش کی۔  
 نہ تیرم کے افسانے کا اچھا تھا تھا۔ ساڑھ رضا بلیز کو  
 اچھا سا ستر کا ناول لکھ دلوں تو آکر بڑے سے دیند کہ  
 رہی تھی۔ لیکن کافی عرصہ جا ہی کا انٹرویو دیں۔ سب بھڑوں کو  
 سلاوا اور جی رہے یہ عید توئی! ایڈر یا راجدی سے میرے  
 گدھے کے عنوان سے لکھ دلوں شاید تمہارے کہنے سے  
 پرانی دلوں کے کچھ سب کا خیال آ جائے۔

جان، بخاری بیلہ، راشدہ رفت تک آپ کی فرمائش

جان، بخاری شمع! ایسا اس سہ کے ہمارے قارئین  
 ستنی محبت سے ہمیں خط لکھتے ہیں۔ کتنے بھٹوں اور  
 کوششوں سے اسے پوسٹ کر دلائی ہیں۔ پراچا ہے تو  
 کتنی امید سے اپنا خط تلاش کرتی ہیں اور جب ان کا خط  
 شامل نہیں ہوتا تو ہمیں اس کی اپنی ہوتی ہے۔ آپ ہمیں خط  
 اس طرح لکھیں کہ 18 تاریخ تک ہمیں موصول ہو جائے  
 تاکہ ہم اسے شائع کر سکیں۔

ہمارے ادارے کے تجویز پر ہے آپ کا پسند ہیں  
 یہ جان کہ بہت غری ہوئی۔

صفد اور شیراز، یہ بھی لکھی ہیں

ہماری خاموشی کو زبان ”شیراز“ سے لے کر اور ہمیں خط  
 لکھنے کا حوصلہ کتاب کہانی (سیرامیڈ) سے ملا۔ ہم  
 پرانے سے اسکول میں منجھ رہے ہیں۔ شعاع بڑھنے کے ساتھ  
 ساتھ برکھائی پر تبصرہ بھی لازمی ہوتا ہے۔ شیراز کے  
 ہیرو کا شند سے انتظار ہے۔ نمانے سامعہ اکرم نے  
 اس کے کاٹھری میں چھپایا ہوا ہے۔ فرح بخاری کا  
 ”مشتی پر بند“ کا ”حقیقت سے دور لگے۔ کیونکہ میں سامعہ  
 میں ہم رہتے ہیں وہاں مرد میں اتنا حوصلہ نہیں کہ انھوں  
 دیکھی بھی لکھے (معدودت) ایہ تمام سال پر بہت تھا۔

جان، بخاری صفد! یہ حقیقت ہے کہ زیادہ تر مرد  
 اتنے اعلاظرف ہیں کہ لیکن دنیا میں ہر طرح کے لوگ  
 ہیں۔ جگہ لوگ اتنے اعلاظرف ہوتے ہیں کہ وہ انسان کو  
 اس کی خوبیوں کا نہیں سہیت قبول کرنے کا حوصلہ رکھتے  
 ہیں۔ دیکھیں یہی چیز ان کی بہن کے کردار کی وجہ سے بڑھتی  
 تھا۔ اور اسے یہ بھی پتا تھا کہ اس سارے لمحے میں اسیرہ کا  
 کوئی قصور نہیں تھا۔

رائل شریف دہلی بات سمجھ نہیں آئی۔ آپ کا  
 خیال غلط ہے۔ اس کے آنے جانے سے لڑائی نہیں  
 پڑا۔ لوگ دینا سے طے جاتے ہیں۔ دنیا چلتی رہتی  
 ہے۔ اس کی بھی کئی خبر نہیں ہے۔ کوئی جگہ خالی رہتی  
 ہے۔ ہاں اگر کسی شخص کو بھی غیر معمولی خوبی ہو تو ایک  
 بات ہے۔

ناظر زیدی نے چونکہ اعظم سے شرکت کی ہے،  
 لکھا ہے

دیکھ کے جانے دن کی بھی تو یہی لگتی ہے جیسے  
 جاتے دنوں کے ساتھ ہم بھی مجسم میں نہیں غروب ہو  
 پڑتی ہیں۔

جانیں گے۔ ادا کیے پناہ دادی، مادی کے جہ پناہی اور زندگی کا پتھر پتھر موت کی طرف بھاڑا ہے تو زندگی کی رانیاں کیوں؟ کیوں بکا ہوندا ہے، سیکے اور دمرہ کی مصروفیات، عبادت اگر کویت کے در پے کرے پتے پتے کیا ہوگا؟ بہر حال..... مٹی عداں بجائی سے یہ مسئلہ دیکس کر دلیں گی۔

دیکر کا جھرو ملا، ہاؤل گرل کی خوش شکل ہی تصویر نے لہجہ بھر کے لیے اور گردے سے گئے گزروا بیٹھے سے کیا ہوا ایک بہت تھوڑا اور طبیعت کا چمکا ہوا ہمارے پیارے آقا کا جینوں کے بارے میں فرمانا تھا اللہ بھان اللہ۔ بہت پسند آیا سیرا امید آج بہت اچھا سکھاری ہے۔ بندھن اچھا لگا، "دیکھ" مگر اچھا محدد ہے خان کا مکمل انٹرویو کر ہی بھی۔ مجھے بہت پسند ہیں۔ "تاتا" بڑا کر دلی پر بوجھ سا آ کر۔ تا سب کر کے بھی کئی ملائی لیکن انت صلا تو سب بجلا "خواب شیشے کا" اچھا چاہا ہے۔

لی سحر کا "افسانہ" بھی اچھا تھا۔ کچھ اوس اوس سا۔ (شاہد علی عزیز زادہ اوس ہوری ہوں) باجوڑ بھان کا افسانہ "سجدہ" بھی آیا۔ اگر دوست کو پھوڑا تو پھر ادوی کسی؟ "سنبھری روپ" شکر ہے دعا کے ساتھ کچھ اچھا ہوا۔ جدا اور اس کا ہلکا چمکا دوسرے حزو سے کیا تو ساتھ ہی اہم کے ساتھ ہونے والی صورت کا خود سے موازنہ کرنا چاہیے دل کی نے بھی سگی لے لیا ہو۔ یہ تبدیلی بہت اچھی گی۔

"نیت" اچھا افسانہ تھا۔ "شیراز" بھی آگے آگے بڑھا رہا ہے۔ روشہواری حرکتیں کیونکہ عادت قریب میں اس شے کا کوئی نام نہیں، ہسکرا نہیں چمکی سی تھیں۔ (ہاتوں سے خوشبو اچھا تھا۔) کوثر خاند کا شعر سیرت، بچ پڑھا۔ "بارش" بڑھ کر حزو آیا۔ ڈھنگ کے لوگوں کی

چھانچک بک ہیں۔ بہر حال ہمارا سوری آف انڈیا میں لندن میں قیام پڑے بڑے بھائی ڈاکٹر کاظم (میڈیسن) سوسائٹس ہیں اور چھٹیں۔ آپ بڑے لوگ ہیں جس اور کیا کہوں۔ ج: پیادری تاغلہ ڈاکٹر کے آفری نوں میں ایک تو

سال کے رخصت ہونے کا احساس، دوسرے موسم سرما کے دن اچھا محسوس ہوتے ہیں تو رانیں خاموش سنسان ہوتی ہیں۔ ایسے میں بدل پر خونخو و ایک ادوی ہی چھانچائی سے زندگی کی بے ثباتی تو حقیقت ہے اور دل میں بہت سارے سوالات رانگیں کا احساس ستاتا ہے لیکن بہتر ہے کہ ابھی امید کے ساتھ اچھے اعمال کیے جائیں۔ اللہ تعالیٰ بہت مہربان ہے۔

تہرہ کے بارے میں کیا کہیں حسب معمول بہت محروم اور جامع ہے۔ اور یہ آخر میں کیا لگا دیا۔ چھوٹے لوگ، بڑے لوگ، کئی نہیں ہوتے۔ بڑا اور اچھا دعویٰ جو اللہ کی نظر میں اچھا ہو۔

تاہر عین سید کھتی ہیں میں نے جولائی 2015ء سے شاعر بڑھنا شروع کیا تھا۔ کئی گھنٹے کے بارے میں پتہ نہیں دیتے۔ ناگلیں پڑھتی تھا شیشے کی طرح، کچھ پہلی ہی صورت کی پڑھی "خواب شیشے کا" مفت آیا آپ مجھے بہت پسند ہیں۔ ہاؤل میں لٹریٹور ہے "شیراز" کہانی بہت خوب صورتی سے آگے بڑھ رہی ہے۔ "سنبھری روپ" "سولہ بائی کی کہانی" کچھ کچھ نہیں کر سکی۔ پلیر اینڈ کر دیں۔ مکمل ہاؤل "حمت کا ران" "تیری جگر کی جگہ" "میں بڑھ رہا" "فرخ" بخاری سے بھی بہتر نہیں تھا، ہاؤل مجھے زیادہ اچھے لگتے ہیں پلیر ناٹ دیا میں کریں۔ "تیری سربانی" "تازہ" ہمال کا ناٹ بہت خوب صورت تھا۔ تازہ یا آئی ربا کریں۔ افسانے سارے اچھے تھے لیکن صدف آف،

باجوڑ ریخان اور قرۃ العین سکندر نے بہت اچھا لکھا۔ تہرہ سے بک کے لا جو بک تھے۔ پلیر مفت تحریر کی "خواب شیشے کا" کے بعد کوئی اور بڑھ کر دیکھنے کا تہرہ: تازہ! آپ نے خدائے بہت خوشی ہوئی۔ میں بڑی حرت ہوتی ہے جب لڑکیاں لکھتی ہیں کچھ رانے ڈانچت بڑھتے سے سن کر کہتی ہیں۔ جگہ جگہ کل ہواں عام ہے اور اب یہ جو بچہ آسانی دستیاب ہے، اس کے بارے میں کیا کہیں۔ آپ اپنے کھراؤں کو شاعر کے سلسلے بڑھ کر سنایا کریں؟ اگر آپ نہیں مہم ہو کر ڈانچت ایک جیسے نہیں ہوتے۔ شاعر آپ کو پسند ہے۔ یہ جان کر خوشی ہوئی۔

ثناء ذوالفقار۔ نوے والی رحیم یار خان سے شریک مکمل ہیں لکھا ہے۔ جنوری کا ناگل اچھا تھا۔ "بندھن" میں اقبال بانو سے ملاقات اچھی رہی۔ پلیر بندھن میں دوسری رانگز کے مطابق "دیکھ" اس دفعہ سربسری سہا پڑھا۔ افسانے اس دفعہ خاص اچھے تھے۔ "نیت" اور "میں تو سادوں بنے" کے علاوہ کوئی بھی افسانہ پسند نہیں کیا۔

"زنگی" ہو چیسے۔ باجوڑ ریخان کا طرز تحریر اچھا تھا لیکن کہاں جان رانگیں گی۔ "سنبھری روپ" پلیر اسے جلدی قلم کریں۔ "حمت کا ران" راشد رخصت سے بہت اچھا لکھا۔

بیش نہیں دیتے پھرے تھو میں سب کی گوراد مکمل ہیں کہانی پھونے میں کئی گوراد مکمل ہیں لیکن سیرہ کا آفری مکمل کر سامنے آ گیا ہے۔ اب اگلی قسط میں، مجھے ہیں کہ میرا ہ کیا فیصلہ سنانا ہے۔

میری ائی لڑاں (جس سے سچا جانتے ہیں) بتاتی ہیں۔ آج کل شادی زیادہ ہوری ہیں تو میں اکی کئی گوراد مکمل ہوں لیکن مجھے ہے کہ زیادہ زیادہ تازہ ان شادی مکمل تہرہ آئندہ گور دیں گی۔ ج: پیادری شاد آف لای کا مکرمل ہیں تو آپ ان کی مدد کریں، میں ان کا ساتھ بناتی ہیں۔ جان کر بہت اچھا لگا۔ میں خود اور ادبی کتب بہت اچھے لگتے ہیں۔ بہت اچھا لکھا لکھا ہے۔ نوے خوش کریں گی۔

میں خط 15 تک پوسٹ کر دیں۔ میں اب تک بک لے گا تو میں ہو جائے گا۔ شکیل انور، دائور، بحر انور سے سوال سے شرکت کی ہے

بہر حال دس ویکارہ سارے بڑھ رہے ہیں۔ اس کی تمام کیا گیاں اور سلسلے بہت اچھے ہیں۔ میں نگرہ امو عمیرہ امو، میرا سید، ساوڑ، صاف، غرہ بخاری، فرحت الشیخ پند ہیں۔ شیرہ بخاری (مہم سے بڑا ناہ) کی سربسری بہت پسند۔ پلیر اس کی جگہ جگہ ناگلیں میں شائع ہوئی ہیں ان کو شاعر میں شکیل کریں۔ یہ دعا ہمارے سلسلے سے لکھا جانے والا بڑا چلا

ہے۔ اور یہ بھی بتائیں کہ شاعری کا اسلام میں پسند یہ مکمل ہے یا پسند یہ۔ ج: شکیل، دائور رحیم، بہت خوشی ہوئی کہ میرا سال بعد کیا آپ نے ہماری مکمل میں شرکت کی۔ شاعری کا اسلام میں پسند یہ مکمل ہے یا پسند یہ؟ اس کے لیے آپ کی مٹاس سے بہت اچھا ہے۔ آپ کی کہیں سے وزن اور بے درپہ ہیں۔ ابھی آپ کو بہت محنت کی ضرورت ہے۔

صاحبہ مشتاق نے پانچ گنا نوالہ سرگودھا سے لکھا ہے اس دفعہ شاعر 3 کولاما کٹرل لکھی ہیں۔ محروم نعت کے لیے پیار کی یادیں بائیں ہیں ابھی بلکہ بہت اچھی لگیں۔ اقبال بانو سے ملاقات اچھی رہی۔

"دیکھ" میں تیرہ دو خان چاہہ تازہ اور صدف خان کے بارے میں اچھا لکھا۔ فرخ بخاری کا مکمل ہاؤل "میں بڑھ رہا" "سنبھری روپ" اچھی لکھی۔ سولہ بائی۔ ج: میں حلے میرے شوہر کا بھی نام ہے آخر کار حل میں میری لی ہی لگے رجب جیسے انسانوں کے ساتھ ایسا ہی ہونا چاہیے تھا۔ صدف آف کا افسانہ "ہاوانی" ہمارے معاشرے کی عکاسی کرتی تحریر بھی بہت اچھی گی۔ لی سحر ملک کا افسانہ "نیت" نے تازہ ناگلی لکھی۔ سولہ بائی، اس ہاؤ کی سکرل میں ساری ہی اچھی تھیں۔ "موسم کے پکان" تیس کی مکمل بنائی جو بہت اچھی تھی میری طرف سے میری جیجی کی کزن اور امتیاز کو سلام اور بہت زیادہ پیار آئی تو خاند کے لیے۔

ج: پیادری شاد آف آپ کی جیجی کی کزن اقرا ممتاز کو سلام پیادری ہیں۔ جیجی کی تاک تو تھا، جیجی کی کزن کہانی بار سارے کیا مطلب ہے اس کا شاعر پسند آیا ہے جان خوش ہوئی۔

مہناز بزم مشاعرہ شادری نوالہ شعلہ شیخو پور سے شریک مکمل ہیں لکھا ہے۔ محمد رفعت بڑھ کر سکون کی جاتا ہے۔ پیادری پیادری عبادت بہر بڑھ کر بہت اچھا لکھا ہے۔ "سنبھری روپ" سولہ بائی نے کہانی کو عجیب موڈ دیا ہے۔ "حمت کا ران" بہت اچھی کہانی ہے۔ "تیری سربانی" بہت دلی بھی لکھی۔ میرا سید، شکیل، دائور اور کوئی لڑاں پر بہت بھی آئی ہوئی کی دادو کے ساتھ





نہیں ہوتی۔  
شعاع کی پسندیدگی کے لیے شکر ہے۔  
شانزہ یہ بات سمجھائی نے لکھا ہے

سب سے پہلے "مکمل شعاع" کو پڑھا۔ ویڈیوں  
آپنی رہنمائی کے لیے آپ کے الفاظ نے مجھ کو سارے کونے کونے  
دیا۔ ان الفاظ میں زندگی کی حقیقتوں کا روشنی میں نظر آیا۔

میرا حیدر کی کتاب "مکمل شعاع" پر بھی نظر ڈال لی جو بہت  
دلچسپ کتاب تھا اور افسانہ نگار کا طریقہ بتایا ڈیر میرا آلی  
ویڈیوں میں "بندھن" اقبال یا تو پڑھ کر اک مکان میں  
لیوں پر گھر میں اور اچھا لگے ان کے بارے میں جان کر۔ پھر  
چنگا لکھ لکھتے تھے "خواب شیشے کا" اس دفعہ کی  
ابھی سو ڈرہست رہی شروع میں جو ہم کی دل میں گھر کر  
گئی۔ تجویزی اسپینڈ ہو چکا دیں۔ پھر بہت لکھی "سنہری  
دھوپ" اور "آئینہ سلونی" آئی یہ کیا کرد یا میرے کواں کی محبت  
سے دور کر دیا۔ پھر "محبت کا راج" ویڈیوں راشدہ آئی  
کل خنداں نام منفرد سا اور منفرد سا موضوع لیے ہوئے  
آپ کی تحریروں میں آئی۔

آج، چاندی شانزہ یہ اہم خوشی ہوئی آپ نے شرکت  
کی۔ آنکھ دھیمی حرکت کرتی رہے گا۔ شعاع کی پسندیدگی  
کے لیے تھوڑے سے ممنون ہیں۔  
فوزیر خٹہ پاریاں ان آئینہ تھیں تجربات سے  
شریک کھل چیں لکھا ہے

سال کو شعاع کا چٹاں چٹاں نظر میں آ گیا۔ پہلی  
شعاع نور چاندی پاریاں تعالیٰ نعمت شریف سب سے پہلا توجہ کا  
مرکز ہوتے ہیں۔

"بندھن" میں اقبال ہاتھ سے ملاقات ابھری گئی۔ ڈرامہ  
بیرن خالی شاید کی ہیرو کیل ہے وہ ملاقات بھی پسند آئی۔  
جب سے تھکے سے ڈا ہی سٹلنگ بھی اچھا چل رہا ہے۔

لکھا ہے ملاقات کا پوچھنا کہ میرا کبھی کا یا ہے اور  
یہ بتایا ہی ہے۔ "شہزاد" کی اس باری قسط مزے کی  
دی۔ "سنہری دھوپ" لکھا ہے۔ دعا اپنی زندگی کی تمام  
خود دیوں کا بدلہ اٹھ سے لے لی۔ مجھ نے دعا کو تلاش

ایمان خان، زینت، اور دلاور خان، حاجت کے تحت شاعریوں کے شعاع میں شائع ہونے والی تحریر کے  
میں بھی ارادہ رکھتا ہوں۔ کسی کی کوئی بات کہنے کے لیے اس کے کسی بھی حصے میں ہرگز نہیں شامل کیا جائے گا۔  
اور سارا حق کے کسی حصے میں شائع نہیں کیا جائے گا۔ ہر صورت کے خلاف قانونی کارروائی کی جائے گی۔

## خواتین ڈائجسٹ

خواتین ڈائجسٹ میں شائع ہونے والی تحریریں



## فروری 2018ء

کے شمارے کی ایک جھلک

- "میرنی" نواز کا مکمل ناول، راشدہ رحمت، حیات باری، عطیہ خالد، مصباح علی سید،
- "اے ہم فخر کرتے ہیں" صدف کار، اور روزیہ صدف شاہ کے افسانے،
- کے ناول کی دوسری اور آخری قسط، مشہور پاکستان لائٹ "مدح" سے ملاقات،
- "کب ٹھہرے گا درویش" قافہ جبین کا مکمل ناول، ہاتیں "علی شامین خان" سے،
- "محبت میرے رنگ" بشری احمد کا ناول، "کرکن کن روشنی" اعادہ نبوی علیہ السلام،
- "روح جنوں" آندہ پاش کا ناول، ہمارے نام روزیہ مستطیل شامی ہیں،
- "عالم" فرہامہ کا ناول،

خواتین ڈائجسٹ کا فروری 2018 کا شمارہ آج ہی خرید لیں

پاؤڈر ڈال کر اچھی طرح پھیلت لیں۔ گوشت میں شامل کر دیں۔ تھوڑا سا پانی ڈال کر درمیانی آگ پر گوشت پھینکے گئے پکائیں۔ گوشت گل جائے اتنا بھوئیں کر دیں اور آگ بجائے۔

ایک بڑی پتلی میں پانی ڈال کر اس میں چاول اور دکھانے کے کچے چھچھک شامل کر کے ایک کی رکھ کر ابال لیں اور پھینکیں میں ڈال کر اوپر سے ٹھنڈا پانی ڈال کر چھان لیں۔

ایک ٹکڑہ بڑی دھبے میں تھوڑا سا تیل لگائیں اور تیار کردہ ڈال ڈال دیں۔ اس کے اوپر آدھے چاولوں کی تہہ لگائیں۔ یہ عمل ایک دفعہ دوبارہ دہرائیں۔ سب سے اوپر ہرا خضیا اور ہری مرچیں ڈال کر کیوڈا اور زرد رنگ چمڑک دیں اور پھر دمٹ کے لیے درمیانی آگ پر دم دیں رکھ دیں۔

### کھوپرے کی برنی

ضروری اشیاء: کھوپرا (پا بوا) چربی چینی پانی الائچی (کسی ہوئی) بادام، پستے کھانے کا رنگ ایک چمچل

ترکیب: کھوپرے کی کھوپرے، اس میں الائچی ڈال کر بھون لیں۔ پھر کھوپرا ڈال کر بجلی آگ پر 2 منٹ بھوئیں۔ اب دوسری پتلی میں دوک چینی، آدھا کپ پانی اور چمچل بھون کر مٹی کی طرح ڈال کر ایک تاری جاتی بنا لیں اور جو لمبے سے اتار کر کھوپرے میں ڈال کر اچھی طرح کھیں کریں۔

آجیرہ گاڑھا ہونے لگے تو پہلے سے تھی لگے ہوئے تھال میں برنی کو جمادی اور گرم میں ہی کٹ کے شان لگا دیں، غصا ہونے پر تیز پھری سے تھیں کاٹ لیں اور بادام پستے سے گاروں کریں۔

☆

”دو تہ خیر تہا رانگ درو پ کر دیں کہ اندازہ ہو رہا ہے۔ کوئی خاص بات اس ٹیڈلڈی جو شہر کرنا چاہتی ہو؟“

”جی..... ایک کرشل علی ظفر کے ساتھ شوت ہوتا تھا مگر کچھ وجوہات کی بنا پر وہ کرشل کے لیے دستیاب نہ ہو سکے تو ”عاطف اسلم“ کو بک کر لیا گیا۔ اس وقت عاطف اسلم نے صرف ایک ہی گانا گایا تھا۔ جو جب مجھے معلوم ہوا کہ میری شوت علی ظفر کے ساتھ نہیں ہے تو مجھے بہت افسوس ہوا تھا۔ مگر اب اس کرشل کے خیر کرئی ہوں کہ میں نے عاطف اسلم کے ساتھ کرشل کیا۔ جج ہے کچھ ہاتھ نہیں ہوتا کہ وقت انسان کو بک اور کیسے آسان کی بلند یوں پر پہنچا دے“

”کوئی خواہش جو پوری نہ ہوئی ہو؟“

”ارے کوئی ایک خواہش نہیں ہے۔ ڈیو جیوں خواہشیں ہیں ان ہی میں سے ایک خواہش یہ بھی کہ میں تھوڑے سے ظہر صلحہ سے لوں۔ مگر افسوس کہ یہ خواہش پوری نہ ہو سکی۔ بس ان ہی کی وجہ سے مجھے سیاست سے بھی لگاؤ تھا مگر اب نہیں۔“

”شاہنگ کرنے کا لطف کہاں آتا ہے ملک میں ہلکے سے باہر؟“

”مجھے خود سے شاہنگ کرنے کا زیادہ شوق نہیں ہے۔ میری زیادہ تر شاہنگ میری ای سی کرئی ہیں۔ کیونکہ وہ میرے مزاج سے واقف ہیں۔ چاہے ملک میں ہوں یا ملک سے باہر۔“

”کہاں کہاں جا چکی ہو ملک سے باہر اور شاہنگ میں پہلی ترجیح کیا ہوتی ہے؟“

”مجھے ”جج“ اور بھینس تو کھونے چھرنے کا بہت شوق ہے۔ دکن کرئی تھالی ”پنڈر اور ملا پنڈیا“ جانگی ہوں۔ اور شاہنگ میں میری پہلی ترجیح جوئے پیگڑ ہوتے ہیں۔ یوں بھینس کی پیڑ میری کر دی



”جی..... ضرور۔“

”کیا حال ہے؟ کیسے ہیں۔“

”جی الحمد للہ۔ دعا میں ہیں سب کی۔“

”ڈیڈل کے بعد نظر میں آئے؟“

”اچھا..... ایسا ہو نہیں سکتا۔ کسی بھی ایسا ہوتا ہے کہ کام نظر میں آتا۔ چمچل بھی تو بہت سارے آگئے ہیں شاہدا اس وجہ سے۔“

”مفتن آج سہمی اسکرپٹ رائٹر، تھوڑے کے نامور اداکار اور گورنر افسر ای سی کے نامور اداکار۔ یوں کہیں کہ آل ان دون ہیں۔ کہاں ای سی مل کر تے ہیں؟“

”مجھے بھینس سے ہی ہر کام کرنے کا شوق ہے۔ شاہدا اللہ نے مجھ میں ہر کام کرنے کی صلاحیت یاگئی ڈالی ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ انسان کو صرف ایک ہی کام نہیں بلکہ کئی کام ایک ساتھ کرنے چاہئیں۔“



### شہر قندی

شہر قندی غذائی اجڑا سے بال بال ہے۔ شہر قندی میں پائے جانے والے قدرتی اجڑا میں پروٹین، کیمک، کاربوہائیڈریٹس، فولاد، فاسفورس شامل ہیں۔

شہر قندی میں سب سے زیادہ مقدار نشاستہ کی پائی جاتی ہے، جو سوزن غذا ایک اہم جز ہے۔ یہ نشاستے سے پانچ گنا کم قیمت ہوتی ہے۔ یہ نشاستہ غذائی اجڑا کے باعث شہر قندی جسم انسانی کو پوری غذائیت فراہم کرتی ہے۔ ڈیڑھ ہزار شہر قندی میں دو چپاتیوں کے برابر غذائیت موجود ہوتی ہے۔

جن لوگوں کو بھوک زیادہ ہوتی ہے۔ ان کو چاہیے کہ وہ شہر قندی کھائیں، کیوں کہ شہر قندی کھانے سے بھوک مٹنے کے ساتھ ساتھ جسم کی غذائی ضروریات بھی پوری ہو جاتی ہیں۔

### جدو جہد

جادو شہر کا کہنا ہے کہ ”مجھے ہمیں بولی دوڈا مقابلہ کرنے کے لیے مزید محنت کی ضرورت ہے۔ کرشمہ چند سالوں میں ہماری فلوں نے اچھا برکس ضرور کیا ہے۔ (ہیں جی! کی کہہ رہے ہو جی)۔ کر بولی دوڈا کارڈوں کے لیے سلسلہ جاری رہنا چاہیے۔ (فلاپ فلوں کا کیا؟) انہوں نے مزید کہا کہ ”انہوں نے ہمیشہ فلم انڈسٹری کی کامیابی کے لیے جدوجہد کی ہے۔ (کی ہاں ابر سے وقت میں بولی دوڈا ملے گئے تھے فلم کرنے)۔ (اور آئندہ بھی کرتے رہیں گے)۔ (کیا..... انڈین فلوں میں کام کیا.....؟)

### خوشی

چونتیس سالہ سالہ انوش اشرف نے بلاخر

”گڈ..... اور اچھا یہ ہوا کہ آپ کو سب کچھ کرنے کا موقع بھی ملا۔ یہ ساری چیزیں کیا آپ میں اپنے والد خاں سعید بٹ کی وجہ سے آئیں؟“ ”جی..... بالکل میں تو یہیں جھٹکا ہوں کہ والد صاحب کی وجہ سے مجھ میں یہ تمام چیزیں آئی ہیں۔ ان میں سے پانچ گنا فاسفورس بھی ہے۔ والد صاحب کی وجہ سے تنچیں میں عی بہت سے سینٹر نکالوں سے ملاقات کا موقع ملا۔ اور جب گھر کا ماحول ایسا ہوتا پھر آگے بڑھنے کے مواقع ملتے رہتے ہیں۔ تو بچپن میں بھی ہر چیز میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا کرتا تھا۔“ ”مشاء اللہ آپ اپنے والد کی طرح ایک خوب صورت نوجوان ہیں۔ لوگ آپ کو بہت پسند کرتے ہیں۔ بہرہ کو آپ کی نظر میں کیا ہونا چاہیے۔“ ”پڑھا لکھا، محنتی، خودمرد..... کام کی لگن اور بہت کچھ.....“

”اور ایک اداکار کے لیے کیا ضروری ہے؟“ ”ایک اداکار کو بھی یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ اسے ڈراموں میں کام کر لیا ہے۔ اس میں مکمل ہو گیا ہوں۔ بلکہ اس میں ہر وقت کچھ نئے کی ہوتی چاہیے۔ یہ ایک ایسا شہید ہے۔ جہاں آپ کو مکمل جدوجہد کرنی پڑتی ہے۔ دوریوں کے تجربات سے فائدہ اٹھائیں اور خود بھی تجربات کریں اور ہمیشہ اپنی غلطیوں پر نظر رکھیں۔ جانتے ہی کہ ہمیشہ پوزیشنیں۔“ ”عام زندگی میں کیسے ہیں؟“

”میں عام زندگی میں عام انسان ہوں اور اس فیڈ بک میں وہ کچھ عام انسان ہوں۔ خدا نے اگر تیرے دیا ہے تو اس پر غور کیا؟ کامیاب انسان وہی ہے جو اپنے آپ کو سوسائٹی انسان بننے سے بچے۔ مثلاً خاندان میں صاحب کا کیسی انٹرویو بھی ان شاء اللہ جلد ملیں گے۔“

”تو کچھ بتائیں کہ کس طرح قدم قدم قدم آئے۔“ ”دیکھیں جی..... جب میں نے صداقت میں جھگڑا کر چنگ گروپ کے انگریزی ٹیوزیشن میں ”آرٹس“ پھر اور انٹر ویوٹ کے لیے لکھتا تھا۔ اور ایسا اب بھی ہے کہ کم ہے۔ جب اسلام آباد میں تھا تو 2005 سے 2012 تک فیڈرل ٹیویزیشن میں کام کرنا چاہا کہ اسکول کے بچے بھی اسے دیکھیں چنانچہ لاہور گرامر اسکول کے بچوں کو فیڈرل میں کام کرنا سکھایا اور جو بچہ سیر کر لے پھر اسے بھی اداکار کی کرنے میں مشکل پیش نہیں آئی فلم فلم ہو جاتی دی..... ان سب کاموں کے ساتھ ساتھ مجھے اسکرپٹ رائٹنگ کا بھی شوق تھا۔ چنانچہ فیڈرل کے لیے بھی اور فلموں کے لیے بھی اسکرپٹ لکھے اور فلموں کی ڈیمانڈ ہوتی ہے کہ پورے کرائی ”تو اسے بھی سیکھا۔ اور ساتھ ساتھ ڈائریکشن بھی۔“

خواتین ڈائجسٹ

کی طرف سے بہنوں کے لیے ایک اداکار

زرد موم

راحت جنیبن

نہت 2000 روپے

32735021



شعبہ معصوم کی فلم ”دورنہ“ کے بارے میں کبریٰ کہتی ہیں کہ ”اس میں برا خطاب نہ ہوتا ہی اچھا ہوا۔“ (دورنہ میں ماہرہ کی عدم دستیابی پر شعبہ معصوم نے کبریٰ کو ہی رکھنا تھا بلور سپردکن، لیکن.....؟) کبریٰ خاں ایسی کردار کا پسند کرنی ہیں جس سے معاشرے میں مسادہ کار کا پہلا جاکر ہو سکے۔ وہ ایک معذور اور ناتواں مرثا چاہتی ہیں۔ (کیوں؟.....)



### ادھر ادھر سے

ہذا ظاہر القادری اور شیخ رشیدی سیاست میں زیادہ فرق نہیں ہے، دونوں کی بہت ایک جیسی ہے۔ دونوں کی زبان روانی کے ساتھ چلتی ہے۔ (انجائز مٹکی..... آواز حق)

☆ میڈیا نے لڑی ڈیٹا سے بھی پوچھا تھا کہ کیا اس کے کسی مرد کے ساتھ مراسم رہے ہیں؟ اور اس نے ہنسنے بول دی کہ اس کے ساتھ یہ امتزاف کیا تھا۔ ”اے! اور اس ”ہاں“ کی وجہ سے ڈیٹا کی عزت میں کمی نہیں آئی۔ اس امتزاف کی وجہ سے لوگ اس سے زیادہ محبت کرنے لگے۔ لوگ چاہتے ہیں کہ وہ جسے چاہتے ہیں، وہ جس شخص سے محبت کریں۔ وہ جھوٹ نہ بولے، سچ بولے۔

(انجائز مٹکی..... آواز حق)

بنی اللہ المال تنہا اپنے جانے کا امکان اس لیے نظر نہیں آ رہا کہ جنوں کے جرنیلوں کا کام سنہنہا لیا ہے اور جرنل سپہریت کے سنے علم پر دار نظر کرتے ہیں اور جہاں تک جمہوریت کے اصل علم پر مداروں کا تعلق ہے۔ وہ ہر ایک سے لڑنے میں مصروف ہیں اور انہیں جس بھی دست و دگر چاہیں۔ (دو جاہت ایس خان..... اظہار ٹوڈے)



تبدیل ہو گئی تھی۔ سعد بن ابی وقاص کو ایک ایسی سہولت اور صرف حاصل ہوتا ہے کہ اس سے پہلے کسی کو یہ سعادت اور تمنا جرات حاصل نہیں ہوا۔ اسلام کے دفاع میں چلایا جانے والا پہلا تیر سہرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کاماں سے ۵۵۰ ہے اور ان کو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے دفاع کا اعزاز ملا ہے۔

بازار تیر چار ہے ہیں اور کانوں میں یہ خوش خبری سنائی دیتی ہے۔

”سعد تم پر میرے ماں، باپ قربان ہوں، تیر چلاؤ۔“

یہ اعزاز تاریخ میں محض سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے ہے کہ ان کے علاوہ آپ نے کسی شخص کے لیے یہ الفاظ استعمال نہیں فرمائے۔ حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اللہ رب العزت نے ایک عجیبے مصرعے کی سپہ سالاری بخشی کہ جس نے عراق کے دروازے اسلام کے لیے کھول دیے اور اسلام کا نور امیران کی سرحدوں سے آگے لھکیا۔

دنیا کے نقشے پر اسلامی ریاست کا وجود پھیلنا گیا۔ اس عدل و انصاف اور نور ہدایت کو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے عراق کی حدود میں لے کر داخل ہوئے ہیں، تاکہ یہاں کی مسکن بھی اس رحمت کے سامنے تلے آجائے۔ یہ گمان کا ایک قدیم اور ارازی رجحان فاسر جو کسریٰ کے نام سے معروف تھا، ان کی دماغیں آڑنے آجاتا ہے۔ ان کا راستہ پوری قوت اور جادو جلاں سے دستا ہے۔

### کسریٰ کے کمسن گن

محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سامنے والوں کو بشارت دی کہ ایک دن آنے والا ہے کہ قیصر کسریٰ ان کے سامنے سرگرم ہوں گے۔ ان کی دولت اور قوت پاش پاش ہو جائے گی۔

خرمیش نے ایک کان سے سنا اور دوسرے سے اڑا دیا۔ کسی نے مذاق کیا، کسی نے ٹھٹھا اڑایا اور کسی نے کہا کہ ”کوٹھیا! ہیں نا پوٹوں جیسی باتیں۔“

لوگوں کے نزدیک قیصر کسریٰ کو مستغلب کرنا ناممکنات میں سے تھا، ان کو پہنچ کرنا، ان پر غلبہ آنے کی بات کرنا ایک دیوانے کی بڑے زیادہ نہ تھا۔

پھر محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دوست ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ ایک دن چھپتے چھپاتے رات کے اندھیرے میں ایک غار میں جا پہنچے۔ یہاں پناہ لی۔ یہاں سے نکلے تو مجبوروں کی سرزمین کا رخ کیا کہ وہاں شاموں کی ایک جماعت پہلے سے وہاں موجود تھی۔ وہ آپ کے شہر تھکے۔

سوانہوں کا لالچ بہت بڑا لالچ ہے۔ سراقہ بن مالک بھیجا کرتا ہے۔ وہ گرفتار کرنا چاہتا ہے۔ (معاذ اللہ!) وہ انہی کے خون کا پیاسا ہے اور پھر اس کے کانوں میں ایک پرچہ ”آواز حق“ ہے۔

”سراقہ! اس دن تمہاری کسی شان ہوگی جب تم کسریٰ کے گھٹن پہنوں گے؟“

سراقہ یہ سن کر سرعجب تو ضرور ہوا مگر دل کو یقین نہ آیا۔

نکھر اور اسلام کی کشش اب مکمل لڑائی میں

ان دو گروہوں کا اختلاف بڑا چھپ اور نازا  
ہے۔ نہ تو کرسی کا بھڑکا ہے، نہ ہی اقتدار کی خواہش،  
نہ زمین پر قبضہ اور نہ اپنی حدود بڑھانے کا جنون۔  
اختلاف دراصل نظریات کے درمیان ہے۔

ایک گروہ واحد و باحد رب والہ الجہل کے سامنے اپنی  
پیشانی کو بھکانے والا اور دوسرا سمجھوئے معبودوں کو  
پوجنے والا۔

اپنے آباؤ اجداد کے دور سے  
پر نازان، آگ کے پجاری اور پھر بدوں گروہ  
تقدیر کے میدان میں ایک دوسرے کے مقابل  
کھڑے ہوتے ہیں۔ ایک طرف غلامی علیٰ صلی اللہ  
علیہ وسلم کے غلام غصیل باندھے کھڑے ہیں۔  
شاہدات کے سترالے، جذبہ جہاد سے شرابے، اپنی  
مرحی اور خواہش سے یہاں آئے ہیں، بغیر کسی جبر  
اور اکراہ کے۔ زاد راہ کی کسی بے مخرج بیانی جذبہ  
فراوان ہے۔ ان مجاہدین کے کیا کہنے، ان کے دن  
گھوڑوں کی پینٹ پر اور ماتیں رب کی بارگاہ میں  
سجدے کرتے گزرتی ہیں۔

ان کے مقابل ایک دوسرا گروہ ہے، جس کی  
تقداد چار گنا زیادہ ہے۔ ایک لاکھ تین ہزار کا لشکر  
جراں، پیغمبر و مرتب ہے، ہر پاسبی کے لیے کھانے  
پینے کی چیزیں، لباس اور اسلحہ ہے۔ یہ زیادتی مال و  
مناج ہے، نہیں ہے۔

اہل نافر کی طرف سے حضرت سید رضی اللہ  
تعالیٰ عنہ سے مطالب کیا جاتا ہے کہ لڑنا چاہیے، پھر انہوں نے  
ہم سے گفتگو کرے، ہمیں بتائے کہ یہاں کیا لینے  
آئے ہو، کیا مقاصد ہیں؟

پھر ایک شخصیت کا انتخاب ہوتا ہے اور وہ ہیں  
مغیرہ بن شہید رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

سادا اور خودداری کے پیکر مغیرہ بن شہید رضی  
اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے جہنم کو کھپایا جا رہا ہے، دیشم و  
کتاب کی چادریں، پیش قیمت پودے، قابیلے،  
خادم زرق برق لباس میں۔۔۔ مغیرہ بن شہید رضی اللہ

تعالیٰ عنہ اپنے پیوند گھگھے لباس میں آ رہے ہیں۔  
معمولی سا رانگ لباس، کپڑا کے لیے میان تک نہیں۔  
اس پر چھتورے لیے ہوئے ہیں۔

دروازے پر دربار ان نے ناپائاس پیش کیا۔ کپڑا  
اپنے پاس رکھنے کے لیے اصرار کیا۔ گویا ہوئے۔  
”جس حالت میں آیا ہوں، اسی حالت میں  
تمہارے بادشاہ سے ملوں گا، نہ لباس تبدیل کروں گا،  
نہ اپنی کپڑاؤں تمہارے حوالے کر دوں گا۔ اگر ملنا ہے تو اسی  
حالت میں ملوں گا۔“

یہ پتھر فرش، دینا سے مکمل بے رشتگی رکھنے  
والے مجاہد۔  
”تم نے کہا کہ“ جس طرح آتا ہے آئے دو۔“  
یہ اپنی کپڑاؤں کو ان کالیوں میں چھپوتے  
ہوئے نہایت بے پرواہی میں آگے بڑھتے ہیں۔  
رستم کے تخت پر جا کر آتی باقی مار کر بیٹھ جاتے ہیں۔  
دربار یوں آئے انہیں سرگوشیاں شروع کر دیں۔  
”فیر منتر مذہب ہے۔ اس کو مذہب کا علم  
نہیں۔“

”یہ چاہیے عرب ہوتے ہی ایسے ہیں۔ آداب کا  
پاس دکان نہیں۔“  
آواز میں بلند ہوتی گئیں۔

مغیرہ بن شہید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رستم کی  
طرف دیکھا، دربار یوں سے مخاطب ہوئے۔ ”اے  
مجم کے لوگو! تمہارے بارے میں بڑے دہم کا  
شکار ہے۔ دریا خاں قہار کا تم نہایت ذہین، ہوشیار  
اور کمزری سوچ اور فکر کے مالک ہو، مگر آج تمہارے  
پاس آ کر اندازہ ہوا کہ تمہارے پاس اصل نام کی کوئی  
چیز نہیں۔ تمہیں اپنے امر کی غلامی پسند ہے۔ جب  
کہ تمہارے ہاں امیر اور دینت میں کوئی فرقی نہیں۔  
بلکہ تمہارا ہی قوسب سے معروف تر اور مسلسل کام  
کرنے والا ہوتا ہے۔ تمہارے ہاں عسکر الی ایک  
اضافی ہو جھ اور دے داری ہے۔ اس میں کوئی عیب و  
آرام اور سعادت والی بات نہیں ہے۔“

رستم کے لیے بے اندازہ، بے خوفی ہو ہی جب  
تھی۔ اس نے آج تک ان عربوں سے ملاقات کی  
تھی جو اس کے حال کے طور پر مختلف بتیوں پر  
حکومت کرتے چلے آ رہے تھے۔ اس کے پاس  
عربوں کا بادشاہ نعمان آیا تو وہ اس سے غلط اندازہ  
کا طلب کا تھا۔ وہ رستم سے سونے اور چاندی کی  
بیگ مانگنے آیا تھا۔ اس کا خیال یہ ہی تھا کہ یہ عرب  
بھوکے اور کور در، ہیں ان کو کھڑکی سی دولت، معمولی  
مالا مال ہے۔ کر خریدنا جاسکتا ہے۔

رستم بغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مخاطب ہوا۔  
”میں تمہاری مالی حالت کا خوب اندازہ ہے،  
تمہارا ملک، دنیا کے غریب ترین ملکوں میں سے ہے۔  
تم غفلت اور غش ہو۔ تمہارا پاس اور تمہاری حیثیت  
اس کا واضح ثبوت ہے۔ مگر میں تمہارے اور ہر دم  
کرتے ہوئے تمہارے پورے فوج کو غلام، غلام اور مجبور  
وافر مقدار میں دینے کا اعلان کرتا ہوں۔ جتنا ایک  
اروٹ ہو جھ افسانہ ہے تمہارے ہر ماسی کو ملے گا اور  
دیکھو تھے جو تمہارے مقابلے میں آئے کی جرأت

کی ہے، اس کے لیے ہم نہیں صاف کرتے ہیں۔“  
حضرت مغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جوابی تقریر  
کی۔ ”اے بادشاہ! تم نے تمہارے فقر، تمہاری حالت  
کا جو ذکر کیا ہے وہ باطل درست اور بجا تبصرہ ہے۔  
بلاشبہ یہ فقیر ترین قوم تھے، بھوک کے مارے جو ملک  
’اس کو کھاتے تھے۔ ہم جہات اور مگر اس میں تھے، اسے  
اعز کو مل کر دیتے کہ ان کا مال بڑپ کر سکیں۔ مگر اللہ  
تعالیٰ نے تمہارے اور اپنا احسان فرمایا۔ میں رسول  
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی لغت سے لوڑا۔ انہوں نے  
سیدی راہ اور حجر کے دروازوں کی طرف ہماری  
دہشتاں فرمائی۔۔۔ پانچ ہمارے دلوں میں نفرتوں  
کی جگہ محبت کے جتنے بنائے گئے۔“

رستم نے عقارت بھری نفرتوں سے مغیرہ رضی  
اللہ تعالیٰ عنہ کی کپڑاؤں کی طرف دیکھا۔  
”اس پر مجبور کیا ہے؟ اس پر بیان تک

موجو نہیں۔“  
درباری کو اشارہ کیا، خوب صورت مرصع کپڑا  
پیش کی اور کہا کہ ”اپنی کپڑا کے بدلے اس کو ملے لو۔“  
مغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی کپڑا کھائی، یہ  
کلی کی طرح کوند کی۔ ایرانی کپڑا پر اس زور سے اپنی  
کپڑا ماری کہ مرصع کپڑا رو دکھڑے ہوئی۔ پھر رستم سے  
مخاطب ہوئے۔

”تمہارے پاس تین راستے ہیں۔ اسلام قبول  
کر لو یا جزیہ دینے پر رضا مندی ظاہر کر دو یا پھر  
ہمارے درخت تمہارے درمیان فیصلہ جگہ کرے گی۔“  
رستم نے جزیہ کا نام سنا، ناک بھون  
چلائی۔ اپنے دربار یوں کو دیکھا، پھر غصہ بھری  
نظروں سے مغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف دیکھ کر  
کہا۔

”تم نے جسی گستاخی کا ارتکاب کیا ہے، اگر تم  
سفیر نہ ہوتے تو میں تمہیں گل کر دیتا۔ مگر سنو! گل کا  
دون۔۔۔ ہاں گل میں تم سب کو شیت و نابود کر کے رکھ  
دوں گا۔“

اگلے دن لڑائی کا آغاز ہوا۔ ایرانی اپنے امراء  
ہاتھ لے کر آئے تھے۔ جس طرح آج ٹیک سوار  
مخوفہ سمجھے جاتے ہیں۔ اسی طرح باہمی تھے۔ وہ  
آگے بڑھتے گئے۔ مسلمانوں کا خاصا نقصان ہوا۔  
قہار، وہ دھج رہے تھے کہ ان کو کیسے روکا جائے۔  
پاک خراجدار اسلام آگے بڑھتے ہیں۔ با جمیوں کو  
سوطوں کو کلو اور دے گاٹ کر رکھ دیتے ہیں۔ با جمی  
چیتے چلتے چیتے کوڑے۔ اب ایرانی روئندے  
جا رہے ہیں۔ مسلمانوں کے خلاف ایرانیوں کی  
سازش کا کام ہو کر رہ گئی۔ اللہ کا وعدہ بھاتا ہے۔  
”اگر تم اللہ (کے دین) کی مدد کرو گے تو اللہ  
بھی تمہاری مدد کرے گا۔“

حضرت سید بن ابی قاسم رضی اللہ تعالیٰ عنہ  
اس دور حضرت انصاف کے مرض میں مبتلا تھے۔ چلنے  
پھرنے سے معذور، ایک اوپے مکان کی چھت پر

ڈاکٹر کہتے کروردی ہے۔ خون کی کمی ہے۔ وہ  
 دیتے آئرن اور وٹامن سی کی ٹیبلٹ اور یہ چیزیں  
 ہوں گئیں جسے بندوق کی گولی۔ کیوریا بہت بڑا کیم  
 کروردی آئی کہ روزے مشکل، مگر کے کام تو کیا  
 جوتے۔ اپنی ای کے مگر ہوں۔ میان گھرا دیا ہیں،  
 کبھی ”جھ سے نا“ میں اپنے میاں کا: تاکھوں  
 کی۔ (۱۱۱)

اور ہو جاتا۔ کھڑا ہونا اور چلنا پھرنا دشوار لگے اور باتا کہ پیڑا استعمال کرتا ہوتا۔ چھایاں ادا مانا۔ صرف ٹھوڑی سے پتا چلا کہ ”کھنڈر بتاتے ہیں کہ عمارت سینکڑن تھی۔“

دوسرے بچے کی دفعہ بھی یہی برہمن رہی اور تو دھرم کی کام سے۔ چکر نامہ بعد سے کی گئی حد سے یاد۔ دل خراب اس طرح ہوتا ہے برہمنیت

حضرت سعد اس کو جو ان کی بھادری کے جوہر  
 دکھ رہے ہیں۔ ”اے بھائیو! جو ان میں سے ہے۔ اتنا  
 بھادرا، اتنا دلور اتنا شجاع۔ اچھا! آج کے بعد اس کو  
 قید نہیں کروں گا۔“  
 اور اس کو بھیج کر کہہ رہا ہے۔ ”آج کے بعد



منہی بہاؤ الدین کے ڈاکٹرز کے پاس جا  
جا کے ٹھک گئے سوچا اسلام آباد چلتے ہیں۔ اسلام  
آباد کی ایک میجر لیڈی ڈاکٹر کے پاس گئی۔ اس نے  
بتایا کہ بچہ دانی کا سائز بڑا ہے۔ جس کی وجہ سے درد  
ہوتا ہے۔ پھر کہا کہ بچہ دانی ہی الٹی ہے۔ یعنی کہ حد ہی  
ہو گئی اور دوایاں اتنی دیں کہ کھانے والا کھانہ سکے۔  
اٹھانے والا اٹھانہ سکے، دس ہزار خرچ ہو گئے صرف  
دو اینیوں پر اور آرام نہ آتا تھا، نہ آیا۔

پورے خاندان کے لوگ، صبح و عمرہ یہ جانے  
والے میرے لیے خاص الخاص دعا میں مانگتے کہ  
ماں، باپ کی اگلی ولاد ہوں۔ سب ہی صحت کرتے  
ہیں۔ پھر دعائیں کام آگئیں۔ شعاع میں صحت  
پڑھی کہ۔۔۔۔۔

”کوئی بیماری جو ٹھیک نہ ہو رہی ہو۔ اس کے  
لیے کہیں پانی کی کمی کی جگہ پر زیادہ پانی کا انتظام کروا  
دیں۔“

میرے میاں نے گاؤں میں ہی ایک پتھر  
بچوں کے گھر میں (جہاں پانی کی بہت کمی تھی) لگا  
لکوا دیا۔ پھر محمد یوسف اصلاحی صاحب کی کتاب  
”آداب زندگی“ میں صحت کے آداب میں صحت  
کے آداب میں احادیث پڑھیں۔

اس دن سے میں نے معدے پر توجہ دینی  
شروع کی۔ کھانے کی روٹین اس طرح سیٹ کی۔  
صبح نہار منہ ایک یا تین مجھوریں۔ پھر ایک  
گلاس پانی۔ ایک گھنٹے بعد ایک پراٹھا۔  
دوپہر بارہ بجے تک دو گلاس پانی (دقت و دقت  
سے)

سورج کی گھسیٹ	
ماڈل .....	عروج
میک اپ .....	میں بیوی پارلر
فٹو کرافٹ .....	موصوفی رضا

دو بجے دوپہر کا کھانا، ایک چپاتی تھوڑے  
سالن کے ساتھ۔  
شام تک تین گلاس پانی۔

رات کو دو گھنٹے روٹی یا دودھ کا ایک گلاس۔  
صبح اور شام ہلکی پھلکی داک۔  
تین دن بعد رات کو ایک ابلایا ہوا انڈا۔

تین دن بعد دودھ میں دیسی کمی اور ایک چٹکی  
بلدی لیتی ہوں۔ کبھی کبھار یہ قبوہ بھی پل لیتی۔

قبوہ کی ترکیب :- ایک کپ پانی میں حسب  
ذائقہ چینی اور نمک ڈال لیں۔ ایک چٹکی چائے کی  
پتی جا ایک سفید لالچہ ڈال کر اس کو تین یا چار ابال  
دیں۔ زیادہ ابالا نہیں ہے۔ جب ٹھنڈا ہو جائے تو  
آدھا لیوں نچوڑ کر ڈال کر پی لیں۔

گھر کے سب افراد کو دیں۔ شیر خوار بچوں کے  
لیے تو بہتر ہے۔ جس ان کو لیوں نہیں دیتا۔ اس  
سے معدہ ٹھیک ہوتا ہے۔ میرا بھی ٹھیک ہونے لگا۔  
کھانا بننا ختم ہونے سے معدہ گرم نہیں رہا، جس سے  
صحت بھی بہتر رہی اور لیور یا بھی ٹھیک ہو گیا۔ آج  
الحمد للہ فٹ ہوں۔ سب کچھ کھاتی چلتی ہوں۔ لیکن  
حدیث کے مطابق پیٹ کے تین حصے کر لیتی ہوں۔  
ایک حصہ خوراک کا۔ ایک پانی کا اور ایک خالی میری  
چھائیاں 30 لیصد ختم ہو گئی ہیں۔

اسے جسم، اس کی ضروریات اور بیماریوں کو خود  
سمجھیں۔ گیمیاچر سوٹ کر لی ہے کیا نہیں؟ یہ آپ کو خود  
پتا کرتا ہے۔ ڈاکٹرز کے پاس اتنا کام نہیں ہوتا کہ وہ  
پہلے آپ کی روٹین پوچھیں، پھر دوائیں۔ بچوں کے  
کھانے کی روٹین ٹھیک کریں۔ آج کل کمزوریاں،  
بیماریاں آئرن کی کمی وغیرہ وغیرہ۔ خوراک کی کمی کی  
وجہ سے نہیں۔ خوراک کی زیادتی اور نامنٹیل نہ ہونے  
کی وجہ سے ہیں۔ بچپن سے ہی روٹین ٹھیک ہوگی، تو  
ان کو عادت ہو جائے گی اور بچے صحت مند رہیں  
گے۔